میری پری

رُقیہ علی



میری پری

رقیہ علی

علم و عرفان پبلشرز
الحمد مارکیٹ، 40-اردو بازار، لاہور
فون۔ 37232336'37352332 فیکس 37223584
www.ilmoirfanpublishers.com
E-mail ilmoirfanpublishers@hotmail.com

انتساب!

یہ ناول میں اپنی مرحومہ امی کے نام کرتی ہوں

اللہ پاک انہیں جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا کرے۔



Theme

ڈپریشن چاہے آج کل عام بیماری ہے۔کوئی بھی اس پر لکھا ہوا پڑھنا نہیں چاہتا میں بھی اس پر کبھی نہ لکھتی اگر ایما کی موت مجھ سے سوال نہ کرتی۔تم لوگ کیسے اپنوں کو موت کے منہ سے نکال کر لے آتے ہو اور ہمیں کوئی کیوں بچانے نہیں آتا۔

میری پری

فون کی گھنٹی بجی آمنہ نے پاس پڑے فون کو دیکھا تو اُس پر آصفہ لکھا آرہا تھا نام دیکھتے ساتھ ہی اس کے چہرے کے تاثرات میں مزید پریشانی اور دکھ آ گیا۔ اس نے کال کاٹ دی۔ دو منٹ کے بعد دوبارہ فون کی گھنٹی بجی اس مرتبہ تو آمنہ نے دیکھنا بھی گوارہ نہ کیا اپنی ہی سوچوں میں گم رہی۔ تیسری مرتبہ پھر فون بجا اور وہ یوں محسوس کر رہی تھی وہ کانٹے دار جنگل سے گزار رہی ہو۔ یہ فون کی گھنٹی اس کو کانٹے کی طرح لگ رہی تھی۔ وہ اٹھ کر کچن میں چلی گئی تھوڑی دیر بعد واپس آئی تو فون کی گھنٹی مسلسل بج رہی تھی۔ فون اٹھاتے ساتھ ہی بڑے غصے اور بیزاری کے ساتھ۔

''کیوں کیا ہے فون؟

جب مجھے تمھاری ضرورت تھی تو تم کہاں تھی؟

مت کیا کرو مجھے فون۔

تمھارا فون سن کر مجھے تکلیف ہوتی ہے۔

کانٹوں کی طرح لگتا ہے مجھے تمھارا فون۔''

اُس کی باتوں کا جواب تو تھا آصفہ کے پاس مگر وہ دینا نہیں چاہتی تھی۔ دوسرا اس کو بھی لگتا تھا کہ کچھ کچھ وہ بھی اس کی اِس حالت کی ذمہ دار ہے۔

انسان تب ہی کسی کی بات سنتا ہے جب اس کو یہ احساس ہوتا ہے کہ اس نے دوسرے کے ساتھ کہیں زیادتی کی ہے۔ اس کے لیے اہم احساس ہے ورنہ تو لوگ قتل کر کے بھی بھول جاتے ہیں کہ انھوں نے کسی کی جان لی ہے۔ جذبات احساسات کو کون دیکھتا ہے احساس مند ہی لوگ ان اخلاقیات کو دیکھتے

ہیں اس کے لیے انسان ہونا ضروری ہے ورنہ تو سب ٹھیک ہے۔اور آپ ہر قصور سے بری ذمہ ہیں۔

آصفہ کو احساس تھا۔اس کی اِس حالت کی وہ ذمہ دار ہے کیونکہ اُس نے فرض نہیں نبھایا۔

''دیکھو! مجھے سے بات تو کرو۔تمھارا دل ہلکا ہو جائے گا۔بات کرنے سے تکلیف کم ہو جاتی ہے۔''

''لیکن میری تکلیف بڑھ جاتی ہے۔تمھاری تقریر سن کر۔جس میں کوئی صداقت نہیں ہوتی۔ صرف باتیں ہی ہوتی ہیں۔''

''بعض اوقات باتیں بھی ضروری ہوتی ہیں۔باتیں کرنے سے انسان اپنے دل کی بات کر دیتا ہے۔اپنا دکھ بیان کر دیتا ہے اس سے دکھ کی شدت کم ہو جاتی ہے۔''

''جب مجھے ضرورت تھی تب میرا دکھ تمھیں محسوس نہیں ہوا۔اب آئی بڑی دکھ کم کرنے والی۔
تم بھی پاکستانی پولیس کی طرح ہمیشہ دیر سے پہنچتی ہو جب سب برباد ہو جائے۔
جاؤ یہ ہمدردی کسی اور پر جا کر جھاڑو۔جس کو تمھاری ہمدردی محسوس ہو۔مجھے یہ ڈرامہ لگتی ہے۔
واری صدقے تو جاتی ہو لیکن ضرورت کے وقت کام نہیں آتی ہو۔''

''میں نجومی نہیں ہوں جس کو پتہ چل جائے کہ ہزاروں میل دور بیٹھے انسان کے حالات کیا ہیں؟
اس کے ساتھ کیا ہو رہا ہے؟
یا اس کے ساتھ کیا ہونے والا ہے؟''

''پھر یہ کیوں کہتی ہو کہ باتوں سے سب پتہ چل جاتا ہے کہ انسان کی مینٹل سٹیٹ کیا ہے۔ مطلب کے جھوٹ بولتی ہو۔
اس لیے میں تم پر اعتماد نہیں کرتی ہوں۔''

''تم بات نہیں کرتی تھی تو مجھے تمھاری حالت کیسے پتہ چلتی۔صرف جو سوال کیا جاتا تھا تم اُس کا جواب دیتی تھی۔اس کے علاوہ کچھ نہیں بتاتی تھی۔''

''تو پھر اب بھی تمھیں کچھ پتہ نہیں جا کر سو جاؤ۔میرا دماغ خراب مت کرو۔''

اُس سے بات کرنے کے لیے آصفہ بہانے بنا رہی تھی تا کہ وہ اُس سے بات کرتی رہے۔ اُس کو بات کرنے کی ضرورت تھی۔ وہ وہ frustration کا شکار تھی۔ اس سے نکلنے کے لیے بات ضروری تھی۔ بات اس وقت مرہم کا کام کرسکتی تھی۔ جیسے جسمانی زخم کے لیے مرہم ضروری ہوتی ہے۔

''تم بات کرو تمھارے لیے بات ایسی ہی ہے جیسے جسمانی زخم کے لیے مرہم ہے۔''

''لیکن تم سے بات کرنا ایسے ہی ہے جیسے کسی نے زخموں پر مرچیں لگا دی ہو۔ وہ بھی سرخ والی۔''

اب آصفہ کو سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ وہ کیا کہے۔ اُس کی توجہ ہٹانے کے لیے۔

''مجھے لگا کہ تم سمجھدار ہوگئی ہو۔ ہر معاملے کو ہینڈل کرسکتی ہو۔''

یہ الفاظ سنتے ہی آمنہ لال پیلی ہوگئی اور غصے سے پھٹ پڑی۔

''میں نے کہا اور تم نے مان لیا۔ کہاں گئی تمھاری عقل اور تمھاری عقلمندی اُس کو اتنی بھی سمجھ نہیں آئی کہ میں بے وقوف ہوں۔ مجھے مزید رہنمائی کی ضرورت ہے۔ میں اکیلی نہیں چل سکتی اس دنیا میں۔ جہاں سب ایک دوسرے کو نوچنے کے لیے تیار ہیں۔ اگر اکیلا چھوڑنا تھا تو تھوڑی عقل ہی سکھا دیتی۔''

''جو مجھ میں خود نہیں وہ کیسے سکھا سکتی ہوں۔ میں تو خود بڑی بے وقوف ہوں۔ تم کو کیا بتاتی۔''

''تو پھر فون مت کیا کرو۔ تم کچھ نہیں کسی کو بتا سکتی۔ صرف باتیں میری بنتی رہتی ہو تو وہ میں خود کو بھی سنا لوں گی۔ مجھے تمھاری ضرورت نہیں۔ تم ویسے بھی ضرورت کے وقت موجود نہیں ہوتی ہو۔ جب ضرورت نہ ہو تب ہی آتی ہو۔ نہیں چاہیے مجھے تمھاری فضول قسم کی ہمدردی۔ فون بند کرو اور سو جاؤ اور سنو! مجھے فون مت کیا کرو۔''

اُس کی باتوں میں بے بسی اور بے چارگی تھی جنھوں نے آصفہ کو بھی دُکھی کر دیا تھا۔ اُس کی تکلیف آصفہ کا دل بھی محسوس کر رہا تھا۔ لیکن وہ کچھ کر نہیں سکتی تھی جو کرسکتی تھی وہ وہ کرنے کی کوشش کر رہی تھی۔ جو کارآمد ہوتی نظر نہیں آ رہی تھی۔

''مانتی ہوں میری غلطی ہے در حقیقت میں خود میں کھوگئی تھی۔ میں تم سے بات نہیں کرسکی۔''

جب آمنہ کو دوسری طرف سے ہمدردانہ راستہ ملا تو لاشعوری طور پر دل کی بات کہنے لگی۔ کیونکہ

انسان بولنا چاہتا ہے۔

''پتہ ہے میں تمھیں ایک سایہ دار درخت سمجھتی تھی۔ جس کے سایہ میں مجھے اپنا آپ محفوظ لگتا تھا۔ میرے سر سے چھت چھن گئی ہے۔ میں بالکل اکیلی ہوگئی ہوں۔ اب سب کچھ خود ہی سہنا پڑتا ہے۔''

وہ بول کم رہی تھی لیکن رو زیادہ رہی تھی سسکیوں کی آواز فون سے ٹپک رہی تھی جو آصفہ کو صاف سنائی دے رہی تھی۔ جو بتا رہی تھیں کہ وہ کس کرب سے گزر رہی ہے۔ اس لیے آصفہ صرف اُس کو سننا چاہتی تھی تاکہ اُس کی تکلیف تھوڑی کم ہوسکے۔ اپنے ہی ہوتے ہیں جو اپنوں کی تکلیف کم کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔

''میں تو کوشش کرتی ہوں۔ تم سب کا سایہ بنوں لیکن بن نہیں پاتی۔

نجانے کیوں؟

شاید! مجھ میں کمی ہے میرے یا جذبوں میں۔''

''مان لو۔ تم کچھ نہیں جانتی صرف گپیں مارتی ہو۔ جن کا کوئی مطلب نہیں ہوتا۔ ان کا کوئی اثر بھی نہیں ہوتا۔ اگر ہوتا تو میری یہ حالت نہ ہوتی۔ حالت بھی قابل رحم۔

تم صرف خالی گھڑا ہو جو صرف بجتا ہے اور اُس کا کوئی کردار نہیں ہوتا۔''

ساتھ ہی غصے سے آمنہ نے فون بند کر دیا۔ ڈپریشن سے اُس کے چہرے پر غصہ آنے لگا سانس بھی اُوپر نیچے ہونے لگی۔ غصے سے ایک ڈرے ہوئے بچے کی طرح ٹانگیں بازو اکٹھے کر کے بستر پر لیٹ گئی اور رونے لگی۔ وہ سسکیاں لے کر رو رہی تھی۔ لیکن اس کو چپ کروانے والا کوئی نہ تھا۔ چپ کروانے والی کا تو اُس نے فون بند کر دیا تھا۔

اُس کے اس طرح فون بند کرنے سے آمنہ بھی پریشان ہوگئی تھی۔ وہ بستر پر لیٹ گئی اور رونے لگی وہ بھی رو رہی تھی اور اُس کا دل بھی لیکن آواز نہیں آ رہی تھی حالانکہ ماں ساتھ والے کمرے میں تھی وجہ یہ تھی کہ وہ دکھ چھپانے میں ماہر تھی وہ اپنے دکھوں کو یوں رکھتی تھی کہ کسی کو کان و کان خبر بھی نہیں ہوتی تھی۔

دوسرا یہ فرق ہوتا ہے ایک نارمل انسان کے دکھ محسوس کرنے اور ایک ذہنی اذیت کے شکار فرد کے

دکھ محسوس کرنے میں۔وہ جتنی بھی کوشش کرلے اُس کا خود پر قابو نہیں رہتا۔

دونوں پوری رات روتی رہی تھیں ایک پاکستان میں رہ کر اور دوسری ہزاروں میل دور ہو کر۔

جوانھوں نے اتنی لمبی بات کی تھی اگرچہ اُس میں آمنہ آصفہ سے لڑتی رہی تھی لیکن لاشعوری طور پر اس کو احساس ہوا تھا کہ کوئی اُس کے ساتھ ہے۔ساتھ ہونے کا احساس بھی انسان کو بہت ڈھارس بندھاتا ہے۔وہ لاشعوری طور پر ہمت پیدا کرتا ہے۔ذہنی مریضوں کے لیے ہمت پیدا کرنا ضروری ہوتا ہے۔

☆......☆......☆

ماں کا دل بڑا احساس ہوتا ہے وہ بچوں کی چھوٹی سے چھوٹی تکلیف محسوس کر لیتی ہے چاہے بچے اُس کو بتائیں یا نہیں۔اُس کے دل کی بے چینی اُس کو سب بتا دیتی ہے۔وہ اُن کی تکلیف دور کرنے کے لیے کوششیں شروع کر دیتی ہے تاکہ اُن کو بچا سکے۔

سوتے ہوئے روبینہ بیگم نے خواب دیکھا ''وہ نہر کے کنارے پر کھڑی ہے۔اُس نے دوسرے کنارے کی طرف دیکھا تو وہاں پر ایک بڑی خوبصورت بچی کھڑی ہے وہ روئی جارہی ہے۔اُس بچی کے آنسو روبینہ بیگم کے دل کو بے قرار کر دیتے ہیں۔وہ اُس کو دیکھ کر بے چین ہو گئی۔وہ اُس کو چپ کروانا چاہتی ہے تاکہ اُس کے دل کی بے قراری ختم ہو اس لیے وہ نہر پار کرنے کی کوشش کرتی ہے لیکن نہر بہت گہری اور پانی بہت تیزی سے بہہ رہا ہے۔وہ اس کی پرواہ کیے بغیر اُس میں کود پڑی۔لیکن پانی نے اُس کو اٹھا کر باہر پھینک دیا۔اُس نے باہر نکل کر دیکھا تو بچی اُس کو دیکھ کر مسلسل رو رہی ہے۔جیسے وہ کچھ کہنا چاہتی ہو بچی کی اُس کو دیکھتی آنکھیں اور اُس کے بہتے آنسو اُس کو دوبارہ کوشش کے لیے اکساتے ہیں۔اُس نے دوبارہ نہر میں چھلانگ لگا دی۔اس مرتبہ وہ اور پانی آپس میں لڑتے ہیں پانی اس کو باہر پھینکنے کی کوشش کرتا ہے اور وہ نہر کے دوسرے کنارے جانے کی کوشش کرتی ہے اس جدو جہد میں آدھا گھنٹہ گزر گیا اور پانی اُس کو باہر پھینکنے میں کامیاب ہو گیا۔وہ بڑی نڈھال ہو کر باہر آئی تھی خود کو بڑی ہمت جمع کر کے اٹھاتی ہے۔پھر بچی کی طرف اُس کی نگاہیں جاتی ہیں تو اُسے محسوس ہوتا ہے اُس کے آنسو نہیں بلکہ ہتھوڑے ہیں جو اُس کے دل پر لگ رہے ہیں۔آگے کھائی دیکھ کر بھی دل اُس کو مجبور کرتا ہے کہ وہ دوبارہ

کوشش کرے تاکہ وہ اُس کے آنسو روک سکے ورنہ اُس کا دل پھٹ جائے گا۔ وہ کھائی کی گہرائی جانے بغیر دوبارہ نہر میں کود پڑی اُس کی نگاہیں صرف اُس بچی پر تھیں۔ اس مرتبہ بچی بھی اُس کی طرف ہاتھ بڑھا رہی ہوتی ہے وہ بھی اُس کی طرف جانے کے لیے پانی سے لڑتی ہے یوں لڑتے لڑتے اور مسلسل کوشش کرتے کرتے اُس کی آنکھ کھل گئی۔''

اُس نے اُٹھ کر اِدھر اُدھر دیکھا لیکن وہاں کوئی بچی نہ تھی اُس کا جسم یوں تھکاوٹ سے چکنا چور تھا جیسے وہ بھی جنگ لڑ کر لوٹی ہو۔ دل بے قرار و بے چین تھا اُس کو یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے وہ پھٹ جائے گا۔ خواب اور حقیقت دونوں جگہ دل کی کیفیت ایک جیسی تھی۔ اُس کو بچی کا اس کی طرف ہاتھ بڑھانا اور اُس کا اس کی طرف جانا ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے کوئی اُس کو اپنی طرف بلا رہا ہو۔ وہ سمجھ نہیں پا رہی تھی کہ کون اُس کو بلا رہا ہے۔ کس کو اُس کی ضرورت ہے۔ وہ بے تابی کے عالم میں اُٹھی غسل خانے گئی وضو کیا اور نماز پڑھی۔

ناشتہ کرتے ہوئے روبینہ بیگم۔

''آصفہ آج پھر میں نے خواب میں وہی بچی دیکھی ہے جو مسلسل رو رہی تھی۔ میں اُس کو چپ نہیں کروا پائی ہوں۔''

''امی آپ کا وہم ہے۔ آپ کی دو ہی بیٹیاں ہیں وہ بھی جوان، ایک امریکہ اور دوسری میں آپ کے سامنے۔

لو پوچھو! اب کون سی بچی آپ کے لیے رو رہی ہے۔''

مذاق سے ''امی اور بھی آپ کی کوئی بچی ہے۔''

''بکواس بند کرو۔ کچھ ضرور ہے جو تم مجھے بتا نہیں رہی ہو۔ لیکن یہ یاد رکھنا۔ ماں کا دل سب محسوس کرتا ہے جو کچھ اُس کی اولاد کے ساتھ ہو رہا ہوتا ہے۔

اولاد سمجھتی ہے والدین بے وقوف ہیں پرانے زمانے کے ہیں آج کے تقاضے اِن کو کہاں پتہ ہیں۔

یہ آپ لوگوں کی غلط فہمی ہے۔''

''لیکن میری ماں تو سب جانتی ہے مجھے پتہ ہے۔ ہم ایسا محسوس نہیں کرتے کبھی ہم نے کہا؟''

''بیٹا کہتے نہیں ہو لیکن رویے سے احساس دلاتے ہو۔ ماں تو تم لوگ سمجھتے ہی نہیں ہو۔ کوئی بات نہیں وقت آپ کو بتا دے گا۔ ماں ماں ہوتی ہے۔ جس کا دل شیشے کی طرح احساس ہوتا ہے جو سب بتا دیتا ہے۔''

''اچھا میری پیاری ماں جی۔'' وہ اُٹھ کر کمرے میں جانے لگی تھی۔ اُس کو بازو سے پکڑ کر روبینہ بیگم۔

''ناشتہ تو ڈھنگ سے کر لو۔ یہ کام تو تم سارا دن کرتی رہتی ہو۔ سارا دن کچھ نہیں کھانا تم نے مجھے اچھی طرح پتہ ہے۔''

''ماں آپ تو نجومی ہیں۔ پھر کہتی ہیں ہم آپ کو بے وقوف بنا رہے ہیں۔

ہم آپ کو کیسے بے وقوف بنا سکتے ہیں۔ میری سویٹ ماں۔''

''بیٹا میں اندھی نہیں ہوں اسی گھر میں رہتی ہوں۔ تمھیں سارا دن دیکھتی ہوں۔ سارا دن یہ جو تم کلاتھ پینٹنگ میں لگی رہتی ہو۔ سمجھ نہیں آتا تم بہنوں کو کام کا اتنا جنون کیوں ہے؟

کام میں تو تم دونوں خود کو بھی بھول جاتی ہو۔ اس کام کو چھوڑ کر بھائی کو بھی فون کر لیا کرو۔''

''میں آج کروں گی۔ ویسے بھی وہ آج کل امتحان میں مصروف ہے وہ بہت بہادر ہے اُس کو کسی کی ضرورت نہیں؟''

''بیٹا! یہ ہماری خوش فہمیاں ہوتی ہیں کہ اُس کو ہماری ضرورت نہیں حالانکہ اُس کو ہماری سب سے زیادہ ضرورت ہوتی ہے۔ وہ ہماری طرف دیکھ رہا ہوتا ہے۔ یہ انسان کی فطرت ہوتی ہے کہ وہ کہتا ہے مجھے کسی کی ضرورت نہیں کیونکہ انا کو بھی تسکین دینی ہوتی ہے۔ الفاظ پر نہیں جاتے دل میں جھانک کر دیکھتے ہیں۔ کام سے باہر نکلو تو کچھ نظر آئے۔ بس کام کام اور کام کے مکالے پر عمل کرتی ہو۔

ماں کے بھی ایک مکالے کو یاد رکھنا۔

اِدھر اُدھر لوگوں کے دل دیکھنا۔''

دل میں سوچنے لگی ''ماں ٹھیک کہتی ہے اس کا ایک تجربہ تو میں ابھی ابھی کر چکی ہوں۔ مجھے لگا تھا۔

اُس کو اب میری ضرورت نہیں۔ حالانکہ اُس کو میری بہت ضرورت تھی۔"

وہ کمرے میں کلاتھ پینٹنگ کرنے کے لیے بیٹھی تو درد کی لہر جسم میں دوڑی تو اُس نے جلدی سے بیٹھنے کی پوزیشن بدل لی دوسری طرف بیٹھی پھر درد اُٹھا اُس نے پھر پوزیشن بدلی۔ یوں کرتے کرتے تکلیف اس قدر شدید شروع ہوئی تھی کہ چہرے کا رنگ بدل گیا لیکن اُس نے منہ سے ہائے کی آواز نہیں نکالی۔ کیونکہ اُس کو پتہ تھا ہائے کی آواز در و دیوار سنیں گے تو شاید کسی کو بتا دیں اور آواز ماں تک پہنچ جائے۔ ماں تک پہنچی تو سمجھو سب کو پتا چل گیا۔ اُس کا نظریہ تھا کہ "خوشیاں دوسروں کو بانٹتے ہیں لیکن درد اکیلے ہی سہتے ہیں۔ اپنوں کو تو ان کے سائے سے بھی دور رکھتے ہیں اپنی تکلیف تو سہی جا سکتی ہے لیکن اپنوں کی نہیں۔"

تکلیف کی وجہ سے وہ تھوڑی دیر کھڑی ہو گئی تھی پھر جب حوصلہ ہوا تکلیف برداشت کرنے کا تو دوبارہ بیٹھ گئی تھی۔ اس مرتبہ تکلیف کم تھی تو اُس کو لگا اب اس کی پوزیشن کو ذرا ٹھیک کیا جائے تو اُس نے آہستہ آہستہ اپنی پوزیشن کو درست لیا تکلیف اور کم ہوئی۔ پھر اُس نے ذرا اور پوزیشن درست کی۔ اس طرح کوشش کرتے کرتے وہ ٹھیک پوزیشن میں بیٹھ گئی۔ کپڑے کھولے اور ان پر پینٹ کرنے لگی تھی۔ وہ اپنے کام میں اس قدر مصروف ہو گئی تھی کہ وہ بھول گئی تھی کہ صبح سے دوپہر، دوپہر سے شام کے پانچ بج گئے تھے۔ غصے سے روبینہ بیگم اُس کے پاس آئی۔ ے

"تم نے یوں ہی کام کرتے کرتے مر جانا ہے۔ صبح سے بیٹھی ہوئی ہو اور یہ وقت ہو گیا ہے۔ تمھیں ہوش بھی ہے کہ کھانا بھی کھانا ہے شام کے پانچ بج گئے ہیں۔"

"امی سچ میں پانچ بج گئے ہیں۔ آج پروین نہیں آئی صفائی کرنے ورنہ وہ ایک بجے آتی ہے تو مجھے وقت کا پت چل جاتا ہے۔"

"یہی مسئلہ ہے تم دونوں بہنوں کا۔ کام میں کھو ہی جاتی ہو پھر کھانا پینا سب بھول جاتی ہو۔ یہی وجہ ہے تمھاری کمر ٹھیک نہیں ہو رہی۔ ایک ہی پوزیشن میں سارا سارا دن بیٹھی رہتی ہو۔"

"امی مجھے اس میں مزہ آتا ہے۔

دیکھیں تو ذرا میں نے کتنے پیارے پیارے پھول بنائے ہیں۔ یہ سوٹ کتنا خوبصورت بنا ہے۔ جو دیکھے گا دیکھتا ہی رہ جائے گا۔ مجھے تو خود بھی گمان ہو رہا ہے یہ پھول حقیقت میں ہیں بنے نہیں ہوئے۔ میں نے ان پر ایک ماہ لگایا ہے۔''

''خوبصورت تو بہت بنے ہیں۔ ویسے بھی جو بناتی ہو وہ پہلے سے بھی زیادہ اچھا بنتا ہے۔ اس لیے تو ایک دن میں ہی بک جاتا ہے۔ تمھارا کام کا نام تمھاری محنت کی وجہ سے ہے۔

بیٹا! جو کام بھی لگن سے کیا جائے۔ وہ اچھا ہی ہوتا ہے۔

محنت اور لگن کامیابی کا دوسرا نام ہے یہی دنیا کا راز ہے۔''

اُس کو سہراتے سہراتے روبینہ بیگم کو آمنہ کا خیال آجاتا ہے۔

''تمھاری طرح آمنہ بھی کام دل سے کرتی ہے۔ جب کام کر رہی ہوتی ہے تو اُس کو بھی دنیا جہاں کی ہوش نہیں رہتی۔''

سوچتے ہوئے آصفہ ''ماں اُس جیسی تو کوئی نہیں۔ وہ بہت بہادر اور ہمت والی ہے۔ اس قدر ذہنی اذیت کا شکار ہونے کے باوجود ریسرچ ورک کر رہی ہے۔ حالانکہ بڑے بڑے جب ذہنی تناؤ کا شکار ہوتے ہیں تو کچھ نہیں کر پاتے لیکن وہ کر رہی ہے۔''

''کیا سوچ رہی ہو۔ آؤ کھانا کھاؤ۔

پتہ نہیں آمنہ اور شیث نے کھانا کھایا بھی ہو گا یا نہیں۔''

''امی اب ایسی بھی بات نہیں۔''

''اللہ کرے دونوں اکٹھے ہو جائیں۔ تو کم از کم ایک دوسرے کا خیال تو رکھیں گے۔ دکھ درد میں اکٹھے ہوں گے۔''

''امی آپ جائیں۔ میں بس آ رہی ہوں۔''

''میں آوازیں نہ دیتی رہوں تم آ جانا۔ پہلے ہی جان نظر نہیں آتی۔ تم ہی تو ہو میں جس کا خیال رکھ سکتی ہوں۔''

''جی امی میں آئی۔''

صبح سے آمنہ لیب میں کام کر رہی تھی۔ کام میں اس قدر مگن تھی کہ اُس کو دنیا جہاں کی ہوش نہ تھی۔ دوپہر کا کھانا تو دور کی بات اُس نے پانی کا ایک گھونٹ بھی نہیں پیا تھا۔ اس کا مقصد کام کرنا تھا۔ جب آپ کا سب کچھ کام ہو جائے تو پھر کھانا پینا اور وقت کا احساس کہاں ہوتا ہے۔ اس لیے وہ اپنی ذہنی اذیت کو الگ طرف رکھ کر کام کر رہی تھی۔ وہ یہ بھی بھول گئی تھی کہ اُس کا اپنا وجود بھی ہے۔ وہ کام کر رہی تھی۔ اُس کے ایک ساتھی کا اُس کی لیب کے پاس سے گزر ہوا۔ اُس نے اُس کو کام کرتے دیکھا اور وقت دیکھا۔ لیکن اُس کو وقت کا احساس بھی نہیں ہو رہا تھا۔ سارا سنٹر خالی ہو گیا تھا۔ مشکل سے تین چار لوگ تھے۔ اُسے وقت کا احساس دلانے کے لیے اُس کے پاس آیا۔

''Amina, Now all stuff has gone be carful

''آمنہ سب جا چکے ہیں احتیاط سے۔''

اُس نے سر اُٹھا کر دیکھا تو سچ میں بہت دیر ہو چکی تھی۔ اندھیرا ہر چیز کو اپنی لپیٹ میں لے چکا تھا۔ لیب میں چونکہ دیواروں کی بجائے شیشے ہوتے ہیں آپ کو باہر اور اندر ہر چیز نظر آتی ہے۔ تو اس کو احساس ہوا وقت دن کو کھا گیا ہے اور اندھیرے کا راج شروع ہو گیا ہے۔ جو اب ہر چیز پر حکمرانی کرنے والا ہے۔ اس نے جلدی جلدی سارا سامان سمیٹ کر رکھا۔ تجربہ بند کیا۔ بیگ پکڑ کر ریسرچ سنٹر سے باہر جانے لگی۔ ریسرچ سنٹر سے باہر نکلی ہی تھی کہ ڈپریشن ہونا شروع ہو گیا تھا۔ بڑی مشکل سے آمنہ گھر پہنچی۔ سیدھی بستر پر گری۔

سارا دن کام کے بعد آصفہ بستر پر لیٹی تو تکلیف ہونے لگی تھی اس نے تکیہ ٹانگوں کے نیچے رکھا مگر درد کم نہیں ہوئی پھر اس نے کمر کے نیچے رکھا مگر تکلیف نہیں رک رہی تھی۔ اس درد کو روکنے کے لیے وہ تکیے کی جگہ بدل رہی تھی لیکن اُس کو سمجھ نہیں آ رہی تھی۔ کہ کیسے تکلیف روکے۔ اس طرح کوشش کرتے کرتے نجانے کیسے تکیہ صحیح پوزیشن میں آ گیا اور تکلیف تھوڑی کم ہو گئی تھی۔ یہ سچ ہے جہاں انسان کو سکون ملتا وہ اُسی جگہ کا ہو جاتا ہے یہ جسم آرام پسند ہے اس کو تکلیف اچھی نہیں لگتی۔ مطلب جب انسان خود کو

تکلیف دیتا ہے تو وہ اس سے ناراض ہوتا اصل میں وہ اس کو سزا دیتا ہے چاہے جرم اس کو اُس کا یاد ہو یا نہ ہو یہ ایک الگ بحث ہے جس میں نا کبھی کوئی جیتا ہے اور نہ کوئی ہارا۔ وہ تو جسم سے ناراض نہیں تھی اس لیے اُس کے لیے پرسکون پوزیشن ڈھونڈ رہی تھی جیسے ہی اُس کو سکون ملا وہ اُس ہی پوزیشن میں لیٹ گئی تھی۔ مطلب مقصد پورا ہو گیا۔

اب وہ گھڑی کو دیکھ رہی تھی کب وہ ایک بجائے اور وہ آمنہ کو فون کرے۔ یہ آمنہ کا گھر لوٹنے کا وقت تھا۔ دراصل آمنہ کے ملک میں اور پاکستان کے وقت میں فرق تھا۔

آج آمنہ کی حالت خراب تھی معمول سے بھی زیادہ۔ عام طور پر اُس کا اپنے آپ پر کافی کنٹرول ہوتا تھا۔ آج ڈپریشن کا حملہ اتنا شدید تھا کہ اُس کا اپنے آپ پر قابو نہیں رہا تھا۔ اُس کی سانس اوپر نیچے ہو رہی تھی ہونٹ خشک ہو گئے تھے۔ اُس کو ہر چیز بے وقت اور بے معانی لگ رہی تھی۔ آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے۔ جہاں بیٹھی تھی۔ وہاں ہی بیٹھی بیٹھی جم گئی تھی۔ جیسے پتھر پڑے پڑے جم جاتے ہیں۔ سارا دن کی تھکی ہاری تھی کہ اُٹھ کر کھانا کھانے یا اپنے آپ کو تازہ دم ہی کر لے۔ وہ اسی حالت میں بیٹھی ہوئی تھی۔ آنسو بھی تھمنے کا نام نہیں لے رہے تھے سانس بھی درست نہیں ہو پا رہا تھا کھڑکی کے سامنے کھڑی اس کے پار دیکھی جا رہی تھی۔ اس حالت میں آدھا گھنٹہ بیت گیا تھا۔ رو رو کر اب آنسو بھی سسکیاں بن گئے تھے۔

انتظار میں بیٹھی آصفہ گھڑی کو دیکھ رہی تھی جیسے ہی ایک بجا وہ جو انتظار کر رہی تھی۔ اُس نے جلدی سے فون ملایا۔ پہلے تو آمنہ نے فون کی گھنٹی کو سنا بھی نہیں کیونکہ وہ تو وہاں موجود ہی نہیں تھی صرف اُس کا وجود وہاں تھا۔ وہ تو سوچوں کے سمندر میں ڈوبی ہوئی تھی۔ جب اس نے دو تین مرتبہ مسلسل فون ملایا تو اُس کی سوچوں کے سمندر میں لہریں متاثر ہوئی اور اُس کو فون کے بجنے کا احساس ہوا۔ اُس نے فون کو دیکھا تو فون اُٹھاتے ہی۔

’’تم میری جان کیوں نہیں چھوڑ دیتی۔ مجھے جینے دو۔ مجھے اس بے کار قسم کی ہمدردی کی ضرورت نہیں۔ نجانے کیوں کرتے ہو؟

میرا پیچھا آخر تم چھوڑ کیوں نہیں دیتی؟

میرا پیچھا چھوڑ دو۔"
اس کی آواز میں درد تھا جو ایک بہن بخوبی پہچان سکتی تھی۔ اُس کے الفاظ سے وہ درد آصفہ تک پہنچ رہا تھا۔ اس کی سسکیاں بتا رہی تھیں کہ وہ مر رہی ہے ایسے ہی وہ بھی تکلیف سے۔

"تم مجھ سے بات کرو۔
بات سے بات بنتی ہے۔
شاید ہم کوئی حل نکال لیں جس سے تم بہتر محسوس کرو۔ اور پھر بہتر سے بہتر ہوتا جائے۔"
"ہو گیا تمھارا فلسفہ شروع۔ نفرت ہے مجھے اس سے۔
مت کیا کرو فلسفیانہ باتیں۔ مجھے بری لگتی ہیں۔"

سسکیاں لیتے ہوئے آمنہ نے فون بند کر دیا۔ اُس کا فون بند کرنا تھا تو آصفہ بھی رونا شروع ہو گئی تھی۔ ادھر آصفہ رو رہی تھی اور اُدھر ہزاروں میل دور بیٹھی آمنہ رو رہی تھی۔ اتنا فاصلہ ہونے کے باوجود دونوں ایک ہی دکھ محسوس کر رہی تھیں۔ "یہ فاصلے دکھ کیوں نہیں مٹاتے۔ ان کے باوجود جب دل جڑے ہوتے ہیں تو چوٹ ایک کو لگتی ہے تو تکلیف دوسرے کو بھی اتنی ہی ہوتی ہے جتنی ایک کو ہو۔"

آصفہ خود سے "حالانکہ دوسرے کو لگتا ہے جس درد سے وہ گزر رہا ہے دور بیٹھا اُس کو نہیں جان سکتا۔ اُسے کیا پتہ اگر جسم کے ایک حصے میں درد ہو تو سارا جسم اُس کو محسوس کرتا ہے۔"

دونوں روتی روتی نجانے کب سو گئیں۔

ماں کا دل تو بچوں کے دکھ کو سب سے زیادہ محسوس کرتا ہے۔ ادھر روبینہ بیگم پھر وہی خواب دیکھ رہی تھی۔ "ایک بچی دور بیٹھی مسلسل اُس کو دیکھ کر رو رہی ہے۔ وہ اُس کی طرف جانے لگتی ہے تو آندھی چلنا شروع ہو گئی۔ وہ ہوا سے لڑتی ہوئی چل رہی ہوتی ہے مگر ہوا اُس کو آگے جانے نہیں دیتی۔ اس کو پیچھے دھکیل دیتی ہے۔ مگر بچی کی روتی ہوئی شکل اُس کو چین لینے نہیں دیتی وہ پھر آگے جانے کی کوشش کرتی ہے۔ مگر ہوا اور پانی کا مقابلہ آسان کہاں ہوتا ہے۔ ہوا اُس کو دوبارہ شکست سے دوچار کر دیتی ہے۔ وہ بھی ماں ہوتی ہے اس شکست کو قبول کرنے کی بجائے ہمت کر کے پھر اُس کے مقابلے کے لیے اُٹھ

کھڑی ہوگئی۔ یوں حالات سے لڑتے لڑتے تھکاوٹ اور ناکامی کی وجہ سے اُس کی آنکھوں میں آنسو آگئے۔ وہ رو رہی تھی۔ اس کشمکش میں اُس کی آنکھوں میں آنسو آگئے۔ وہ رو رہی تھی۔ اس کشمکش میں اُس کی آنکھ کھل گئی۔''

وہ اُٹھی تو آنسو اُس کی آنکھوں میں تھے۔ گال بھی گیلے تھے۔ وہ اٹھ کر بیٹھی اِدھر اُدھر دیکھا۔ وہ اپنے ہی کمرے میں تھی۔ مگر دل بے چین تھا۔ اُس نے اُٹھ کر غسل خانے میں جا کر وضو کیا اور اپنے رب کے حضور سجدہ کیا اور دعا کرنے لگی۔

''میرے پروردگار! میرے بچوں کو اپنے حفظ و ایمان میں رکھنا ہم بہت بے بس ہم بہت بے بس اور ناتواں انسان ہیں۔ تو ہی ہماری حفاظت کرنے والا ہے۔ ہم پر رحم فرما تو رحم کرنے والا ہے۔''

وہ بھی جائے نماز پر نماز پڑھتے پڑھتے سو گئی۔ دکھ ایک کا تھا۔ لیکن تکلیف سارے خاندان کے افراد کو تھی۔ بھائی نے بھی بہن کے درد کو بن کہے محسوس کیا تھا۔ اُس نے بھی خواب دیکھا۔

ایک ویران میدان میں آمنہ بیٹھی رو رہی ہے لیکن وہ بول نہیں رہی۔ وہ بھی اُس کو دیکھ رہا ہے لیکن اُس میں بھی پوچھنے کی سکت نہیں۔ اس کو لگتا ہے اگر وہ بولی تو اُس کا دل پھٹ جائے گا۔ اُس کے آنسوؤں میں اُس کے ساتھ کی گئی زیادتی کی داستان رقم ہے۔ جو نظر تو نہیں آ رہی مگر اُس کو محسوس سب کر رہے ہیں۔ اُس نے اُس سے پوچھے بغیر اُس کو اپنی موٹر سائیکل پر بٹھایا اور گھر کی طرف چل پڑا۔ اُس کی موٹر سائیکل کے راستے میں گندا پانی آیا لیکن وہ چلا جا رہا تھا پھر وہ موٹر سائیکل چلاتا چلاتا گھر پہنچ گیا۔ اُس کو گھر چھوڑ کر خود بدلہ لینے نکل گیا۔ وہ موٹر سائیکل چلا رہا تھا کہ اُس کی آنکھ کھل گئی۔

وہ اُٹھ کر پریشان ہو گیا ''نجانے آمنہ کو کیا ہوا ہوگا۔ مجھے اس طرح کا خواب کیوں آیا ہے۔ کہیں اُس کے ساتھ کچھ برا نہ ہوا ہو۔''

خود کو جھٹکتے ہوئے ''نہیں ایسا نہیں ہوسکتا۔ یہ تمھارے دماغ کا فتور ہے۔ وہ بہت اچھی ہے۔ اُس کے ساتھ کچھ برا نہیں ہوسکتا۔''

خود کو لاکھ تسلیاں دینے کے باوجود شیث کا دل بے چین اور پریشان تھا۔ اُس کو سمجھ نہیں آ رہی تھی

کہ وہ کیا کرے۔ کبھی وہ ایک جگہ بیٹھ رہا تھا پھر دوسری لیکن اُس کا دماغ کام نہیں کر رہا تھا۔ دماغ کی تو جیسے بتی ہی بند تھی۔ آمنہ سے وہ بات کرنے کا سوچ نہیں سکتا تھا کیونکہ اس طرح بات ہو نہ ہو خواب سن کر پریشان نہ ہو جائے۔ کچھ دیر سوچنے کے بعد اُس نے آصفہ کو فون کیا۔

فون کی گھنٹی بجی تو آصفہ بے وقت بھائی کا نمبر دیکھ کر پریشان ہو گئی تھی۔ فون آنا کوئی بڑی بات نہیں تھی لیکن بے وقت ہمیشہ طوفان ہی آتا ہے۔ خدا خیر کرے۔ پہلے ایک ڈپریشن کا شکار ہے۔ اب کہیں اس کی تو بار نہیں......نہیں......ایسا نہیں ہو سکتا۔"

اس نے خود کو جھٹک کر جلدی سے فون اُٹھایا۔

"کیسے ہو؟ اس وقت فون میں تو پریشان ہو گئی تھی۔"

"فون تو امی کو کرنا چاہتا تھا لیکن یہ سوچ کر نہیں کیا۔ وہ پریشان ہو کر بیمار ہو جائیں گی۔ میں نے بہت برا خواب دیکھا ہے۔"

پھر اُس نے سارا خواب آصفہ کو سنایا۔ خواب سن کر آصفہ سکتے میں آ گئی تھی خود سے۔ "کیسے بتاؤں کہ تمھارا خواب سچا ہے۔"

جب دوسری طرف سے جواب نہ آیا تو شیث۔

"آپی کیا ہوا؟

آپ نے کوئی جواب نہیں دیا۔

کچھ ہی کہو۔ میں نے اس لیے نہیں فون کیا کہ آپ میرا خواب سن کر خاموش ہو جائیں۔ کچھ ہی کہو۔"

"کچھ نہیں ویسے ہی وہاں کے اردگرد کے حالات دیکھ کر تمھارا دماغ خراب ہو گیا ہے ورنہ آج ہی میری اُس سے بات ہوئی ہے۔ وہ تو بالکل ٹھیک ہے۔ تم اُس کے بارے میں سوچتے ہو۔ اس لیے پریشان ہو جاتے ہو۔ اس لیے تمھیں ایسا خواب آیا ہے۔ شکر ہے تم نے امی سے اس کا ذکر نہیں کیا ورنہ وہ تو ہسپتال پہنچ جاتی دس منٹ میں بغیر ٹکٹ کے۔"

اس وجہ سے تو میں نے بھی سوچ سوچ کر آپ کو فون کیا ہے۔ ویسے میں پلان کر رہا ہوں اُس کے پاس جانے کا۔

بات تو میں روز ہی اُس سے کرتا ہوں۔ لیکن میں اپنی بہنوں کو جانتا ہوں۔ پہاڑ بھی ٹوٹ پڑے تو کسی کو نہیں بتائیں گی۔

''ایسی بھی کوئی بات نہیں۔ ہر بات تو بتاتی ہیں۔''

''نہیں آپی مجھے لگتا ہے۔ ہم ایک دوسرے پر اعتماد نہیں کرتے۔ اپنے مسئلے خود ہی حل کرنے کی کوشش میں لگے رہتے ہیں۔ ایک دوسرے کو نہیں بتاتے۔ شاید ڈرتے ہیں اگر ہماری اپنی غلطی ہوئی تو دوسرا ہمیں کیا کہے گا۔''

''یہ تو تمھاری بات ٹھیک ہے ہم ایک دوسرے سے ڈرتے ہیں۔ لیکن یہ ڈر اس وجہ سے ہے کہ ہم ایک دوسرے کو تکلیف نہیں دینا چاہتے اور کوئی وجہ نہیں ہے۔''

''آپی میرا دل چاہتا ہے۔ ہم کوئی بھی کام کریں۔ چاہے اچھا ہو یا برا ایک دوسرے کو بتائیں۔ نجانے کیوں بتا نہیں پاتے۔ صرف اس ڈر سے کہیں دوسرے کا ہم پر سے مان نہ ٹوٹ جائے۔''

''یہ تو محبت کی زنجیر ہوئی جو بڑی خوبصورت ہوتی ہے۔''

''آپی چاہے زنجیر جتنی بھی خوبصورت ہو اس سے تکلیف ضرور ہوتی ہے۔ بلکہ نہ مٹنے والے نشان چھوڑ جاتی ہے۔''

''اگر تمھیں لگتا ہے تو تم کچھ بھی ہو بتا دینا۔ ہوسکتا ہے۔ تم ہی کسی نقصان سے بچ جاؤ۔''

نقصان سے بچنے کا لفظ سنتے ہی شیث کو لگا کہ کچھ ہوا ہے۔ فوراً بولا۔

''آپی سچ بتاؤ۔ مجھے نجانے کیوں ایسا لگ رہا ہے۔ جیسے کچھ ہوا ہے جو آپ مجھ سے چھپا رہی ہیں۔''

''ایسا کچھ نہیں ہوا۔ تم میری بات پر یقین کرو۔ بس وہ ریسرچ کی وجہ سے پریشان ضرور ہے۔''

''آپی میں نے اُس کو کتنی مرتبہ سمجھایا ہے ریسرچ میں ایسا ہوتا ہے لیکن اُس کو سمجھ ہی نہیں آتا۔''

''دراصل وہ چاہتی ہے ایک ہی رات میں ریسرچ ہو جائے۔ جو بھی وہ کرے وہ پرفیکٹ ہوتا جائے۔ اُس میں کوئی غلطی بھی نہ ہو۔''

''آپی ایسا نہیں ہوتا۔ آپ کوئی بھی کام کرو اُس میں آپ بہت سی غلطیاں کرتے ہو۔ پھر آہستہ آہستہ آپ کو سمجھ آنا شروع ہو جاتی ہے یوں آپ ایک ٹریک پر چڑھ جاتے ہو۔''

''تم نے ٹھیک کہا۔ لیکن اُس کو یہ بات کون سمجھائے۔''

''میں نے تو اُس کو عدیل بھائی کے بارے میں بتایا تھا۔ کیسے وہ ایک سال صرف انسٹیٹیوٹ میں بیٹھ بیٹھ کر آ جاتے تھے۔ اُن کا سپروائزر اُن کو کچھ نہیں بتاتا تھا۔ ایک سال کے بعد انھوں نے اُن کو لیب میں جانے دیا اور ریسرچ کرنے کی اجازت دی۔ اس کا تو سپروائزر بہت اچھا ہے۔ اِس کو پہلے ہی دن لیب دے دی تھی۔ پھر بھی ناشکری ہے۔''

''اس کو صرف ٹینشن لینے کی عادت ہے۔ کوئی پریشانی نہ ہو تو وہ اس بات کی ٹینشن ہوتی ہے کہ کوئی بات کیوں نہیں ہے۔''

''آپی وہ پاگل ہے اور کوئی بات نہیں۔''

''تم پریشان نہ ہو۔ آہستہ آہستہ وہ بھی ٹھیک ہو جائے گی۔''

''اللہ کرے ہو جائے۔ آپی میں تو اُس کے لیے بہت پریشان ہوں۔ ایک تو کوئی بات بتاتی ہی نہیں۔''

''تم بس آرام سے سو جاؤ۔ یہ سب زندگی میں ہوتا رہتا ہے۔

اس کو زندگی کا مرچ مصالحہ کہتے ہیں۔''

فون بند کرتے کرتے آصفہ ''تم امی سے اس کا ذکر مت کرنا۔''

''نہیں کرتا آپی۔ اگر کرنا ہوتا تو اب تک کر چکا ہوتا۔''

''تم بھی اپنا خیال رکھنا۔ اللہ حافظ۔''

بہن سے اتنی لمبی بات کرنے کے باوجود شیث پریشان تھا بے چینی تھی کہ کم ہونے کا نام نہیں لے رہی تھی۔ سونے کی بجائے کمرے سے نکل کر باہر چلا گیا۔ سڑک پر دوڑنے لگا۔

بھائی کو تو تسلی دے دی تھی لیکن خود کو کون تسلی دیتا۔ خود آصفہ اپنے اندر آگ لگی محسوس کر رہی تھی۔ جل تو رہی تھی مگر سب سے چھپ کر سوچنے لگی "اُس کے دکھ کو سب محسوس تو کر رہے ہیں مگر جو آگ اس کے اندر لگی ہے اُس کے لیے کچھ نہیں کر سکتے۔ رشتے بھی کتنے عجیب ہوتے ہیں۔ چاہے ساتھ ہو یا نہ۔ لیکن دل ایک دوسرے کے ساتھ ہوتا ہے اور تکلیف بھی ایک جیسی محسوس ہوتی ہے ایسا کیوں ہوتا ہے؟ کیا یہ دل کا ساتھ پانی کا کام کرے گا یا نہیں۔ جو اُس کے اندر کی آگ کو بجھائے گا۔ اس کا جواب تو وقت دے گا۔"

☆......☆......☆

انسٹیٹیوٹ جاتے ہوئے آمنہ بس سٹاپ پر بیٹھی بس کا انتظار کر رہی تھی۔ بس کے آنے میں ابھی وقت تھا۔ وہ اِدھر اُدھر دیکھنے لگی تھی۔ ایک حقیقت ہے جب انسان اپنے وجود سے باہر دیکھتا ہے تو اُس کو وہی کچھ محسوس ہوتا ہے جو اس کے اندر ہوتا ہے کیونکہ جو دل کا موسم ہوتا وہی باہر کا موسم ہوتا ہے لیکن لوگوں کا موسم اس کے برعکس بھی ہوتا ہے دراصل انسان لوگوں کو اپنے ساتھ دیکھنا چاہتا ہے ایسا نہیں ہوتا۔ اُس کو فضاء میں بھی مایوسی محسوس ہو رہی تھی۔ اُسے یوں لگ رہا تھا آسمان بھی اُس کے ساتھ مل کر اُس کے دکھ پر رو رہا ہے۔ بارش کے قطرے اُس کو آنسو محسوس ہو رہے تھے۔ اُسے اپنے اندر کی مایوسی ہر چیز میں محسوس ہو رہی تھی۔ دور بیٹھی ایک لڑکی پر اُس کی نظر پڑی۔ تو اُس نے دیکھا وہ خوش تھی۔ خوشی اُس کے بیٹھنے کے انداز اُس کے چہرے کی خوشی سے جھلک رہی تھی۔ اُس کا بارش کے قطروں سے کھیلنا بتا رہا تھا اُس کے اندر کا موسم سہانا ہے۔ شاید اُس میں کوئی پھول نہیں بلکہ بہت سے پھول کھلے ہوئے ہیں۔

ہر چیز دل کے موسم والی ہی اچھی لگتی ہے اس لیے آمنہ نے اُس سے نظر ہٹا کر دوبارہ فضاء کو محسوس کرنا شروع کر دیا تھا۔ تو وہ اُس کو پھر بھی افسردہ ہی محسوس ہو رہی تھی۔ پھر اُس نے بارش کے قطروں کی طرف نظر دوڑائی تو وہ بھی اُس کو آنسو کی طرح ہی محسوس ہو رہے تھے۔ اُس نے دوبارہ لڑکی کی طرف نظر دوڑائی کہ شاید پہلا مشاہدہ غلط ہو۔ لیکن وہ پہلے کی طرح اندر کی خوشیاں باہر بکھیر رہی تھی۔ اُس کا مشاہدہ غلط نہ تھا۔ لڑکی کے چہرے کے تاثرات، بارش کے ساتھ اُس کا کھیلنا سب اُس کو بتا رہے تھے کہ اُس کے

اندر بہار عروج پر ہے۔ وہ اُس کے غم سے بہت دور تھی۔ اُس کی آنکھوں میں اُمید اور خوشی تھی جو آمنہ خود کھو چکی تھی۔

اُس نے دو تین مرتبہ ساری صورت حال کا مشاہدہ کیا پھر خود سے ہی کہنے لگی۔ ''انسان بڑا عجیب ہے اُس کے لیے صرف اپنی ذات ہی اہم ہے اُس کے لیے دوسروں کی خوشی اور غم کوئی معانی نہیں رکھتے۔ یہ قدرت ہی ہے جو اُس کے اندر کی ہر چیز کو محسوس کرتی ہے۔ پھر آپ کا ساتھ بھی دیتی ہے واہ رے انسان۔

دیکھو! ذرا کیسے فضاء میرے لیے پریشان ہے آسمان آنسو بہہ رہا ہے مگر انسان اپنی خوشیوں میں مصروف ہے۔ اُس کے پاس اتنا بھی وقت نہیں کہ وہ دوسروں کو دیکھ ہی سکے۔ اُن میں شریک ہونا تو دور کی بات ہے۔ کیا ہوتا اگر وہ اپنی خوشی سے باہر نکل کر ایک نظر مجھے بھی دیکھ لیتی۔ جیسے میں اُس کی خوشی محسوس کر رہی ہوں۔ وہ میرا غم محسوس کر لیتی۔ مگر نہیں وہ تو صرف اپنے آپ میں مگن ہے۔''

ان سوچوں کے دوران ہی بس آگئی۔ وہ اُس میں سوار ہو کر وہاں سے روانہ ہو گئی۔ انسٹیٹیوٹ پہنچ کر اپنے تجربات کرنے لگی۔ کام کرتے کرتے اُس کو وہ لڑکی یاد آرہی تھی، وہ اُس کو تھوڑی دیر سوچتی رہی اور پھر وہ کام میں مصروف ہو گئی تھی۔ یوں اُس کا سارا دن اُس کو سوچنے اور کام کرنے میں گزر گیا تھا۔ حالانکہ وہ لڑکی تھی جس کو کام کے دوران کچھ یاد نہیں رہتا تھا۔

آج کا اُس کا دن دونوں لڑکیوں کی زندگی کے موازنے میں گزرا تھا یہ موازنہ نہ تھا بلکہ وہ لاشعور طور پر خود کو بتا رہی تھی کہ اُس کی اپنی ذہنی حالت ٹھیک نہیں ورنہ سب ایسا ہی سوچ رہے۔ دوسرا ماڈرن دنیا کے منہ پر طمانچہ بھی تھا کہ اُس میں انسان کے پاس وقت نہیں کہ دوسروں کے دکھ سکھ بھی دیکھ سکے۔

دو دو جنگیں لڑ کر وہ اپنے کمرے میں پہنچی تھی کہ فون کی بھی گھنٹی بجنا شروع ہو گئی تھی۔ اُس نے نام دیکھتے ہی فون کاٹ دیا۔ اُس کے فون کاٹنے کے باوجود آصفہ مسلسل فون کر رہی تھی۔ آخر کار تنگ آ کر آمنہ نے فون اُٹھا لیا۔

''کیوں فون کیا ہے؟ تمھیں آرام کیوں نہیں آتا؟''

''تمھارے لیے پریشان تھی۔اس لیےفون کیا ہے۔''

''یہ ڈائیلاگ پرانا ہوگیا ہے۔کوئی نیا بولو۔نفرت ہے مجھےلفظ پریشان سے۔''

''کل رات شیث کا فون آیا تھا۔وہ بھی تمھارے لیے پریشان ہورہا تھا۔''

''تو پھر تم نے جذبات میں آ کر ساری سٹوری سنادی ہوگی۔''

''نہیں...... میں نے بتایا کہ تم ریسرچ کی وجہ سے پریشان ہو۔اُس نے دراصل تمھارے لیے ایک بُرا خواب دیکھا تھا۔سب تمھارے دکھ کومحسوس کررہے ہیں۔''

''کوئی کسی کے دُکھ کومحسوس نہیں کرتا۔یہ میں اچھی طرح جان گئی ہوں تم صرف ڈرامہ کرتی ہو۔جو مجھے اچھانہیں لگتا۔''

''میں کیوں ڈرامہ کروں گی؟''

چڑ کر آمنہ'' مجھے نہیں پتہ لیکن یہ تجربہ میں نے کیا ہے۔انسان کے پاس وقت نہیں کہ وہ اپنی ذات کے علاوہ کسی کو دیکھے۔تمھارے پاس بھی وقت نہیں تھا کہ تم مجھے دیکھتی اور میں اپنی ذات پر تجربات کرتی رہی۔

اوراب کہتی ہوں سب پریشان ہیں۔مجھے بھی کچھ نہیں لینا تم لوگوں کے پریشان ہونے سے۔''

''تم وقت نکال کر امی سے بات کرلینا لیکن اُن سے صحیح طریقے سے بات کرنا۔یہ سڑیل پن ایک طرف رکھ کر۔''

''اتنی مجھ میں عقل ہے۔کرلوگی اُن سے بات جب مجھ میں ہمت ہوگی۔ابھی نہیں۔میں اُن سے جھگڑا کرلوگی۔اس لیے رہنے ہی دو۔''

''شیث کا فون آئے تو اُس سے بھی اچھے طریقے سے بات کرنا۔''

''ہوگی تمھاری نصیحتیں شروع۔دوسرے کی مینٹل سٹیٹ نہیں دیکھتی اور دوسروں پر حکم صادر کردیتی ہو یہ نہیں کرنا اور وہ نہیں کر۔یہ ہے تمھارا احساس۔تمھیں کسی کا احساس نہیں ہے۔جیسا دل چاہا کرلوں گی۔''

''چلو! جیسے تمھاری مرضی۔یہ بتاؤ کچھ کھایا بھی ہے یانہیں۔''

''اب تمھاری دوسری تقریر شروع ہوگئی ہے۔ جب دل چاہا اور جو دل چاہا کھالو گی۔ اگر یہ ہی باتیں کرنی ہیں تو کر دو فون بند۔''

''تو پھر بتاؤ۔ میں کیا بات کروں۔ اگر تمھارے بارے میں بات کرتی ہوں تو بھی تمھیں برا لگتا ہے۔ اگر کھانے کا کہوں تو بھی۔''

''تو کچھ نہ کہو۔ کیونکہ تم ہمیشہ فضول باتیں کرتی ہو۔ کتنا ہی اچھا ہو اگر تم بات ہی نہ کرو خاص طور پر مجھ سے۔ جو تم بن بادل برسات کی طرح آجاتی ہو۔ زہر لگتی ہو۔''

''میں تو بن بادل برسات ہوں تو بادل کے ساتھ برسات کیسی ہوتی ہے۔''

''وہ بارش جو ضرورت کے وقت آتی ہے۔ جس کا ایک ایک قطرہ فائدہ دیتا ہے۔ مرہم کی طرح کام کرتا ہے۔''

یعنی کوئی ہمدردی کے الفاظ بولے تو وہ الفاظ آپ کے دکھ پر حاوی ہو جائیں۔ دکھ دکھ نہ رہے۔ غصے سے ''تمھارے الفاظ کی طرح چبھن محسوس نہ ہو۔''

''اُن ہی کے الفاظ مرہم بنتے ہیں۔ جن کے الفاظ ہم سننا چاہتے ہیں۔ تم میرے الفاظ سننا نہیں چاہتی۔ تو چبھن ہی محسوس ہوگئے۔''

''کیونکہ جب مجھے تمھاری ضرورت تھی تو تم ایسے غائب ہوگئی تھی۔ جیسے گدھے کے سر سے سینگ۔ اب ہمدردی جتاؤ گی تو زہر ہی لگو گی۔''

سر کو ہاتھ سے زور سے پکڑ کر آمنہ ''پلیز فون بند کرو۔ بلکہ میں ہی کر دیتی ہوں تم تو بڑی ڈھیٹ ہو۔ اب سو جاؤ۔ تمھارا کوٹا پورا ہو گیا ہے۔ تم نے مجھے فون کر لیا ہے۔''

اس سے پہلے کہ آصفہ کچھ کہتی آمنہ نے فون بند کر دیا۔ اس کے فون بند کرنے کے بعد آمنہ سوچنے لگی۔ ''آمنہ ٹھیک کہتی ہے اگر آپ وقت پر نہ پہنچو تو پھر جو بھی کرو۔ وہ سب فارمیلٹی لگتا ہے۔ لیکن اس کو میں کیا بتاؤں۔ میں اُس وقت کسی قدر کرب میں مبتلا تھی۔ جو میں کسی کو بتا نہیں سکتی۔'' وہ یاد کرنے لگی۔

وہ بستر پر لیٹی پر اُس سے لیٹا نہیں جا رہا تھا۔ اس قدر شدید درد ہو رہی تھی کہ مجبوراً اس نے کمر کو

بستر سے اونچا کیا۔ جیسے ہی اس کی کمر بستر سے اونچی ہوئی درد کی شدت میں تھوڑی کمی ہوئی ساتھ ہی چہرے کے تاثرات میں بھی تبدیلی آئی۔ کراہت کے تاثرات سکون میں بدل گئے۔ وہ اسی حالت میں رہنا چاہتی تھی کیونکہ سکون تھا مگر وہ کب تک کمر کو ایسے رکھ سکتی تھی۔ ظاہر ہے بستر پر رکھنی ہی تھی۔ درد کا سوچ کر کمر بستر پر رکھنے کی بجائے کروٹ لینا بہتر سمجھا لیکن کروٹ لینے سے بھی تکلیف کی شدید ہر محسوس ہوئی دوبارہ چہرے پر کراہت کے تاثرات چھا گئے۔ اس نے پھر جلدی سے دوسری طرف کروٹ لی۔ لیکن یہ بھی بے سود تھی۔ تکلیف میں کمی نہیں ہو رہی تھی۔ سونا بھی تھا۔ منہ سے آواز بھی نہیں نکال سکتی تھی کہ کہیں ماں نہ سن لے۔ وہ بستر پر اُٹھ کر بیٹھ گئی چونکہ ریڑھ کی ہڈی میں بہت درد ہو رہی تھی اور اُس کو سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ وہ کیا کرے۔ وہ اُٹھی الماری سے نرم نرم تکیے نکالے دونوں ٹانگوں کے نیچے اور ایک کمر کے نیچے رکھا اور سونے کی کوشش کرنے لگی۔ لیکن درد تھی کہ کم ہونے کا نام بھی نہیں لے رہی تھی۔ درد کے تاثرات سے چہرہ بھی مرجھا گیا تھا۔ وہ اس درد سے سکون چاہتی تھی لیکن اُس کے پاس کوئی راستہ نہ تھا۔ کبھی کمر کے نیچے اور ٹانگوں کے نیچے تکیے رکھتی۔ کبھی اُٹھ کر بیٹھ جاتی اور پھر بھی سکون نہ ملا تو اُس نے چلنا شروع کر دیا۔ صرف چلنے اور کھڑے ہونے سے درد نہیں ہوتا تھا۔ اُس کے سکون کا راستہ صرف چلنا تھا۔ آنکھیں تھیں کہ نیند سے بھری پڑی تھیں چلتے چلتے جب وہ تھک گئی اور نیند کے سامنے بے بس ہو گئی تو پھر جا کر بستر پر لیٹ گئی۔ درد کی ٹیسیں اُٹھنا شروع ہو گئیں۔ کمر کے نیچے تکیہ رکھا۔ دونوں ٹانگوں کے نیچے کمبل رکھا۔ کبھی کمر کے نیچے ہاتھ رکھ کر اُس کو تکلیف سے نجات دلاتی۔ اس طرح کرتے کرتے نجانے کب سو گئی۔ کہتے ہیں نیند سولی پر بھی آ جاتی ہے۔ انسان نیند کے سامنے بے بس ہوتا ہے۔

صبح اُٹھی تو ساری رات تکلیف کی وجہ سے منہ پر سوجن تھی۔ غسل خانے میں شیشے کے سامنے کھڑی اس سوجن کو چھپانے کے لیے پانی کا سہارا لیتے ہوئے منہ کو دھوئی جا رہی تھی۔ اس نے گھنٹہ بھر منہ دھویا حالانکہ وہ تو وہ تھی جو صرف ہفتے میں ایک مرتبہ یا صرف نماز پڑھتے منہ دھوتی تھی۔ اس کو جب محسوس ہوا کہ اب حالت قدرے بہتر ہے تو وہ ناشتہ کر لے گی۔ مگر ماں نے جیسے ہی اُس کا منہ دیکھا تو اس کی ساری محنت پر پانی پڑ گیا۔

''تمھارے منہ پر سوجن کیوں ہے؟ تمھیں کیا ہوا ہے؟''

''امی آپ کو تو پتہ ہے کل بریانی کھائی تھی اُس میں مصالحے زیادہ تھے۔''

''لیکن مجھے تو یہ سوجن مصالحوں کی وجہ سے نہیں لگ رہی۔''

''امی آپ کو تو اپنی اولاد کے بارے میں وہم ہی ہوا رہتا ہے۔ میں ٹھیک ہوں۔ آپ بس مجھے ناشتہ دیں۔''

''بیٹا! تمھارے سامنے پڑا ہے اور کیسے دوں۔''

''اوہو! میں نے دیکھا ہی نہیں۔''

جب دل میں چور ہوا اور انسان اُس کو چھپا رہا ہو تو ہمیشہ ایسا ہی ہوتا ہے۔ انسان اُلٹی سیدھی حرکات سے اُس پر پردہ ڈالتا ہے۔

''ظاہر ہے جب دھیان کہیں اور ہو تو کیسے نظر آئے گا۔ میں تمھیں لسی بنا کر دیتی ہوں تا کہ منہ کی سوجن کم ہو۔''

''امی آپ فکر نہ کریں یہ خود بخود ختم ہو جائے گی۔''

آج تو بیٹھنے سے بھی درد ہو رہا تھا۔ اس لیے اُس نے جلدی جلدی ناشتہ کیا کہ کہیں ماں کو پتہ نہ چل جائے۔

اُس کو جلدی میں ناشتہ کرتے دیکھ کر روبینہ بیگم۔

''یہی وجہ ہے تمھاری اس قدر کمزور ہونے کی۔ سکون سے ناشتہ بھی نہیں تم سے ہوتا۔ ذرا بتاؤ؟ کون سی تمھاری بس چھوٹ رہی ہے۔''

''امی مجھے کام کرنا ہے۔''

''جی ہاں پرائم منسٹر کے ساتھ تمھاری میٹنگ ہے کہیں دیر نہ ہو جائے۔ یہ کم کھانے کی وجہ سے تمھاری کمر درد ٹھیک نہیں ہو رہی۔''

آہستہ سے۔ ''اب تو نہیں ہو رہی۔''

''تم جھوٹ بول رہی ہو۔''

بڑے زور اور پر جوش انداز میں۔

''نہیں امی میں بالکل ٹھیک ہوں۔''

دل میں سوچنے لگی آپ کو کیسے بتاؤں۔کل جو وزن اُٹھایا تھا آپ کے منع کرنے کے باوجود اُس کا اثر نکل آیا ہے۔نہ لیٹے سکون ہے نہ بیٹھے۔ناشتہ کے بعد جا کر کمرے میں کلاتھ پینٹنگ کرنے لگی تو کمر میں درد کی وجہ سے بیٹھا نہیں جا رہا تھا۔ماں سے چوری استری کمرے میں لے گئی کپڑا گرم کر کے کمر پر لگانے لگی۔موٹا سوتی کپڑا اس نے استری سے اس قدر گرم کیا کہ بس جلانا باقی تھا پھر کمر کے نیچے رکھا۔اور پھر کام کرنے لگی۔جب تک کپڑا گرم رہا سکون تھا جیسے ہی ٹھنڈا ہوا پھر درد ہونے لگا۔اس نے پھر کپڑا گرم کیا اور کمر کے نیچے رکھا پھر کام کرنے لگی۔کپڑا ٹھنڈا ہوتو ہلکی ہلکی درد محسوس ہونے لگی لیکن وہ سوچنے لگی۔

''ابھی کام کرلوں پھر گرم کرتی ہوں یہ قمیض مکمل ہو جائے۔''اس دوران درد اس قدر شدید ہوا کہ آنکھوں سے آنسو نکل آئے۔لیکن زبان سے ایک لفظ بھی نہیں نکالا۔جلدی سے اُٹھ کر کھڑی ہو گئی۔

رات کو لیٹی تو درد پچھلی رات سے بھی شدید تھی۔اس قدر شدید کہ آنکھوں سے آنسو نکل آئے تھے۔لیٹا نہیں جا رہا تھا۔کبھی کمر کے نیچے ہاتھ رکھتی اور کبھی کروٹ لیتی اور کبھی اُٹھ کر بیٹھ جاتی تھی۔ رات کروٹ لے کر کمر کے نیچے ہاتھ رکھ کر اور رو کر گزار دی۔

یوں پورا ہفتہ خود کی تکلیف کے ساتھ سرد جنگ لڑتے لڑتے گزر گیا تھا آمنہ سے بات تقریباً پورا ہفتہ ہی نہ ہو سکی تھی۔ ہفتے بعد فون کیا۔

''کیسی ہو؟ ہفتہ کیسا گزرا تمھارا؟''

''میں ٹھیک ہوں۔پورا ہفتہ فون نہیں کیا۔''

''میں مصروف تھی۔''

''امی ٹھیک ہیں۔تمھاری طبیعت کیسی ہے ٹھیک تو ہے؟''

''میں ٹھیک ہوں مجھے کیا ہونا تھا۔''

''اچھا تو تم مصروف ہو تو کام کرو۔مجھے بھی کام کرنا ہے۔''

یہ ان دونوں کا ایک دوسرے سے دور ہونے کا پہلا قدم تھا اس طرح دونوں میں فارمیلٹی آتی گئی۔

یوں پورا ماہ آصفہ اپنی تکلیف کی وجہ سے آمنہ سے زیادہ بات نہ کر سکی۔ دونوں میں فاصلے آ گئے اور وہ ایک دوسرے سے باتیں چھپانے لگ گئیں۔ اور بربادی کا آغاز ہوا۔

کہتے ہیں نا جیسا ایک انسان دوسرے کے بارے میں گمان کرتا ہے ویسا ہی دوسرا اُس کے بارے میں گمان رکھتا ہے۔ آصفہ اُس سے اپنی تکلیف چھپا رہی تھی اور وہ اُس سے اپنے حالات۔ حالانکہ دونوں کو ایک دوسرے کی ضرورت تھی۔ یہی وہ وقت تھا جب دونوں کو ایک دوسرے کے قریب ہونا چاہیے تھا تو اُن کے لیے بہتر تھا۔

جب انسان ایک دوسرے کے قریب ہو تو بہتر ہوتا ہے۔ انسان سمجھتا ہے میں دوسرے کو اپنی تکلیف بتاؤں گا تو وہ پریشان ہو جائے گا۔ یہ سچ ہے مگر انسان اُس کو وقتی تکلیف سے تو بچا لیتا ہے مگر ہمیشہ کی تکلیف دے دیتا ہے۔ ایک دوسرے کو بتانے سے دکھ کم ہوتے ہیں اور دوسرا اُس کو کوئی نہ کوئی راستہ بتاتا ہے اور مسئلے کا حل نکل آتا ہے۔ اپنے ہی ہوتے ہیں جو انسان کو مشکل سے نکالتے ہیں ورنہ انسان کبھی نہیں نکل سکتا۔ بڑے بزرگ کہتے ہیں تکلیف ہو تو چھت پر چڑھ کر شور مچاؤ۔ شاید کوئی حل بتا دے لیکن ہم پڑھ لکھ گئے ہیں۔ ہم میں تکلف بہت زیادہ آ گیا ہے ہم ایک دوسرے سے باتیں چھپاتے ہیں۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ ہم غلطی تو کر چکے ہوتے ہیں مگر کوئی بتانے والا نہ ہونے کی وجہ سے طوفان پیدا کر لیتے ہیں۔ ایک اکیلا اور دو گیارہ ہوتے ہیں۔ لیکن ماڈرن معاشرہ اس بات کو نہیں سمجھتا۔ میاں بیوی ایک کمرے میں لڑتے ہیں اور خود ہی اس مسئلے کا حل کرتے ہیں۔ نتیجہ کیا نکلتا ہے طلاق۔ پہلے کوئی مسئلہ ہوتا تھا تو سارا خاندان اس میں حصہ لیتا تھا اور کوئی نہ کوئی حل نکل آتا تھا اور نتائج بھیانک نہیں ہوتے تھے۔

آج کی ماڈرن پڑھی لکھی آصفہ اور آمنہ نے بھی ایک دوسرے سے اپنی اپنی تکلیف چھپائی تو نتیجہ کیا نکلا۔ ایک ڈپریشن کی مریضہ بن گئی اور ایک جان نکالنے والی تکلیف سہتی رہی۔ اگر دونوں ایک دوسری کو بتاتی تو شاید نتائج مختلف ہوتے۔

☆......☆......☆

انسٹیٹیوٹ جاتے ہوئے آمنہ سٹاپ پر بیٹھی بس کا انتظار کر رہی تھی۔ اسے کل والی لڑکی پھر بیٹھی نظر آئی۔ آج وہ اُس کو کل سے بھی زیادہ خوش نظر آ رہی تھی وہ گنگنا رہی تھی۔ اپنے ہاتھ ساتھ ساتھ بالوں میں پھیر رہی تھی۔ کبھی اُن کو ایک طرف کرتی اور کبھی دوسری طرف۔ اُس کی آنکھوں سے مستی جھلک رہی تھی۔ اُس کی یہ حرکات آمنہ کو اپنی مایوسی کا شدت سے احساس دلا رہی تھیں۔ اُس کو لگ رہا تھا کہ دکھ تو صرف اُس کے اندر ہے۔ باقی تو سب خوش ہیں۔ واحد فضاء تھی جو آج بھی اُس کے ساتھ تھی۔ جو اُس کو کہہ رہی تھی۔ وہ اُس کے دکھ میں برابر کی شریک ہے۔ ''خود سے آمنہ'' انسان بہت برے ہیں ایک تو یہ دکھ دیتے ہیں۔ دوسرا آپ کا مذاق اُڑاتے ہیں۔ میں کس کس سے لڑوں کوئی تو ہو جو مجھ سے آ کر میرا حال پوچھے اور میں پھٹ پڑوں۔ لیکن یہاں حال پوچھنے والا کوئی نہیں ہے۔''

اتنے میں بس آ گئی تھی اور وہ وہاں سے چلی گئی۔ بس نے جب اس کو انسٹیٹیوٹ کے سٹاپ پر اُتارا تو وہ راستہ جو وہ پیدل طے کرتی تھی۔ اُس پر چلنے لگی۔ چونکہ ریسرچ سنٹر ویرانے میں تھا اس لیے راستہ سنسان تھا دونوں طرف درخت تھے وہ ان کو دیکھنے لگی۔ وہ چل رہی تھی۔ اور درختوں کو دیکھ رہی تھی جو اُس کو ساتھ ہونے کا احساس دلا رہے تھے۔ یہ احساس ہی اُس کو زندہ رکھے ہوا تھا ورنہ جس قدر وہ مایوس تھی کب کی خودکشی کر چلی ہوتی۔ یوں احساس کے ساتھ وہ دس منٹ میں انسٹیٹیوٹ پہنچ گئی۔ اور کام کرنے لگی۔ سارا دن کام میں مصروف رہنے کی وجہ سے کھانا پینا بھول گئی تھی اردگرد کے لوگ بھی اُس کو نظر نہیں آ رہے تھے یا پھر وہ اُن کو دیکھنا نہیں چاہتی تھی۔ لیب میں کام کے دوران اُس کو تھوڑا سکون ملتا تھا۔ لیکن پھر بھی وہ تکلیف میں رہتی تھی دیکھنے سے مایوسی اُس کے چہرے پر نظر آتی تھی۔

رات کو وہ بستر پر لیٹی ہوئی نجانے کن سوچوں میں گم تھی۔ گھنٹے بھر سے کھڑکی کو ہی دیکھے جا رہی تھی اور آنکھوں سے بارش ہو رہی تھی وہ بھی بن برسات کے۔ ان آنکھوں کی رم جھم کو کوئی روکنے والا نہ تھا۔ اچانک فون کی گھنٹی بجی لیکن اُس نے فون نہیں اُٹھایا۔ بلکہ یوں کہو فون کی گھنٹی نے بھی اُس کی سوچوں اور بارش میں خلل نہیں ڈالا۔ وہ جاری و ساری تھی۔ دوبارہ گھنٹی بجی اس طرح کئی بار گھنٹی بجی۔ لیکن اُس نے نہیں دیکھا۔ اچانک اُس کی نظر فون پر پڑی اُس نے فون اُٹھایا ''بس مر رہی ہوں۔ یہ جاننے کے لیے

فون کیا تھا۔تو جان لو ابھی نہیں مری۔

ہاں! تڑپ ضرور رہی ہوں۔وہ بھی بری طرح۔''

لہجے میں درد اور آنکھوں میں آنسو تھے جو سید ھے آصفہ کے دل پر پڑے۔

وہ بھی رونے لگی۔ایک بے بس انسان کی طرح۔

روتے ہوئے آصفہ ''مجھے پتہ ہے تم تکلیف میں ہو۔''

''اچھا پتہ ہے تو۔پھر تماشا دیکھنا ہے۔''سسکیوں کے ساتھ آمنہ۔

''کون کم بخت تمھارا تماشا دیکھتا ہے۔''روتے ہوئے آصفہ۔

''ساری دنیا۔ایک ڈوبتا ہے تو کوئی نہیں بچاتا۔''

''کوئی کسی کی اذیت کو کیسے محسوس کر سکتا ہے۔صرف اپنے ہی اس کو نکالنے کی کوشش کرتے ہیں۔''

''تمھارے جیسے اپنے......نہیں......نہیں......یہ جھوٹ ہے۔''

سر کو دونوں ہاتھوں سے زور سے پکڑ کر آمنہ چیخنے لگی ''نہیں......نہیں''

وہ میلوں دور رو رہی تھی۔آصفہ یہاں رو رہی تھی۔ماں بستر پر لیٹی بیٹی کے لیے دعا کر رہی تھی۔ بھائی الگ پریشان تھا۔وجہ وہ خون تھا جس کی وجہ سے چاروں کے دل جوڑے تھے ایک کا دکھ سب کا دکھ تھا۔روتے ہوئے آمنہ ''اس دنیا میں کوئی اپنا نہیں ہوتا۔انسان اکیلا ہی ہوتا ہے جو اس پر بیتتی ہے وہ ہی جانتا ہے۔مجھے مت بتایا کرو اپنے اور غیر کا فرق۔''

''میں نے تو کچھ بھی نہیں کہا۔''

''تو اور کیسے کہتے ہیں کیا اور دو گھنٹے کا لیکچر دو گی۔

نہیں سننا مجھے یہ لیکچر۔''

''میں نے کب کہا کہ میں لیکچر دوں گی۔''

''وہ تو میں نے موقع نہیں دیا۔ورنہ تم تو شروع ہونے والی تھی۔''

''تم یقین کرو۔میں تو تمھیں سننا چاہتی ہوں۔''

سننے کا لفظ سنتے ہی آمنہ کا لہجہ ہی بدل گیا۔ وہ تو آگ بگولہ ہوگئی۔ اور پھٹ پڑی۔

''کیا سننا چاہتی ہوں؟ تمھارا کیا مطلب ہے؟''

''کچھ خاص نہیں۔ صرف تمھاری باتیں۔''

''میرے پاس کچھ نہیں سنانے والا۔ جو کرنا ہوگا میں خود کروں گی۔''

''اچھا کر لینا۔ میں نے تو ویسے ہی کہہ دیا تھا۔''

''مجھے یہ ایسے ویسے مت سنایا کرو۔''

پھر آمنہ کی توجہ ماں کی طرف چلی گئی۔

''کہیں امی کو تو نہیں کہتی رہتی ہو کہ میں پاگل ہوگئی ہوں۔''

''میں کیوں کہوں کہ تم پاگل ہوگئی ہو۔''

''یہ ہی ایفیشنٹ بننے کی تمھاری عادت ہے نا۔''

''نہیں جناب! میں امی سے کچھ نہیں کہتی۔ وہ کئی بار تمھارے بارے میں فکر مندی ظاہر کر چکی ہیں۔ لیکن میں ان کو تسلی دیتی ہوں کہ تم ٹھیک ہو۔ بس مصروف ہو۔ اس لیے فون نہیں کرتی ہو۔''

''اچھا......اچھا......ٹھیک ہے۔ ویسے فون کیوں کیا تھا۔''

''ویسے ہی بات کرنے کے لیے۔ کیونکہ میرے پاس بات کرنے کے لیے کوئی جواز نہیں ہے۔''

اپنی بے بسی اور اُس کی اہمیت ظاہر کرنے کے لیے آصفہ نے آمنہ سے کہا۔

''کیوں تم امی سے بات نہیں کرتی ہو۔''

''بس میں سارا دن مصروف رہتی ہوں۔ جب رات کو فارغ ہوتی ہوں تو امی سونے لگتی ہیں۔''

''تمھیں وقت نکال کر امی سے بات کرنی چاہیے۔ تم اتنا کام کیوں کرتی ہو۔ پیسے چاہئیں تو شیث سے کہتی ہوں وہ تمھیں بھیج دے گا۔ تم امی کو وقت دو۔ ویسے بھی تمھیں زیادہ مصروف ہونے کی ضرورت نہیں۔''

''تم بھی تو اتنا کام کرتی ہو۔ سارا ہفتہ لیب پھر ہفتہ اتوار جاب۔ کیا تمھیں اس کی ضرورت ہے۔''

''جی ہاں ضرورت ہے۔ اگر میں کام نہ کروں تو پاگل ہو جاؤں۔ مصروف رہنے سے سوچنے کا موقع نہیں ملتا اور میں پریشان نہیں ہوتی۔ میرا بس چلے تو میں سونے کی بجائے کام کروں کیونکہ میں سوتی کہاں ہوں۔''

''تم کوشش کیا کرو۔ ہفتے میں ایک دن چھٹی کر کے آرام کرو۔ ورنہ بیمار ہو جاؤں گی۔''

''میرے لیے ذہنی سکون زیادہ اہم ہے جسمانی سے۔ اس لیے یہی روٹین بہتر ہے۔'' اُس کے اچھے موڈ کو دیکھ کر آصفہ بات کو جاری رکھنے کے لیے۔

''پھر مجھے کیوں مشورہ دیتی ہو آرام کا۔''

سمجھانے والے انداز میں آمنہ۔

''یہاں لوگوں کے پاس وقت نہیں کہ وہ ایک دوسرے کو دیکھیں اور ایک دوسرے سے بات کریں۔ ہر کوئی ریس میں لگا ہوا ہے۔ اس طرح انسان ڈپریشن کا شکار ہو جاتا ہے۔ ہمارے ہاں سب ایک دوسرے کو دیکھتے ہیں ایک دوسرے کو سنتے ہیں۔ اس طرح روز کا روز غبار نکل جاتا ہے۔ ڈپریشن ہونا تو دور کی بات ہے پاس سے بھی نہیں گزرتا۔''

''تم ٹھیک کہہ رہی ہو۔''

''صرف ماننا نہیں اس پر عمل بھی ضروری ہے۔ ان لوگوں کو فولو کرنے کی بجائے۔ اپنی ہی روایات میں رہو۔ بہت سی ذہنی بیماریوں سے بچ جاؤ گے۔''

اس کی بات آمنہ کے دل کو لگی تھی وہ اس سے متفق تھی۔ اس لیے تو امریکہ میں پاکستان کو تلاش کر رہی تھی۔ پھر اسے ماں کا خیال آیا۔

''امی کا بہت خیال رکھا کرو۔ مجھے وہ بہت یاد آتی ہیں۔''

''کوشش کرتی ہوں۔ لیکن وہ الٹا میرا خیال رکھتی ہیں۔''

''جس دن میرا موڈ ٹھیک ہوا۔ میں ان سے بات کروں گی۔ دراصل میں ان سے بات کر کے پریشان نہیں کرنا چاہتی۔''

''کوئی بات نہیں۔'' دل میں آصفہ سوچنے لگی۔ ''بہت کوشش کرتی ہوں مگر مطمئن ہی نہیں ہوتی۔''

''اچھا بتاؤ۔ امی مجھے کتنا یاد کرتی ہیں۔''

''ہر وقت صبح وشام۔ تمھاری اور شیث کی باتیں کرتی ہے۔ جب کھانا کھانے بیٹھتے ہیں تو کہتی ہیں پتہ نہیں اُن لوگوں نے کھانا کبھی کھایا ہوا ہوگا۔ جب وہ لوگ آئیں گے تو میں ان دونوں کو اپنے ہاتھ سے بنا کر کھلاؤں گی۔''

''دراصل میں بھی اُن کو بہت یاد کرتی ہوں۔ میرا دل چاہتا ہے میں پر لگا کر وہاں آجاؤں۔ امی کی گود میں چھپ جاؤں۔''

''جب آؤ گی تو امی کی گود میں سو جانا۔''

''تم بے فکر ہو جاؤ۔ ایسا ہی کروں گی۔''

اس طرح وہ تین گھنٹے باتیں کرتی رہیں۔ لمبے عرصے کے بعد آمنہ نے اُس سے لڑے بغیر بات کی تھی۔ اس لیے آصفہ خوش تھی۔ سوچتے ہوئے آمنہ۔

''اچھا تمھارا بہت وقت ہو گیا ہوگا۔ تم سو جاؤ۔ مجھے بھی صبح جانا ہے۔ میں بھی اب سوتی ہوں۔''

ناشتے پر روبینہ بیگم۔

''تمھاری آمنہ سے بات رات کو ہوتی ہے تو اُس کو کہو۔ ماں سے بھی بات کر لیا کرو۔''

''امی وہ آج کل بہت مصروف ہے۔''

''بھاڑ میں گئی۔ ایسی مصروفیت کہ ماں سے بات کرنے کا وقت نہیں۔''

دل میں آصفہ سوچنے لگی ''کیا بتاؤں۔ وہ کیوں بات نہیں کرتی۔''

''کیا بڑبڑا رہی ہو۔ اونچی بولو۔''

''کچھ نہیں۔ وہ کہہ رہی تھی۔ وہ آپ سے جلدی بات کرے گی۔''

''اللہ کرے یہ جلدی جلدی ہی ہو۔ ایک اس خواب نے میرا دماغ خراب کر رکھا ہے۔ میں سوچ رہی ہوں مولوی صاحب کے پاس جاؤں۔ اُن سے ہی اس کا مطلب پوچھو۔''

''امی آپ کا وہم ہے۔چھوڑیں مولوی صاحب کو۔''

اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر اور دوسرا دل پر رکھ کر۔

''یہ دل بھی کوئی چیز ہے۔جو بن کہے سب بتا دیتا ہے۔کچھ تو ہے؟جو تم سب مجھ سے چھپا رہے ہو۔''

ماں کے دونوں کندھوں پر ہاتھ رکھ کر آمنہ۔

''چلو!مولوی صاحب سے پوچھ کر وہم دور کرلوں گی۔''

بے بس ہو کر آصفہ''جیسے آپ کی مرضی۔''

جاب پر کیک پیک کرتے ہوئے آمنہ کے ساتھ والی۔

''آج میرا یہاں پر آخری دن ہے۔میں نے ایک اور جاب ڈھونڈ لی ہے۔''

''اچھی خبر ہے۔''

اُس کے ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لیتے ہوئے آمنہ کی دوست۔

''یار تمھیں خود پر ترس نہیں آتا۔اس برف میں کام کرتے ہوئے دیکھو؟تمھارے ہاتھوں کی انگلیاں جم گئی ہیں۔تمھیں درد نہیں ہوتا ہے۔''

''نہیں ہوتا یہ جسمانی تکلیف مجھے محسوس نہیں ہوتی۔''

''آخر کیوں؟تم انسان نہیں ہو۔''

''پتہ نہیں۔میں خود نہیں جانتی۔''

''ایک بات میں نے محسوس کی ہے۔تم پریشان اور مایوس رہتی ہو۔تمھارے ساتھ کیا ہوا ہے؟''

''کچھ نہیں۔مجھے کیا ہونا ہے۔''

اُس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے اُس کی دوست۔

''کچھ تو ہوا ہے۔جو تم بتانا نہیں چاہتی۔''

''یہ ہوا ہے۔چھوٹے تالاب سے نکل کر بڑے تالاب میں آگئی ہوں۔''

''کیا تالاب بدلنے سے انسان انسان نہیں رہتا۔اُس کو درد محسوس نہیں ہوتا۔''

''کیونکہ کسی بڑی مچھلی کا کانٹا اُس کو چبھ جاتا ہے۔ پھر اُس کو یہ جسمانی درد کہاں محسوس ہوتا ہے۔''

''جس نے کانٹا چبھویا ہے اُس کو واپس چبھو دو۔ اور زندگی میں آگے نکلو۔ ورنہ خود کو ختم کر بیٹھو گی۔ بلکہ مجھے تو لگتا ہے۔ تم خود کو ختم کر چکی ہو۔''

''بس اُس بڑے کانٹے کی چبھن سے باہر ہی نہیں نکل پا رہی ہوں یہ نہیں کہ کوشش نہیں کرتی۔ بلکہ بہت کرتی ہوں۔''

''تمھیں پتہ ہے جب میں آئی تھی تو میں نے بھی بہت کچھ سہا تھا۔ لیکن اب حالات کے ساتھ لڑنا آ گیا ہے۔''

''میں بھی سیکھ جاؤں گی۔''

''یار! تم بھی یہ جاب چھوڑ کر کوئی اور کر لو۔ اس تکلیف میں مت رہو۔''

''شکریہ اتنا کنسرن رکھنے کے لیے۔ اچھا لگا۔''

''اس پردیس میں اپنے ہی اپنوں کے زخموں پر مرہم رکھتے ہیں۔''

''میری بہن بھی مرہم رکھنے کی کوشش کرتی ہے لیکن......''

''لیکن کیا؟''

سوچتے ہوئے آمنہ ''میں اس مرہم کو اُٹھا پھینکتی ہوں۔ دیکھو! کب تک رکھتی رہے گی۔''

اُس کو دیکھتے ہوئے آمنہ کی دوست۔

''کچھ کہنا چاہتی ہو۔''

''یہ بھی اچھا وقت گزر رہا ہے۔ اللہ تمھیں کامیاب کرے۔''

''تمھیں بھی......''

☆......☆......☆

ہفتے میں پانچ دن لیب میں تجربات کرنے اور ہفتہ اتوار فیکٹری میں کام وہ بھی برف جیسی ٹھنڈک میں اُس کا اثر آمنہ کی صحت پر ہونا شروع ہو گیا تھا۔ وہ بستر سے اُٹھنے کی کوشش کر رہی تھی مگر اسے اُٹھا نہیں جا رہا تھا بڑی مشکل سے وہ اٹھ کر بیٹھی لیکن پھر نقاہت کی وجہ سے دوبارہ لیٹ گئی۔ دس منٹ لیٹی رہی اور پھر اٹھ کر بیٹھ گئی۔ خود سے ہی ''آج چھٹی کرلو لیب مت جاؤ'' خود کو جواب دیتے ہوئے ''چھٹی تو کرلوں گی پھر سارا دن کیسے گزاروں گی۔ جو ذہنی اذیت ہو گی اس کا ذمہ دار کون ہو گا۔ کیا وہ اذیت سہہ پاؤں گی؟ یہ جسمانی تکلیف تو سہہ لوں گی۔ ذہنی کیسے برداشت کروں گی۔'' خود کو سمجھا بجھا کر بڑی مشکل سے اٹھی غسل خانے گئی۔ منہ ہاتھ دھوئے۔ فریج سے ڈبل روٹی گرل چکن نکال کر کھایا اور انسٹیٹیوٹ چلی گئی۔ سارا دن وہاں پر کام کیا۔ رات کو واپس آ کر لیٹی تو اتنی سکت بھی نہ ہو سکی کہ کچھ کھا لے۔ لیٹی اور سو گئی ساری رات بخار سے ہائے ہائے کرتی گزر گئی۔ رات کو آمنہ نے فون کیا۔ لیکن فون تو بہت بجا لیکن کسی نے اُٹھایا ہی نہیں۔

آصفہ خود سے ''اللہ خیر کرے فون نہیں اُٹھایا نجانے کیا ہوا ہو گا۔ فون تو اُٹھائے چاہے لڑائی کر لے۔ یقیناً غصے میں ہو گی۔''

آخر تھک ہار کر وہ بھی سو گئی۔

رات کو آمنہ کو پیاس لگی تو پانی...... پانی پکارنے لگی لیکن کوئی ہوتا تو پانی دیتا۔ خود میں تو ہمت نہ تھی کہ لے لے۔ ایک بار اُٹھ کر لینے کی کوشش بھی کی مگر دوبارہ بستر پر گر گئی۔

صبح صبح غصے سے روبینہ بیگم آصفہ سے۔

''تمھیں کل رات کو کہا تھا۔ میری آمنہ سے بات کروانا۔ لیکن نہیں تم کہاں سنتی ہو۔ تم لوگوں کے لیے ماں کی کوئی اہمیت نہیں۔''

دل میں سوچتے ہوئے آصفہ خود سے ''آپ کو کیسے بتاؤں۔ وہ میرا بھی فون نہیں اُٹھا رہی اور آپ کہہ رہی ہیں۔ میری اس سے بات کروانا۔''

''کیا بڑبڑا رہی ہو کبھی اونچی بھی بات کر لیا کرو۔ ہمیشہ خود سے ہی باتیں کرتی رہتی ہو۔''

''امی میں رات کو جلدی سو گئی تھی۔'' ماں کی توجہ بٹانے کے لیے ''وہ میری کمر میں درد تھا'' تا کہ

ماں پریشان نہ ہو۔

''ظاہر ہے نا کچھ کھاتی ہو اور نہ کچھ پیتی ہو تو کمزوری سے درد تو ہو گا ہی۔ایک تمھاری پریشانی اوپر سے اتنی دیر ہو گئی ہے آمنہ سے بھی بات نہیں ہو پا رہی۔ میں ہوں کیا کروں۔تمھارے لیے یخنی بنا کر لاتی ہوں۔''

''نہیں امی یخنی مجھے اچھی نہیں لگتی۔''

''کیا اچھا لگتا ہے تمھیں۔زہر لا دو تا کہ تمھاری اس تکلیف سے جان چھوٹ جائے۔''

''امی یہ بہت اچھا آئیڈیا ہے۔آپ کو پہلے کیوں نہیں آیا۔''

غصے سے روبینہ بیگم چڑتے ہوئے۔

''آگے سے بکواس کرتی ہو۔''

سارا دن آمنہ بے ہوش بخار سے کمرے میں پڑی رہی۔شام کو جا کر ہلکا سا ہوش آیا تو بڑی مشکل سے اُٹھ کر ٹیبل تک گئی وہاں سے پانی اُٹھایا اور پیا۔پھر پاس ٹیبل پر پڑا پھل کھایا۔کھڑکی سے باہر دیکھا تو رات تھی وہ سمجھی کہ ابھی دن نہیں ہوا۔پھر سو گئی۔ بخار اور نقاہت کی وجہ سے نیند آ گئی اور وہ سو گئی۔اگلے دن جب وہ انسٹیٹیوٹ گئی تو ساتھ والی لڑکی۔

''تم کل نہیں آئی خیریت تھی۔''

سوچتے ہوئے''کیا واقعی ہی میں کل نہیں آئی۔''

''ہیں۔اس لیے تو پوچھ رہی ہوں۔''

''دراصل کل مجھے بخار تھا اور مجھے احساس ہی نہیں ہوا کہ میں سارا دن بے ہوش پڑی رہی ہوں۔''

''تمھاری طبیعت آج بھی اچھی نہیں لگ رہی۔''اس کا ہاتھ پکڑ کر۔

''تمھیں تو بخار ہے۔میں تو مشورہ دوں گی۔جلدی جا کر آرام کرو۔''

شام کو کمرے میں جا کر لیٹی تھی کہ آصفہ نے فون کر دیا۔فون کی گھنٹی سنتے ہی غصے سے پہلی ہی گھنٹی پر فون اٹھالیا۔

''تم موت کے فرشتے کی طرح کیوں میرے سر پر سوار رہتی ہو۔ مجھے سکون کیوں نہیں لینے دیتی۔''

''دراصل کل تم نے فون نہیں اُٹھایا تھا۔اس لیے فون کیا تھا دل میں وسوسے آرہے تھے۔''

''اگر وسوسے آرہے تھے تو آنے دو اور سوچو! ایسا ہی ہو جائے۔''

''اللہ نہ کرے۔تم کیسی باتیں کر رہی ہو۔''

''تو پھر سنو! میں مرنا چاہتی ہوں۔

نجانے موت کہاں چلی گئی ہے۔

اب کرو میری خواہش پوری۔موت کے فرشتے سے درخواست کرو آئے اور مجھے لے جائے اور کچھ۔''

اُس کو سمجھ آ گئی تھی کہ آمنہ کا دماغ بہت خراب ہے بات بدلنے کے لیے۔

''تم نے آج کچھ کھایا کیا؟''

''کچھ نہیں کھایا بھوک ہڑتال پر ہوں۔مزید دو دن اس کو جاری رکھنا چاہتی ہوں۔مزید کچھ اور۔''

''کوئی بات نہیں آرہی تھی تو میں نے اس لیے پوچھ لیا تھا۔تم غصہ کیوں کر رہی ہوں؟''

''اگر کوئی بات نہ آرہی ہو تو فون بند کر دیتے ہیں۔آگے والے انسان کا دماغ نہیں چاٹتے۔

اُس کو جینے دیتے ہیں۔''

''تم چاہتی ہو کہ میں فون نہ کیا کروں۔''

''تم بالکل صحیح سمجھی۔میں یہ ہی چاہتی ہوں۔لیکن سورج مغرب سے نکل سکتا ہے۔لیکن اب تم فون کرنا نہیں چھوڑو گی۔کیونکہ اپنی اہمیت جو جتانی ہے اور بتانا ہے کہ مجھے تمھاری پرواہ ہے۔حالانکہ ایسا کچھ نہیں۔''

وہ اس کی باتیں سن رہی تھی۔اس کو اندازہ بھی ہو رہا تھا کہ وہ کس قدر ذہنی طور پر پریشان ہے۔

آمنہ آہستہ سے۔

''تو تم مجھے میری اہمیت دکھانے دو۔''

''سوری ٹو سے۔میں ایسا کچھ کرنے نہیں دے سکتی۔''

اس کے الفاظ نے تو جیسے آمنہ کو چابی دے دی ہو وہ ایک ہی سانس میں بولنے لگی۔

''کبھی کہتی ہو کھایا کیا ہے؟ کبھی کہتی ہو کل کیوں نہیں بات کی؟ کبھی اپنی اہمیت جتاتی ہو۔ کبھی کہتی ہو باتیں کرو دل کا بوجھ ہلکا ہوگا۔

کوئی بتائے کیا میں پاگل ہوں جو بارات جانے کے بعد باراتیوں کو خوش آمدید کہوں۔

نفرت ہے مجھے چاپلوسی سے۔ یہ جو تمھارے بناوٹی الفاظ ہیں۔ ان سے بھی۔ ہر وقت بٹیرنگ سے بھی۔''

غصے سے آمنہ ''بند کرو فون اور میرا دماغ خراب نہ کرو۔'' سسکیاں لے کر رونے لگی۔

اس کی اس حالت کو دیکھ کر آصفہ کو اُس پر غصہ نہیں بلکہ ترس آنا شروع ہو گیا تھا۔ فون بند ہونے کے بعد آصفہ اُس کی ذہنی کیفیت کے بارے میں سوچ سوچ کر رو رہی تھی۔ آمنہ نے بھی اپنے دل کا کافی غبار نکال لیا تھا۔ اب وہ بھی بستر پر بے سود ہو کر گری اور سو گئی کچھ کھائے پیئے بغیر۔

☆......☆......☆

صبح سویرے روبینہ بیگم جا رہی تھی کہ اُس کو دیکھ کر آصفہ۔

''امی کہاں جا رہی ہیں۔''

''مولوی صاحب کے پاس۔ میرا دل بہت پریشان ہے۔''

''امی آپ کا وہم ہے چھوڑیں! اس کو صرف خواب ہی تو ہے۔''

''مجھے پتہ ہے تم مجھ سے چھپا رہی ہو۔ کچھ نہ کچھ ضرور ہے۔ میں تو جا رہی ہوں۔ تم کچھ بھی جواز پیش کرو۔''

''اچھا! رکیں۔ میں بھی آپ کے ساتھ چلتی ہوں۔''

دونوں مولوی صاحب کے پاس پہنچ گئیں۔ روبینہ بیگم۔

''السلام وعلیکم مولوی صاحب۔''

''وعلیکم السلام! تشریف رکھیں۔''

''مولوی صاحب! میں ایک خواب مسلسل دیکھ رہی ہوں۔ ایک بچی رو رہی ہوتی ہے اور میں

اُس تک پہنچنے کی کوشش کرتی ہوں۔لیکن پہنچ نہیں پاتی۔''

''بیٹا! بچی سے مراد آپ کی چھوٹی بیٹی ہے جو وہ رو رہی ہے۔وہ کسی مشکل میں ہے۔جو تم اُس تک پہنچ نہیں پاتی۔اس سے مراد ہے وہ تم سے دور ہے اور تمھیں یاد کر رہی ہے۔''

''جی مولوی صاحب! میری چھوٹی بیٹی باہر پڑھنے گئی ہے۔میں اُس کے لیے پریشان رہتی ہوں۔دراصل وہ لاڈلی تھی۔لیکن ضد کر کے پڑھنے چلی گئی ہے۔حالانکہ میں نہیں چاہتی تھی۔''

''کوئی بات نہیں۔اُس سے بات کرو اور اُس کو جو بھی مشکل درپیش ہے۔اُس کو حل کرنے کی کوشش کرو۔''

''جی مولوی صاحب شکریہ۔''

دونوں ماں بیٹی گھر واپس آگئیں۔روبینہ بیگم تو بہت پریشان ہوگئی تھی۔وہ آصفہ کا رویہ یاد کرنے لگی'' کہ اُس نے جب بھی آصفہ سے اُس کی آمنہ سے بات کروانے کے لیے کہا۔وہ ہمیشہ یہ کہہ کر ٹال دیتی تھی۔وہ مصروف ہے بات نہیں ہوسکتی۔یقیناً یہ دونوں اُس سے مشکل کو چھپا رہی ہیں۔''

''امی کیا بات ہے؟ آپ مجھ سے بات کیوں نہیں کر رہی؟''

''کیوں تم سب کچھ جانتی نہ تھی۔لیکن تم نے کسی کو ہوا نہیں لگنے دی۔پتہ نہیں میری بیٹی کسی مشکل کا شکار ہے۔''

''امی اُس کو کچھ نہیں ہوا۔صرف ورک لوڈ ہے ورنہ کیا ہونا تھا۔''

''تم یہاں سے چلی جاؤ۔

مجھے تم پر بہت غصہ ہے۔''

''امی میں نے کیا کیا ہے۔

جو آپ غصہ کر رہی ہیں۔''

''کچھ نہیں کیا۔تم نے میری ماں۔خدا میری بچی پر رحم کرے نجانے اُس کا کیا حال ہوگا۔''

ماں کے ساتھ بیٹھتے ہوئے۔اُس نے دونوں کندھوں پر ہاتھ رکھ کر آصفہ'' کچھ نہیں ہوا۔وہ ٹھیک

ہے۔آپ تو اپنی طبیعت خراب نہ کریں۔‘‘

خود کو اُس سے چھڑواتے ہوئے روبینہ بیگم۔

’’بھاڑ میں جائے میری طبیعت۔ مجھے کیا ہونا ہے؟‘‘

غصے سے روبینہ بیگم اُٹھ کر کمرے میں چلی گئی۔ آصفہ نے دروازہ کھٹکھٹایا۔ نہ ہی تو روبینہ بیگم نے جواب دیا اور نہ ہی دروازہ کھولا۔ تھک ہار کر آصفہ کمرے میں چلی گئی۔ بستر پر لیٹی تو فوراُ درد سے چیخ نکل گئی۔ پھر اُلٹا لیٹ گئی۔ اور خوب رونے لگی۔’’یہ ساری مشکلائیں اکٹھی کیوں آجاتی ہیں‘‘ روبینہ بیگم کمرے میں بند تھی اور بیٹی کے لیے دعا کر رہی تھی۔’’اے خدا! میری بیٹی کی حفاظت کرنا۔ اُس کی مشکلائیں آسان کرنا۔ میری بچی بہت معصوم ہے۔ اُس کے لیے آسانیاں پیدا فرما۔‘‘

گھر میں پہلے ہی دو فرد تھے۔ وہ بھی الگ الگ کمروں میں رہ رہے تھے۔ سارا گھر ویران تھا۔ سناٹا چھایہ ہوا تھا۔ ایک دکھ کی لہر چل رہی تھی۔ جو گھر کے مکینوں کو افسرد کر رہی تھی۔ لیکن کوئی کچھ نہیں کر سکتا تھا۔ سب اپنی اپنی جگہ بے بس تھے۔ روبینہ آصفہ سے ناراض تھی۔ حالانکہ قصور اُس کا بھی نہیں تھا۔ وہ تو صرف اُس کو پریشانی سے بچانے کی کوشش کر رہی تھی۔ آصفہ خود سے’’یہ جو محبت کے رشتے ہوتے ہیں۔ یہ بڑے عجیب ہوتے ہیں سب ایک دوسرے کے لیے چھاؤں تلاش کرنے میں لگے رہتے ہیں۔ چاہے اُس میں خود جھلس جائیں۔ لیکن ایک دوسرے کو بچاتے ہیں۔‘‘

کام والی آئی اور چپ چاپ کام کرنے لگ گئی۔ دونوں ماں بیٹی کو الگ الگ کمروں میں پا کر حیران نہیں ہوئی۔ لیکن اُن کی حرکات وسکنات کی وجہ سے پریشان ضرور تھی۔ وہ خود سے۔

’’ایسا کیوں لگ رہا ہے جیسے کوئی مر گیا ہے۔ آخر کیا ہوا ہوگا؟ میں پوچھوں یا نہ۔‘‘ پھر خود کو جواب دیتے ہوئے’’انھوں نے کون سا بتا دینا ہے۔ تمھیں دس سال کام کرتے ہو گئے ہیں۔ کبھی کچھ بتایا۔ یہ لوگ دکھ خود ہی پی جاتے ہیں۔ تم کام کر کے جاؤ۔‘‘

سارا دن دونوں کی آپس میں کوئی بات نہیں ہوئی۔ آصفہ روتے روتے سو گئی تھی۔ اُس نے سارا دن کوئی کام نہیں کیا۔ روبینہ بیگم پریشان حال شیث کے فون کا انتظار کر رہی تھی۔

رات کو جب فون آیا تو فون اُٹھاتے ساتھ روبینہ بیگم۔

''بیٹا! تم آمنہ کے پاس جاؤ۔کوئی نہ کوئی بات ہے۔ جو آصفہ ہم سے چھپا رہی ہے۔ میں نے کوئی اچھا خواب نہیں دیکھا۔''

''امی آپ نے کہا تو سمجھو میں چلا گیا۔ مجھے ویسے بھی اگلا پورا ہفتہ چھٹیاں ہیں۔ میں ہفتے کو ہی چلا جاؤں گا۔''

''تم ہی میرے اچھے بیٹے ہو۔ یہ تمھاری بہنیں تو ہر بات چھپاتی رہتی ہیں۔''

''امی آپ پریشان ہی نہ ہو۔ میں نے کہا نا ہفتے کو چلا جاؤں گا۔''

دل میں سوچنے لگا۔''میں نے بھی کوئی اچھا خواب نہیں دیکھا۔ آخر ایسا کیوں ہو رہا ہے؟ بات کیا ہے؟''

''بیٹا! جا کر میری اس سے بات کروانا۔ جب بھی میں آصفہ سے کہتی ہوں تو وہ ٹال مٹول سے کام لیتی ہے۔''

''امی میں جاتے ساتھ ہی آپ کی بات کروا دوں گا۔ آپ فکر ہی نہ کریں۔لیکن آپ آصفہ سے ناراض مت ہوں۔ وہ تو صرف پیار کرتی ہے۔اس لیے یہ سب حرکات کرتی ہے۔''

''بیٹا! ماں باپ کو سب بتانا چاہیے۔ وہ عمر میں آپ سے بڑے اور ان کا تجربہ آپ سے زیادہ ہوتا ہے۔ وہ مشکل کا کوئی نہ کوئی حل نکال لیتے ہیں۔لیکن آج کل کے بچے خود ہی آئن سٹائن بنتے ہیں۔ میرے بچے تو خاص طور پر۔''

''امی آپ کے بچے آپ سے بڑی محبت کرتے ہیں اور کوئی بات نہیں۔''

''میں تو آصفہ سے عمر بھر بات نہیں کروں گی ۔ اگر آمنہ کو کچھ ہوا۔ ساری زندگی اس کو شکل نہیں دکھاؤں گی۔''

''امی کچھ نہیں ہوا ہوگا۔ آپ کو پتہ ہے وہ ہر بات پر کس طرح ری ایکٹ کرتی ہے۔لگتا ہے بھاڑ ٹوٹ پڑا ہے۔''

''نہیں بیٹا۔ یہ دونوں سب کچھ سہہ جاتی ہیں لیکن منہ سے اف نہیں کہتی ہیں۔ میں ماں ہوں

سب جانتی ہوں۔"

وہ دل میں سوچنے لگا "ماں ٹھیک کہہ رہی ہے لیکن مجھے ماں کو اس وقت مشکل سے نکالنا ہے۔"

"امی میری آصفہ آپی سے بات تو کروائیں۔"

"مجھے نہیں کرنی اُس سے کوئی بات وات۔"

"امی غصہ تھوک دیں اور اُس کو فون تو دیں۔"

غصے سے فون لے جا کر روبینہ بیگم نے اُس کے سامنے رکھ دیا اور جانے لگی تو جلدی سے آصفہ ماں کے گلے لگ گئی۔

"امی میرا کیا قصور ہے۔آمنہ ٹھیک ہے آپ ویسے ہی پریشان ہو رہی ہیں۔"

"بات کروائی نہیں مجھ سے۔سچ بتاؤ اُس کے ساتھ کیا ہوا ہے۔"

"امی سچ میں کچھ نہیں ہوا صرف آج کل پریشان ہے آپ کو یاد کر کر کے۔اس لیے آپ سے بات نہیں کرتی کہ اگر وہ آپ سے بات کرے گی تو بہت روئے گی۔اُس کا اپنے اوپر کنٹرول نہیں رہے گا۔"

"اچھا چلو! بھائی سے بات کرو۔"

"ہیلو! کیسے ہو؟"

"میں تو ٹھیک ہوں آپ کیسی ہیں؟"

"مجھے کیا ہونا تھا میرے شہزادے۔"

"میں ہفتے کو جاؤں گا۔تم صرف امی کا خیال کرو میں اس کو دیکھ لوں گا۔آپ اُس کی تو فکر ہی نہ کریں۔"

فون بند کر کے وہ اپنی ماں کے گلے لگ کر بہت رونے لگی۔ماں بھی بہت رو رہی تھی۔روبینہ بیگم اُس سے "اب کیوں روتی ہو؟"

وہ ماں کو تو کوئی جواب نہ دے سکی۔مگر خود سے "آپ کو کیا بتاؤں کہ میں کس کس چیز کے لیے رو رہی ہوں۔دراصل مجھے پتہ نہیں اپنی تکلیف سے تھک گئی ہوں یا آمنہ کی تکلیف سے۔لیکن مجھے اتنا پتہ ہے میں تھک گئی ہوں۔"

ماں نے بیٹی کو گود میں لٹایا اور دونوں روتے روتے سو گئیں۔

☆......☆......☆

یہ سچ ہے کہ انتظار کا وقت گزرتا نہیں ہے چار منٹ چار صدیاں بن جاتی ہیں۔ آصفہ کلا تھ پینٹنگ کر رہی تھی کہ روبینہ بیگم آئی اور اُس کو دیکھ کر چلی گئی۔ آصفہ پینٹنگ کرتے ہوئے مولوی صاحب کی خواب کی تعبیر سوچ رہی تھی۔ ماں بے چینی کے عالم میں دوسرا چکر لگا کر گئی لیکن آصفہ اپنے خیالوں میں کھوئی ہوئی سوچ رہی تھی۔ ”کل بھی اُس کو فون نہیں کیا۔ جلدی رات ہو اور میں اُس کو فون کروں۔ پتہ نہیں کس حال میں ہوگی۔ تیسری مرتبہ جب روبینہ بیگم نے چکر لگایا تو آصفہ نے سر اُٹھا کر دیکھا اُس کو ماں کی بے چینی محسوس تو ہو گئی تھی مگر کیا کرتی دوبارہ کام میں لگ گئی۔

چکر لگاتے لگاتے تھک کر روبینہ بیگم ”آخر یہ رات کیوں نہیں ہو رہی دل تو یہی چاہ رہا ہے مگر کر کچھ نہیں سکتی ہوں۔ دل چاہتا ہے گھڑی کی سوئیاں گھما دوں لیکن پھر سوچتی ہوں۔ وہاں تو وقت نہیں بدلے گا“ ماں کو ساتھ ہونے کا احساس دلاتے ہوئے آصفہ۔ ”امی وقت پر ہی رات ہوگی آپ چاہتی ہیں سورج آئے اور چلا جائے۔“

آج انسٹیٹیوٹ سے واپسی پر آمنہ بہت تھکی ہوئی تھی۔ آنکھوں سے آنسو جاری تھے۔ خود پر اس قدر غصہ آیا ہوا تھا کہ چھری سے ایک بازو پر اُس نے پہلے ایک کٹ لگایا مگر اُس کو کٹ کی تکلیف محسوس ہی نہیں ہوئی اُس نے کٹ لگا لگا کر پورا بازو لہولہان کر دیا لیکن اُس کو کچھ نہیں ہوا پھر دوسرے پر وہ کٹ لگا رہی تھی اور خود کو اذیت دے رہی تھی لیکن ذہن اُس کو محسوس نہیں کر رہا تھا۔ اس لیے درد بھی نہیں ہو رہا تھا۔ جسم کے ساتھ ساتھ اُس کا دماغ بھی سن تھا۔ وہ خون سے ہولی کھیل رہی تھی وہ بھی اپنے۔

وہ جو دونوں رات کے انتظار میں بیٹھی ہوئی تھیں۔ انھوں نے بھی عین اسی وقت فون کر دیا۔ جیسے ہی فون کی گھنٹی بجی۔ اُس نے نمبر دیکھا۔ اُس کے دماغ میں تو جیسے اذیت کا کرنٹ چل پڑا ہو۔ اُس نے اپنے بازوؤں پر چھری مار مار کر برا حال کر دیا۔ دونوں بازوؤں سے خون بہہ رہا تھا۔ لیکن اُس کو درد کی بجائے سکون محسوس ہو رہا تھا جیسے کسی نے مرہم رکھ دیا ہو۔ اُس کا دماغ سوچوں سے نکل کر زخموں کی

طرف متوجہ ہو گیا تھا۔ وہ اُن کو غور غور سے دیکھ رہی تھی۔ فون کی گھنٹی بھی اب اُس کو سنائی نہیں دے رہی تھی۔ جیسے خون کم ہوتا وہ مزید کٹ لگا دیتی تھی اس طرح وہ خون بہہ کر سکون خود کو دے رہی تھی۔ اس خون کی ہولی میں اُس کا دماغ غائب تھا۔ جسمانی تکلیف کہاں محسوس ہوئی تھی۔ خون نکلنے سے انتہا کی کمزوری ہو گی اور وہ نڈھال ہو کر وہاں پر گر گئی۔ وہ بے ہوش ہو گئی تھی۔ بے ہوشی کے عالم میں بھی اُس کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے۔ جیسے دریا کا بند ٹوٹ گیا ہو اور اُس کا پانی بہہ رہا ہو۔ اُس کا دکھ بھی اُس کی بازو اور آنکھوں دونوں سے بہہ رہا تھا۔ مگر کم نہیں ہو رہا تھا۔ اس کو بند کرنے کے لیے کسی کی ضرورت تھی اور وہاں کوئی نہ تھا۔ وہ خود بند کرنے کے قابل نہیں تھی بے ہوش ہوئی بھی پکار رہی تھی......

امی......امی......کہاں ہیں......کہاں ہیں......دوسری طرف ماں بھی تڑپ رہی تھی۔ جیسے اُس کا دل بیٹی کے دل کے ساتھ جڑا ہوا ہو۔ اُس کو غصہ نہیں آ رہا تھا کہ وہ فون کیوں نہیں اُٹھا رہی بلکہ اُس کو لگ رہا تھا جیسے اُس کی بیٹی کسی مشکل میں پھنس گئی ہو۔ خود آصفہ بھی پریشان تھی۔ مگر ماں کو تسلی دے رہی تھی۔ ”امی ہو سکتا ہو وہ مصروف ہو۔“

”کیسے مانوں! کہ وہ مصروف ہے میرا دل درد سے تڑپ رہا ہے جیسے کوئی اُس کو کھینچ رہا ہو۔ اُس کو کچھ ہوا ہے......میرا دل کہہ رہا ہے......“

اُس نے ماں کو دونوں کندھوں سے پکڑ کر ساتھ لگایا حالانکہ اُس کے اپنے دل کی دھڑکن اُلٹ پلٹ ہوئی پڑی تھی جیسے کہیں طوفان آیا ہو۔ وہ خود پر تو کنٹرول کر رہی تھی۔ مگر ماں کو تسلی دیتے ہوئے ”امی اُس کو تھوڑی ہی پتہ ہے کہ آپ نے خواب دیکھا ہے اور آپ اُس کے لیے پریشان ہے۔ لگی ہو گی کس کام میں۔“

”تم اُس کو دوبارہ فون ملاؤ۔ آصفہ نے دوبارہ فون کیا مگر اُس کی طرف سے کوئی جواب نہیں آیا۔ وہ ہوش میں ہوتی تو جواب آتا اچھا یا برا۔ وہ کسی کو جواب دینے کے قابل ہی نہیں تھی اُس کی آنکھوں میں آنسو تھے جو تھمنے کا نام ہی نہیں لے رہے تھے۔ دماغ سن تھا مگر اُس کو پتہ تھا دکھ کو آنکھ سے بہہ کر باہر لے جانا ہے۔ جب اتنی مرتبہ فون کرنے کے بعد اُس نے فون نہیں اُٹھایا تو روبینہ بیگم تو دل کی تکلیف سے

تڑپنے لگی نہیں...... اُس کو کچھ ہوا...... نہیں...... میری بیٹی...... ایسی تو نہیں ہے۔ اُس کے دل کی تکلیف بھی اُس کی آنکھوں سے جھلکنے لگی وہ بھی آنسوؤں کی شکل میں۔

''امی میں نے آپ سے کہا تھا وہ فون نہیں اُٹھاتی مصروف ہوتی ہے لیکن آپ کو لگتا ہے میں جھوٹ بولتی ہوں۔ اب آپ نے خود دیکھ لیا ہے۔''

وہ تو یہ باتیں کر کے ماں کو تسلی دے رہی تھی مگر وہ تو کیا وہ خود بھی اپنی تسلی سے مطمئن نہیں ہو رہی تھی۔

''اچھا تم اب جا کر سو جاؤ۔ میں نے شیث نے کہا ہے وہ ہفتے کو چلا جائے گا۔ میرا بیٹا بہت اچھا ہے۔''

''امی دراصل آمنہ لیب میں ہوتی ہے ریسرچ کرنا آسان تو نہیں ہوتا۔ یہ بہت مشکل کام ہے۔''

''بہت سن لیں تمھاری یہ جھوٹی تسلیاں۔ تم اب جاؤ۔''

لیکن وہ پھر بھی ماں کے لیے بول رہی تھی حالانکہ اُس کو بھی پتہ تھا کہ یہ صرف جھوٹی باتیں ہیں۔

تھک ہار کر دونوں اپنے اپنے کمرے میں چلی گئیں۔

بستر پر لیٹی ہوئی روبینہ بیگم ''میری بیٹی پتہ نہیں کس حال میں ہو گی خواب میں تو آ کر اپنا دکھ بتاتی ہے۔''

دوسری طرف آصفہ ''کل بھی تو اس سے بات نہیں ہوئی آج بھی اُس نے فون نہیں اُٹھایا نجانے اُس کی کیا حالت ہو گی۔ کہیں زیادہ ڈپریشن تو نہیں ہو گیا۔ کہیں کچھ کر ہی نہ لیا ہو۔'' گھبرا کر اُٹھ بیٹھی اور دعا کرنے لگی۔ دوسری طرف ماں دعا کر رہی تھی۔

''اے خدا رحمان و رحیم! اس کو اپنے حفظ و ایمان میں رکھنا اے میرے رب رحم فرما۔ اُس کی حفاظت فرمانا۔''

دونوں ماں بیٹی اُس کے لیے پریشان ہوتے ہوتے سو گئی۔ آمنہ بھی ذہنی تناؤ اور بے ہوشی میں ہی روتے روتے سو گئی۔

☆......☆......☆

جانے سے پہلے شیث صبح سویرے اُٹھا۔ آمنہ کے لیے بریانی بنانے لگا۔ بریانی بناتے ہوئے ''اُس کو سپائسی بریانی پسند ہے مجھے اُس کی پسند کے عین مطابق بنانی ہے تاکہ وہ کھا کر خوش

ہو" اُس نے سارے مصالحے تیز ڈالے اور بریانی کے ساتھ اُس کے لیے قورمہ بھی بنایا۔ وہ یوں تیاری کر رہا تھا جیسے ماں بیٹی کو ملنے اس کے سسرال جا رہی ہو۔ اُس نے آمنہ کی پسند کی ساری چیزیں تیار کیں۔ وہ سوچنے لگا "پتہ نہیں اس نے یہ سب کچھ لمبے عرصے سے کھایا بھی ہوگا یا نہیں۔"

اگرچہ وہ دونوں سے چھوٹا تھا لیکن آمنہ کا خیال وہ باپ کی طرح ہی رکھتا تھا۔ ہمارے کلچر میں بھائی چھوٹے ہو یا بڑے ہمیشہ بڑے ہی سمجھے جاتے ہیں۔ اکیلی لڑکی نے کہیں جانا ہو تو وہ پانچ سال کے بھائی کو بھی ایسے ساتھ لے کر جاتی ہے جیسے کسی محافظ کو ساتھ لے کر جا رہی ہو۔ اس لیے شیث بھی باپ کی طرح کھانے لے کر پانچ گھنٹے کا سفر کر کے آمنہ کے پاس پہنچا۔ اُس کو دیکھ کر آمنہ کو لگا جیسے کوئی سایہ آ گیا ہو۔ وہ اُس کو دیکھ کر خوش ہوگئی۔ اُس کو دیکھ کر شیث پریشان ہوگیا۔ وہ ایک زندہ مردے کی طرح لگ رہی تھی۔ اُس کے چہرے پر پہلے والے رونق نہ تھی اور نہ ہی وہ شوخی تھی کہ لگے وہ سب کو دو منٹ میں ہلا دے گی۔ وہ تو بس اُس کو دیکھے ہی جا رہا تھا جیسے وہ ایک مردے سے اتنا سفر کر کے ملنے آیا ہو۔ وہ اُس کی طرف آگے بڑھی۔ "کیا ہوا ہے؟" پھر اُس کے سامان کو دیکھ کر "یہ کیا ہے؟"

دوسرے سوال پر شیث کو ہوش آیا "تمھارے لیے کھانا، تمھاری پسند کی بریانی اور قورمہ۔ تم منہ ہاتھ دھو لو میں نکالتا ہوں۔"

"لیکن لے کر تم اتنی دور سے آئے ہو۔ یہ تو مجھے تمھیں کہنا چاہیے۔"

"لیکن تمھاری حالت دیکھ کر لگتا ہے تم تو مجھ سے بھی زیادہ لمبا اور تکلیف دہ سفر کر کے آئی ہو۔"

اُس کو پتہ تھا بھائی صحیح کہہ رہا ہے اس لیے وہ خاموش رہی اور سامان پکڑ کر رکھا اور کھانا نکالنے لگی اور وہ بیٹھا اُس کو دیکھ رہا تھا پھر اُٹھا اور منہ ہاتھ دھونے چلا گیا۔

بھائی کے آنے سے آمنہ میں جان آ گئی تھی خوشی خوشی آمنہ نے کھانا لگایا اور شیث نے منہ ہاتھ دھویا۔ کھانا کھاتے ہوئے۔

"امی تمھارے لیے پریشان ہیں۔ ان سے کھانا کھا کر بات کر لو۔ اور یہ تمھاری کیا حالت ہے۔ یوں لگ رہا ہے جیسے کوئی مردہ قبر سے نکلا ہو۔ اتنی مرجھائی ہوئی کیوں ہو؟"

''کچھ نہیں ویسے ہی کام کی وجہ سے۔''

''تو مت کرو۔اتنا کام جس میں اس قدر تکلیف سے گزرنا پڑے۔''

''تمھیں تو پتہ ہے ریسرچ ورک میں پریشانی ہوتی ہے۔''

''اُس کو سر پر مت سوار کرو۔صرف کام کرو۔''

''اب تم آئے ہو تو میں بھی ٹھیک ہو جاؤں گی۔''

''میں پورا ہفتہ یہاں ہوں۔تم جلدی سے کھانا کھاؤ اور امی سے بات کرو۔وہ تمھارے لیے بہت پریشان ہیں۔''

دونوں نے کھانا کھایا جیسے ہی وہ فارغ ہوئے شیث سے ویڈیو کال کی۔ابھی گھنٹی پوری بھی نہیں ہوئی تھی تو روبینہ بیگم نے فون اُٹھالیا۔وہ تو پہلے ہی اُس کے انتظار میں تھی۔جیسے ہی روبینہ بیگم نے آمنہ کو دیکھا آنسو اُس کی آنکھوں سے بہنے لگے۔''میری شہزادی اس قدر کمزور اور مرجھا گئی ہے۔''

آمنہ روئے جارہی تھی۔''امی آپ بہت یاد آتی ہیں۔امی میں اکیلی ہوگئی ہوں۔امی یہاں بہت تنہائی ہے۔''

''چھوڑ چھاڑ کر سب واپس آجاؤ۔کچھ نہیں ہوتا۔اس لیے میں کہتی تھی۔مت جاؤ باہر پڑھنے۔''

''نہیں امی۔اب بہت کام کر چکی ہوں۔اگر چھوڑ کر آتی ہوں تو ساری محنت ضائع ہو جائے گی۔اب آپ سے بات کی ہے تو سب ٹھیک ہو جائے گا۔''

''تو روز بات کیا کرو۔''

''امی جب میں آتی ہوں تو آپ کی آدھی رات ہو چکی ہوتی ہے۔تو مجھے اچھا نہیں لگتا۔آپ کو ڈسٹرب کروں۔دوسرا میں بھی تھکی ہوئی آتی ہوں۔''

اُس کو تقویت دینے کے لیے روبینہ بیگم۔''میری بیٹی ویسے بھی بڑی بہادر ہے۔ساری دنیا کو ہارا سکتی ہے۔یہ ریسرچ کیا چیز ہے۔تم سب کر لوگی۔''

روتے ہوئے آمنہ''امی آپ نے کہا ہے۔اب میں کر لوں گی۔''

پھر دونوں ماں بیٹی ایک دوسرے کو دیکھتے ہوئے روتی رہی تھیں۔ اگلے دن جب آمنہ جاب سے واپس آئی تو شیث اُس کے لیے کھانا لگا کر پہلے سے ہی بیٹھا ہوا تھا۔ جیسے ہی اُس نے دروازہ کھولا شیث۔

''میں نے کھانا لگایا ہوا ہے بس تم منہ ہاتھ دھو کر آ جاؤ۔''

مسکرا کر آمنہ ''سچ کہتے ہیں ایک اکیلا اور دو گیارہ ہوتے ہیں۔''

وہ منہ ہاتھ دھو کر آئی دونوں کھانا کھانے لگے۔ تو شیث نے جیسے ہی اُس کے ہاتھ دیکھے حیران و پریشان ہو گیا۔ اُس کی انگلیاں بری طرح سوجھی ہوئی تھیں۔

''تم یہ جاب چھوڑ دو۔ دیکھو! تمھارے ہاتھوں کا کیا حال ہے۔''

''نہیں مجھے کام کرنا ہے۔ یہ ٹھیک ہو جائیں گے۔ تم فکر نہ کرو۔''

''لیکن میں تمھیں یہ جاب نہیں کرنے دوں گا۔''

''اچھا چلو! کھانا کھاؤ۔ ہم پھر اس ٹاپ پر بات کریں گے۔''

''مجھے ابھی بات کرنی ہے۔ تم میرے سے پیسے لے لو۔ بس تم کل ہی جا کر انھیں بتا دو گی۔ مجھے کچھ نہیں سننا نہ کل نہ پرسوں۔ تم تو ایسے کر رہی ہو جیسے ہم فاقوں سے مر رہے ہیں اور تمھاری جاب ضروری ہے۔ تم میری بات سن رہی ہو۔''

وہ چپ چاپ سن رہی تھی اور سوچ رہی تھی۔ ''میرا اپنا ہے تو اس کو میرے زخم تکلیف دے رہے ہیں۔ مجھے بازو چھپا کر رکھنے ہوں گے ورنہ اس کو لگے گا میں پاگل ہو گئی ہوں۔ مجھے چھوڑ کر نہیں جائے گا اور اس کی پڑھائی متاثر ہو گی۔'' آنکھوں میں آنسو آ رہے تھے لیکن وہ اُن کو آنکھوں میں ہی دبائے بیٹھی تھی۔

دونوں نے کھانا کھایا اور سو گئے سوتے ہوئے۔ آمنہ دل کھول کر روئی۔ یہ آنسو دکھ کے نہیں بلکہ خوشی کے تھے وہ اپنے بھائی کی اس کے بارے میں فکر مندی دیکھ کر خوش ہو رہی تھی۔

بار بار اُس کے الفاظ آمنہ کے دماغ میں گھوم رہے تھے۔ تم نے جاب نہیں کرنی۔ اس کی ضرورت نہیں۔'' نجانے سوچتے سوچتے کب سو گئی۔ صبح جب وہ نوکری پر جا رہی تھی تو شیث اُس کو روک کر۔

''انھیں شام تک جواب دے کر آنا جب تک تم جاب نہیں چھوڑتی میں کہیں نہیں جانے والا۔

بلکہ آج سارا دن میں تمھاری سیوی بناؤں گا۔ مجھے پتہ ہے تم جاب کے بغیر نہیں رہ سکتی۔ تمھارے آنے سے پہلے ہی بہت سی جگہوں پر اپلائے بھی کر دوں گا۔"

"آل رائٹ میں کر کے آؤں گی۔"

یوں بھائی کے اصرار پر اُس نے نوکری چھوڑ دی شیث اُس کے پاس پورا ہفتہ رہا۔ اس میں اُس نے آمنہ کے لیے ایمازون پر نوکری بھی ڈھونڈی۔ صبح جب وہ ریسرچ سنٹر جاتی تو وہ اُس کو ناشتہ بنا کر دیتا اور جب وہ واپس آتی تو کھانا بنا ہوا ہوتا تھا۔ اس پورے ہفتے میں اُس کو ڈپریشن بھی نہیں ہوا تھا۔ اُس نے اپنی ماں سے بھی بات کی۔ لیکن ہفتہ بھر اُس کی آصفہ سے بات نہیں ہوئی۔ اُس نے بھی بات کرنے کی کوشش نہیں کی۔ کیونکہ وہ جانتی تھی کہ شیث اُس کے پاس ہے اب اُس کو اُس کی ضرورت نہیں۔

پورا ہفتہ تو یوں گزرا جیسے ہوا گزرتی ہے۔ جب شیث کے جانے کا وقت آیا تو اُس کا دل چاہ رہا تھا کہ وہ نہ جائے۔ وہ منہ سے تو کچھ نہیں کہہ رہی تھی لیکن اُس کا رویہ بتا رہا تھا کہ وہ اکیلی ہو جائے گی۔

"تم چلے جاؤ گے پھر میں مصروف ہو جاؤں گی۔ تمھارے ساتھ پورے ہفتے کا پتہ بھی نہیں چلا۔ اب تم چلے جاؤ گے تو پتہ چلے گا وقت کتنا مشکل ہے اور کیسے گزرتا ہے۔"

"میں رک جاؤں۔"

خود پر قابو پاتے ہوئے "نہیں اس کی ضرورت نہیں۔ تمھیں تو پتہ ہے۔ میں کتنی بہادر ہوں ویسے بھی پڑھائی کا حرج ہوگا۔"

اُس کو بھی محسوس ہوا کہ وہ نہیں چاہتی کہ وہ چلا جائے لیکن اُس کو بھی جانا تھا۔ کڑوے گھونٹ نہ چاہتے بھی پینے پڑتے ہیں۔

"میں دسمبر میں آؤں گا۔"

جلدی سے گننے لگی "ستمبر، اکتوبر، نومبر۔ یہ دسمبر تو تین ماہ بعد ہے ابھی تو کافی وقت ہے۔ لیکن کوئی بات نہیں گزر جائے گا۔"

اس کے اس جملے میں معصومیت اور اس وقت کو جلدی گزارنے کا جذبہ تھا۔ اس کا رویہ اُس کے

اندیشے کا اظہار کر رہا تھا۔

''تم فکر نہ کرو۔ میں جلدی ہی آؤں گا۔ تم آصفہ اور امی سے بات کرتی رہا کرو۔ میں بھی فون کروں گا۔''

''نہیں......نہیں...... میں تو ویسے ہی کہہ رہی تھی۔ میں سب مینیج کر لوں گی۔ تم فکر ہی نہ کرو۔''

وہ یہ سب یقین دہانی اپنے اندر کے خوف کی وجہ سے کر رہی تھی کہ اُس کے بھائی کو یہ نا لگے وہ اُس کے جانے سے دکھی ہے۔ حالانکہ اُس کا بھائی محسوس کر رہا تھا کہ اُس کے اندر کون سی جنگ چل رہی ہے۔ وہ بھائی کو سٹاپ تک خدا حافظ کرنے آئی۔ جاتے جاتے بھی اُس نے آمنہ کو اپنا خیال رکھنے کی تاکید کی۔ وہ ٹرین پر سوار ہو گیا۔

وہ جا رہا تھا اور اُس کو لگ رہا تھا وہ ایک خوبصورت اور دلفریب خواب سے جاگنے لگی ہے واپس اسی خوفناک اور بدصورت حالات میں لوٹ رہی ہے جہاں وہ جانا نہیں چاہتے لیکن اُس کو جانا پڑ رہا ہے۔ چاہے اُس کا دل چاہے یا نہیں۔

☆......☆......☆

واپس اپنے شہر میں آ کر شیث اس کے بارے میں پریشان رہنے لگا تھا۔ اُس کے سامنے اُس کا مرجھایا ہوا چہرہ تھا۔ جو اُس کے وہاں رہنے سے کافی بہتر تو ہو گیا تھا مگر اُس پر پہلے جیسی رونق نہیں آئی تھی۔ اب اُسے آمنہ کی فکر رہنے لگی تھی پہلے اُس نے کبھی سوچا بھی نہیں تھا زندگی سے بھرپور لڑکی ایسی بھی ہو سکتی ہے۔ اکثر وہ اسی کے بارے میں سوچتا رہتا تھا مگر ماں کو کچھ نہیں بتاتا تھا کہ وہ اتنی دور بیٹھی پریشان ہو جائے گی۔ شیث کے واپس جانے کے بعد آصفہ نے دوبارہ فون کرنا شروع کر دیا تھا۔ آج جب آصفہ نے فون کیا تو آمنہ نے پہلی کی گھنٹی پر اُٹھا لیا۔ حیرت سے آصفہ ''واہ! آج تو تم نے جلدی فون اُٹھالیا ہے۔ تمھاری نبض تو چل رہی ہے۔''

''اچھا تو! تمھیں اچھا نہیں لگ رہا۔ میں بند کر دیتی ہوں۔''

''نہیں مجھے تو خوشی ہو رہی ہے۔ آج تمھارے لہجے میں بھی خوشی ہے۔''

''میری خوشی کو تم چھوڑو۔صرف ایک بات بتاؤ۔یہ اچھا وقت جلدی کیوں گزر جاتا ہے؟ یہ کیوں نہیں ٹھہرتا؟''

''دراصل وقت کا جلدی یا دیر سے گزرنا ایک احساس ہے۔ ورنہ وقت تو ایک ہی طرح گزرتا ہے۔لیکن جب ہم خوش ہوتے ہیں تو ہم وقت کے گزرنے کو محسوس نہیں کرتے بلکہ خوشی میں رہتے ہیں تو ہمیں لگتا ہے وقت جلدی گزر گیا ہے۔جب ہم پریشان ہوتے ہیں تو ہماری نظریں گھڑی کی سوئیوں پر ہی ہوتی ہیں۔ہم پل پل کو گنتے ہیں یعنی وقت کو محسوس کرتے ہیں تو لگتا ہے یہ گزر نہیں رہا۔حالانکہ چوبیس گھنٹوں بعد ہی ایک دن گزرتا ہے۔''

''تمھیں پتہ ہے جب شیث آیا تھا۔تو مجھے وقت گزرنے کا احساس بھی نہیں ہوا۔ایک ہفتہ یوں گزرا جیسے ہوا۔ایک اور بات وہ میری مشکل والی جاب چھڑوا کر ایمازون پر جاب ڈھونڈ کر گیا ہے۔بس اگلے ہفتے سے میں وہاں جاؤں گی۔وہ میری طرف سے سرخ ہوئی انگلیاں دیکھ کر پریشان ہو گیا تھا اور کہنے لگا تم اب یہ جاب نہیں کروں گی۔میں نے بہت بہانے بنائے لیکن وہ نہیں مانا۔''

''یہ اپنے ہی ہوتے ہیں جن کو ہماری تکلیف ہوتی ہے اور وہ ہی ہمیں اس سے نکالنے کی کوشش کرتے ہیں اور نکالتے بھی ہیں۔یہ ہی تو زندگی ہے۔اگر کوئی ساتھ ہو تو زندگی کی مشکلات آسان ہو جاتی ہیں۔''

''تم ٹھیک کہتی ہو۔اپنے آپ کو کھینچ کر نکال دیتے ہیں زندگی کی مشکلات سے۔''

''جیسے شیث نے تمھیں نکالا ہے۔''

''آپ ٹھیک کہہ رہی ہیں۔''

''ایسی اچھی اچھی باتیں کرتی رہا کرو۔اچھی لگتی ہو۔''

''میں تو اچھی باتیں کرنا چاہتی ہوں۔لیکن نجانے کیوں ہو نہیں پاتیں۔''

''تمھارا قصور نہیں پریشانی میں ہر دیا مرجھا جاتا ہے مگر اس کو زندگی کے دیے سے جلا کر رکھنا ہی زندگی ہے۔''

''میں تو جلا کر رکھتی ہوں لیکن یہ مجھ سے جلتا نہیں۔''

''کوئی بات نہیں۔تم کوشش کرتی رہو۔آہستہ آہستہ جلانا آجائے گا۔''

''اگر جلانا نہ آیا اور اس سے پہلے ہی بجھ گیا تو؟''

''میں ایسا نہیں ہونے دوں گی۔''

''میرا ڈپریشن اس کو جلنے نہیں دیتا اور تم کہتی ہو میں اس کو بجھنے نہیں دوں گی۔ یہ کیسے ممکن ہے۔''

''تم جانتی ہو ایک اور ایک گیارہ ہوتے ہیں۔تم اور میں گیارہ جبکہ ڈپریشن اکیلا۔ بتاؤ نہ کون بھاری ہوگا۔''

''ظاہر ہے ہم دونوں مطلب ہم جیت جائیں گے۔'' سوچتے ہوئے آمنہ۔

''انشاءاللہ ضرور۔''

''اچھا میری امی سے بات کرواؤ۔''

اس نے فون لے جا کر ماں کو دے دیا۔آمنہ ماں سے باتیں کرنے لگ گئی تھی۔ یوں ایک دن اچھا گزر گیا بغیر ڈپریشن کے یہ آمنہ کا پہلا دن تھا۔ایک لمبے عرصے کے بعد۔

شیث سوچ رہا تھا ''ہم کس طرح آمنہ کو پہلے جیسی بنا سکتے ہیں۔اس کے لیے مجھے اُس کو وقتاً فوقتاً اُس کو احساس دلوانا ہوگا کہ ہم سب اُس کے ساتھ ہیں۔کہیں وہ خودکشی ہی نہ کرلے۔ مجھے تو اُس کی حالت بہت خراب لگ رہی تھی۔ میں آصفہ سے بات کروں گا بلکہ ابھی کرتا ہوں۔اُس نے آصفہ کو فون لگایا۔

''آپی آپ سے ایک بات کرنی ہے۔آپ کو پتہ ہے آمنہ بہت زیادہ ڈپریشن میں ہے۔ مجھے اور آپ کو اُس کو بچانا ہے۔میں اُس کے ساتھ وقتاً فوقتاً بات کرتا رہوں گا۔آپ کو بھی اُس سے روز بات کرنی ہوگی۔''

''میں تمھارے ساتھ متفق ہوں۔ مجھے بھی معلوم ہے۔''

''پھر تو کام آسان ہوگیا۔ہمیں اُس کو احساس دلائے بغیر اس صورت حال سے اس کو باہر لانا ہوگا۔اس کی مینٹل سٹیٹ بدلتی رہے گی کبھی وہ ٹھیک لگے گی مگر اس کا ہر گز یہ مطلب نہیں ہوگا وہ ٹھیک ہے۔ہمیں ہر وقت اُس سے آگاہ رہنا ہوگا۔میں بھی رہوں گا اور آپ کو بھی رہنا ہوگا۔''

''میں تمھارے ساتھ فل تعاون کروں گی۔ بے فکر ہو جاؤ۔''

''ٹھیک ہے پھر آپ بھی سو جائیں پھر بات ہو گی۔''

''ٹھیک ہے تم بھی اپنا خیال رکھنا۔''

آج جب آصفہ لیٹی تو درد تو اتنی ہی شدت سے ہوئی۔ لیکن آج آصفہ کو بھی شدت محسوس نہیں ہو رہی تھی۔ وہ آج آمنہ کی طرف سے پر سکون تھی۔ اپنی تکلیف کم ہو جاتی ہے جب اپنوں کو سکون ہو۔ اُس نے دو تین کروٹیں لیں۔ جہاں تکلیف میں کمی ہوئی اور وہ سو گئی۔

☆......☆......☆

آج سٹاپ پر آمنہ بیٹھی اُس لڑکی کو دیکھ رہی تھی۔ اس کو دیکھتے دیکھتے اس نے فضاء کو محسوس کرنا شروع کر دیا تھا۔ آج اُسے فضاء بہتر لگ رہی تھی۔ اُس میں اُداسی اور نا اُمیدی نہ تھی یعنی اُس کے اندر کی کیفیت اور فضا ایک جیسے تھے۔ اس نے لڑکی کو دیکھا۔ وہ آج اس کو پہلے سے زیادہ خوش لگ رہی تھی۔ اس کے چہرے پر مسکراہٹ تھی۔ وہ اپنا ہاتھ بالوں میں پھیر رہی تھی۔ کبھی بالوں کو دائیں طرف کر رہی تھی اور کبھی بائیں طرف۔ ایسا لگ رہا تھا خود سے ہی وہ بہت کچھ کہہ رہی ہو۔ اس کو ارد گرد کی خبر نہ تھی۔ وہ خود کو خوش قسمتی کی سلطنت کی ملکہ سمجھے اس پر بیٹھی حکمرانی کر رہی تھی۔ آمنہ اس کی خوشی کو دیکھ کر خود سے ''جب انسان خوش ہوتا ہے۔ وہ اسی طرح دنیا سے بے نیاز ہو جاتا ہے کیونکہ اس کے پاس وقت ہی نہیں ہوتا کہ وہ دوسروں کو دیکھے۔ انسان خوشی میں تو جنگل میں بھی ناچنا شروع کر دیتا ہے۔ چاہے کوئی اُس کی تعریف کرنے والا ہو یا نہیں۔'' وہ اُس کو آدھے گھنٹے سے دیکھ رہی تھی۔ لیکن اُس نے اُس کی طرف ایک مرتبہ بھی نہیں دیکھا۔ خود سے ہی ''نجانے وہ کیا باتیں کر رہی ہے'' آمنہ خود سے ہی ''آج مجھے تمھارا اس طرح میری طرف نہ دیکھنا برا نہیں لگ رہا کیونکہ آج میں بھی نارمل ہوں۔'' پھر بس آ گئی اور وہ اُس پر سوار ہو کر چلی گئی۔

لیب میں کام کرتے ہوئے آمنہ کو ایک دو مرتبہ اُس کی مسکراہٹ یاد آئی اُس کا مسکراتا ہوا چہرہ اُس کی آنکھوں کے سامنے آیا لیکن اُس نے مسکرا کر اُس کو جھٹک دیا اور کام میں مصروف ہو گئی تھی۔

ایمازون پر کام کرتے ہوئے اُس کو ایک ماہ ہو گیا تھا ایک دن وہ کام سے فارغ ہو کر واپس آنے لگی تو مینیجر نے اسے بلا کر کہا۔۔۔

You are fired, we need not more workers good luks for future

''آپ ہماری طرف سے فارغ ہیں ہمیں زیادہ ملازموں کی ضرورت نہیں۔ مستقبل کے لیے نیک تمنائیں۔''

وہ الفاظ بول رہا تھا لیکن وہ ساکن تھی اس پر الفاظ بجلی کی طرح گر رہے تھے۔ وہ آگے سے کچھ نہ بول سکی۔ بوجھل دل کے ساتھ وہاں سے نکلی۔ بس میں بیٹھی سوچ رہی تھی ''کتنی مشکل سے میں زندگی کی طرف آنے کی کوشش کر رہی تھی بلکہ یوں کہو کافی حد تک آ گئی تھی مگر اس ناکامی نے مجھے واپس پیچھے دھکیل دیا ہے۔ یہ ناکامیاں میرے ہی نصیبوں میں کیوں ہیں۔ میں کسی چیز کی طرف ایک قدم بڑھاتی ہوں اور وہ مجھ سے سو قدم دور بھاگتی ہے ایسا کیوں میرے ساتھ ہوتا ہے۔''

جیسے ہی وہ کمرے میں داخل ہوئی تھی کہ آصفہ کا فون آ گیا۔ اُس نے پہلی گھنٹی پر فون اُٹھا لیا۔ اور برس پڑی۔

''ہم سب بہن بھائی ایک جیسے ہیں۔ ہم وقت پر کوئی فیصلہ نہیں کر سکتے ہمیشہ غلط فیصلے کرتے ہیں۔ بہت جذباتی ہیں۔ عقل نام کی تو ہمارے اندر کوئی چیز نہیں۔''

''کیا ہوا ہے؟ جو ہم سب کو کوس رہی ہو۔''

''انھوں نے مجھے جاب سے نکال دیا ہے اور کہا ہے۔ گھر جا کر آرام کرو۔''

''تو پھر کیا ہوا۔ کوئی اور مل جائے گی۔ یہ کوئی بڑی بات نہیں۔''

''کوئی بڑی بات نہیں۔ تم نے میری زندگی برباد کر دی ہے۔ اور شیث نے مجھے بے روزگار کر دیا ہے۔ اچھی بھلی میں جاب کر رہی تھی۔''

''آمنہ اُس کو جاب نہیں خودکشی کہتے ہیں جو تم کر رہی تھی۔''

''مجھے وہ خودکشی بہتر تھی اس اذیت سے جو اَب مجھے ہو رہی ہے۔اب میں کیا کروں گی؟ فارغ رہوں گی۔''

''ہفتے کے پانچ دن ریسرچ کرتی ہو اور ابھی کہتی ہو کہ تم فارغ ہو۔فکر نہ کرو۔جاب بھی کوئی نہ کوئی مل ہی جائے گی۔''

''کہاں سے مل جائے گی۔یہاں کیا جابز کے انبار لگے ہیں۔''

''ویسے بھی ہر کام میں بہتری ہوتی ہے۔''

یہ الفاظ جیسے ہی آمنہ کے کانوں تک پہنچے اُس کو تو جیسے آگ لگ گئی۔وہ غصے سے۔

''واہ ہو! کیا بہتری ہے۔اب نوکری نہیں ہوگی۔اب نوکری نہیں ہوگی۔

ہم جیسا بھی کوئی ہی بدو ہوگا۔لوگ کتنے عقلمند ہیں۔وقت پر فیصلے لیتے ہیں۔ہمارے پاس کچھ ہو یا نہ ہو۔ہم ہاتھ والی بھی چھوڑ کر بیٹھ جاتے ہیں۔لوگ منصوبے بناتے ہیں پھر فیصلے کرتے ہیں۔

لیکن ہم نہ آؤ دیکھتے ہیں نہ تاؤ۔بس دوڑ پڑتے ہیں۔چاہے آگے پتھر ہی آجائے۔اور ہم اوندھے منہ گر پڑتے ہیں۔

ہماری یہ بہتری ہوتی ہے کیونکہ تم جو ہماری سرپرست ہو۔جسے خود کچھ نہیں پتہ صرف جذبات ہی جذبات ہیں۔''

''ہم بے وقوف اور جذباتی ہی اچھے ہیں۔تم عقل مند بن جاؤ۔تاکہ تمھارا ہی بھلا ہو جائے۔''

''بےفکر ہو جاؤ۔اب میں تم لوگوں کی بات نہیں ماننے والی۔میں اب سے اپنی مرضی کروں گی۔

تم لوگ وہ لوگ ہو جن کو ہلدی کا ٹکڑا اگر مل جائے تو پنساری بن بیٹھتے ہو۔''

''ہم ایسے ہی ٹھیک ہیں۔تم ہی کچھ کرلو۔''

''کہا نا! اب میں خود کچھ نہ کچھ کروں گی۔کم از کم تم لوگوں کی طرح بے وقوفیاں نہیں کروں گی۔

جو خوابوں میں ہی محل بنا کر بیٹھے ہوتے ہیں۔''

''کسی نئی نوکری کے لیے اپلائے کرلو۔''

''مشورے کی ضرورت نہیں۔ میں پہلے ہی سوچ چکی ہوں۔ کیونکہ مجھے نوکری کرنی ہے۔ تمھاری فضول باتیں نہیں سننی۔''

''انشاءاللہ! تمھیں اچھی ہی نوکری ملے گی۔''

''مجھے پتہ ہے کتنی اچھی ملے گی۔ جھوٹی تسلی دینے کی ضرورت نہیں۔ ایک تو تمھارا ہمدردی کا بخار ساتھ ہی شروع ہو جاتا ہے۔ کبھی تو کسی کو حقیقت پسندانہ مشورہ بھی دے دیا کرو۔ یہ خیالی دنیا سے کبھی کسی کو نکال بھی دیا کرو۔''

''میں نے کب کچھ کہا ہے۔ جو تمھارا دل کرتا ہے تم کرو۔''

''میں مزید بحث نہیں کرنا چاہتی۔ تم فون بند کرو۔ بلکہ میں ہی کر دیتی ہوں۔''

اس نے غصے سے ٹھا کر کے فون بند کر دیا تھا۔ اُس کے فون بند کرتے ہی آصفہ نے پریشان ہو کر شیٹ کو فون کر دیا۔

''السلام علیکم آپی کیسی ہیں؟''

''میں تو ٹھیک ہوں لیکن آمنہ کی جاب ختم ہو گئی ہے۔ وہ بہت پریشان ہے۔''

''کوئی بات نہیں آپی۔ کوئی اور مل جائے گی۔ آپ زیادہ نہ سوچیں۔ آپ بتائیں امی کیسی ہیں؟ بلکہ میری ان سے بات کروائیں۔''

''اچھا! میری کرواتی ہوں۔''

اُس نے ماں کو فون دیا اور وہ اُس سے بات کرنے لگی۔

وہ آمنہ کے بارے میں سوچ رہی تھی۔ ''مشکل سے تھوڑی ٹھیک ہوئی تھی اب اُس کی حالت پہلے سے بھی بری ہو جائے گی۔

اگر اُس کو نوکری نہ ملی تو کیا ہو گا؟

اُس کے ڈپریشن کو کون دیکھے گا؟

اُس کی حالت تو آج بھی ٹھیک نہیں تھی۔

کیسے اس کو دیکھو گی؟
کیسے مجھے اس کو نارمل حالت میں رکھنا ہوگا؟
خود سے۔ہی جو ئے شیر لائے کے مترادف ہے۔''

ایک ہی ہفتے میں آمنہ کو ڈیلیوری رائیڈرز کی نوکری مل گئی تھی۔اس کے پاس سائیکل یا کوئی اور سواری نہیں تھی۔وہ لوکل بس پر سامان رکھ کر گھر گھر دینے جاتی تھی۔اتنے مشکل کام کے باوجود وہ اس کو کر رہی تھی اور خوش تھی۔ایک دن اُس کو سٹور والوں نے آرڈر دیا۔وہ بس میں رکھ کر دینے جا رہی تھی۔وہ بس میں بیٹھی اور سامان کو سامنے رکھ لیا۔اس کی سامان پر نظر پڑی تو اُس میں شراب کی بوتل تھی۔جیسے ہی اس نے شراب کی بوتل دیکھی اور پریشان ہو گئی۔اس کو یہ سامان لے جانا اچھا نہیں لگ رہا تھا مگر وہ لے جا رہی تھی۔بس سے اتر کر وہ سامان اُٹھا کر لے جا رہی تھی لیکن دماغ ساکن ہوا پڑا تھا وہ سوچ رہی تھی ''کیا یہ شراب لے جانا ٹھیک ہے یا نہیں۔شراب پینا صحت کے لیے اچھا نہیں۔کیا یہ درست ہے میں لوگوں کو یہ زہر دوں۔جوان کے لیے فائدہ مند ہی نہیں۔یہ تو انسانیت کے ساتھ ظلم ہے میں اس ظلم میں کیسے شامل ہو سکتی ہوں۔'' پھر خود سے ''یہ تو انھوں نے خود خریدی ہے میں تو صرف لے جا رہی ہوں۔'' پھر خود سے ''چاہے انھوں نے خود خریدی ہے لیکن میں یہ انسانیت کے لیے زہر ان کو اپنے ہاتھوں سے نہیں دوں گی۔چاہے مجھے کچھ بھی نقصان اُٹھانا پڑے۔'' آخر کار خود سے لڑتے لڑتے اُس کے اندر کا عظیم انسان جیت گیا اور اس نے شراب کی بوتل توڑ دی۔شراب کی بوتل توڑ کر وہ پرسکون ہو گئی کہ آخر کار اس نے کسی کے ساتھ برا نہیں کیا۔چاہے وہ خود اپنے ساتھ کریں۔'' اس نے آرڈر دیا اور انھوں نے شکایت کی۔لیکن یہ انگریز لوگ اچھے ہوتے ہیں انھوں نے ان کو دوسری بوتل دوسرے کے ہاتھ بھیج دی لیکن آمنہ کو کوئی جرمانہ نہیں کیا نہ ہی کچھ کہا۔

اسی طرح لوگوں کو گھر گھر سامان پہنچاتی تھی ایک دن کو آرڈر لے کر جا رہی تھی اس میں پھر شراب کی بوتل تھی۔جیسے ہی اس نے شراب کی بوتل دیکھی۔اس نے توڑ دی۔کیونکہ اس کے پاس لاشعوری طور پر ماضی کی ہمت تھی لیکن اس مرتبہ اس کا سامنا ایسے آدمی سے ہوا تھا جو بڑا بدتمیز اور دیو کی طرح کا تھا۔

جب وہ آرڈر لے کر وہاں پہنچی اس نے گھنٹی بجائی۔ آمنہ نے آرڈر دیا اور آدمی نے جیسے ہی سامان دیکھا وہ چلانے لگا۔ اس کی آواز میں بڑی گرج تھی۔

what you have done basterd. you are not in senses. How much have you given melc

"تم نے کیا کیا ہے حرامزادی۔ تم اپنے حواس میں نہیں ہو۔ تم نے مجھے کتنا نقصان پہنچایا ہے۔"

اس سے پہلے کہ وہ اس کی طرف بڑھتا۔ وہ وہاں سے بھاگی۔ وہ بولتا جا رہا تھا لیکن اس نے پیچھے مڑ کر نہیں دیکھا۔ وہ بھاگتی جا رہی تھی کہ اچانک اس کا پاؤں پتھر سے ٹکرایا اور وہ منہ کے بل گر پڑی۔ مگر وہاں اس کو اٹھانے والا کوئی نہ تھا۔ اس کے دونوں گھٹنوں پر چوٹ لگی تھی۔ مگر وہ خود ہی اٹھ کر بھاگی اور بس میں سوار ہوئی اور سیدھا اپنے کمرے میں پہنچی اور وہاں سانس لی۔ کمرے میں پہنچ کر اس نے زخم دیکھے تو دونوں گھٹنوں پر چوٹ لگی تھی اور خون بہہ رہا تھا۔ وہ ان کو دیکھ رہی تھی۔ جیسے وہ اس کے وجود کا حصہ تو ہیں لیکن وہ بے حس و حرکت تھی اُس کو ان کی تکلیف محسوس نہیں ہو رہی تھی۔ جب درد دل میں ہو تو جسم کا درد کہاں محسوس ہوتا ہے۔ وہ بیٹھی صرف اس کو دیکھ رہی تھی اور سوچ رہی تھی کہ "اس کو درد کیوں محسوس نہیں ہو رہا۔ میں تو وہ تھی جو چھوٹی سی چوٹ پر چیخ اُٹھتی تھی۔" وہ یاد کرنے لگی۔

وہ اور اس کا بھائی کھیل رہے تھے کھیلتے کھیلتے دونوں میں لڑائی شروع ہو گئی۔ شیث نے اس کی ٹانگ پر گاڑی ماری تو وہ چیخ چیخ کر رونے لگی چوٹ چھوٹی تھی مگر اس کو درد زیادہ ہو رہا تھا۔ ماں چپ کروا رہی تھی۔ مگر وہ چپ نہیں ہو رہی تھی۔ آنکھوں میں آنسو کے ساتھ آمنہ "مگر آج زخم بڑا ہے لیکن محسوس کرنے کی حس ختم ہو چکی تھی۔ دونوں ٹانگیں اس کو اپنی نہیں لگ رہی تھیں۔ اس کو لگ رہا تھا کسی اور کی ٹانگیں اس کے سامنے پڑی ہیں جن سے خون بہہ رہا ہے اور وہ صرف دیکھ رہی ہے۔

رات کو جب آصفہ کا فون آیا تو اس نے بڑے اطمینان سے فون اُٹھایا اور بولی "دیکھو! کتنی بہتری ہوئی ہے۔ مجھے جاب مل گئی ہے۔ پوچھو گی نہیں کیسی ہے؟"

آرام سے آصفہ کیونکہ اس کا پرسکون لہجہ اس کو ڈرا رہا تھا۔

''کیسی ہے تمھاری جاب۔''

''گھر گھر سامان پہنچاتی ہوں وہ بھی لوکل بس میں رکھ کر۔ کتنا میرے ساتھ اچھا ہوا ہے۔ سچ میں تم ٹھیک کہتی تھی۔''

اس کی بات سن کر آصفہ کو چپ لگ گئی تھی۔ کیونکہ واقعی ہی اس کے ساتھ برا ہوا تھا۔ بس میں سامان لے کر جانا بہت مشکل تھا۔

''اب جواب کیوں نہیں دے رہی۔ اس لیے کہتی ہوں۔ یہ الفاظ مت بولا کرو۔ یہ پین فل ہیں۔''

اس کی ان الفاظ کے ساتھ آواز بھر آئی تھی۔ آنکھوں میں آنسو آ گئے تھے مگر رو نہیں رہی تھی بلکہ درد بھری آواز میں بولی۔

''کیوں تسلی دیتی ہو۔ کہا کرو کانٹوں سے بھری زندگی ہے۔ جس میں ہر قدم پر پاؤں میں چبھتے ہیں اور پاؤں خون سے بھر جاتے ہیں۔ مگر تم کیا جانو؟ اس تکلیف کو جو مجھے ہوتی ہے۔ کاش! تم جان سکتی میرا دل رو رہا ہے اس جاب کو کر کے۔ اس لیے کہتی ہوں۔ ہم بے وقوف ہیں۔''

''لیکن مجھے لگتا ہے آمنہ تمھیں اچھی نوکری ضرور ملے گی۔ ہو سکتا ہے یہ چھوٹا سا امتحان ہو۔ اس کے بعد اچھی نوکری مل جائے تم پریشان نہ ہو۔''

''تم کہہ چکی۔ تو اب میری سنو! آگے برے سے برا ہونے والا ہے۔ کچھ اچھا نہیں ہو سکتا۔ یہ صرف باتیں ہیں۔''

پاگلوں کی طرح آمنہ ہنس رہی تھی۔ پھر بغیر کچھ کہے فون بند کر دیا۔ اس نے تو فون بند کر دیا مگر آصفہ کے لیے سوچنے کے لیے ایک موضوع کھول دیا۔ جس کا نہ کوئی شروع تھا اور نہ کوئی اختتام وہ سوچ رہی تھی ''میں اس کو کیا کہوں اور کیا نہیں۔ لیکن مجھے اس کی ہمت ٹوٹنے نہیں دینی چاہیے۔ چاہے کچھ بھی ہو جائے۔ ورنہ وہ جو آدھی پاگل ہے پوری ہو جائے گی۔ ہم سب کو یہ ہونے سے اس کو بچانا ہے۔'' آج صبح سے آصفہ اپنا کام تو کر رہی تھی۔ مگر اس کے دماغ کو بچانا ہے۔''

آج صبح سے آصفہ اپنا کام تو کر رہی تھی۔ مگر اس کے دماغ میں آمنہ کی باتیں اور حالت چل رہی

تھی۔رنگ انسان میں خوشی بکھیرتے ہیں۔لیکن یہ رنگ اس پر کوئی اثر نہیں کر رہے تھے۔وہ پریشان حال بیٹھی پینٹنگ کر رہی تھی۔آج تو رات ہوگئی تھی لیکن وہ دوپہر کا کھانا تو ایک طرف رات کے کھانے کے لیے بھی کمرے سے نہیں نکلی تھی۔آخر کار روبینہ اس کے پاس آکر۔

''آج کچھ نہیں کھانا۔بھوک ہڑتال ہے۔''

اس نے ماں کی آواز سن کر اوپر منہ کیا۔اس کی مردہ حالت کو دیکھ کر روبینہ بیگم۔''کیا ہوا یوں کیوں مردہ لگ رہی ہو۔''

''امی طبیعت ٹھیک نہیں۔''

''اس لیے کہتی ہوں زیادہ کام مت کیا کرو۔تم میری سنتی کب ہو۔''

اس کو بازو سے پکڑ کر کمرے میں لے گئی۔اس کو وہاں بٹھایا۔پیار کیا۔

''تم بیٹھو!میں کھانا لاتی ہوں۔''

''امی دل نہیں چاہ رہا۔اب میں سونا چاہتی ہوں۔''

بیٹی کی حالت دیکھ کر روبینہ بیگم''ٹھیک ہے تم سو جاؤ۔''

وہ جا کر کمرے میں لیٹ گئی۔اور روبینہ بیگم''نجانے میرے بچوں کو کیا ہوگیا ہے۔ایک کو دیکھتی ہوں تو دوسرے کی حالت خراب ہو جاتی ہے۔سمجھ نہیں آتا کیا کروں۔''

آج آصفہ کو آمنہ کی حالت پر ترس آ رہا تھا۔وہ چیخ کر رونا چاہتی تھی مگر ماں کے ڈر سے منہ میں دوپٹہ دے کر چیخ چیخ کر رونے لگی تا کہ اس کی آواز ماں تک نہ جائے۔

یہ ہوتے ہیں رشتے۔تکلیف ایک کو اور درد سب کو ہو رہا تھا۔حالانکہ سب ایک دوسرے سے دور دور تھے۔لیکن سب محبت کی ڈوری سے بندھے ہوتے تھے۔یہ ڈور پکی تھی کچی نہیں اس لیے ٹوٹ نہیں رہی تھی۔اس کے دماغ میں اس کے الفاظ گونج رہے تھے''کہاں ہے تمھاری بہتری۔سچ میں میرے ساتھ بہت بہتر ہوا ہے'' وہ یہ الفاظ سوچ سوچ کر رو رہی تھی۔کیونکہ درد دل میں ہو رہا تھا۔

☆......☆......☆

اس واقعہ کے بعد آمنہ بہت بہادر ہوگئی تھی۔ وہ برے سے برے حالات کا سامنا کرنے کے قابل ہوگئی تھی۔ اس کو اندازہ ہوگیا تھا کتنا برا ہوسکتا ہے۔ اس میں اصولوں کے ساتھ چلنے کی ہمت پیدا ہوگئی تھی۔ اس کو یہ نوکری کرتے ایک ہفتہ ہوا تھا کہ اس کو ایک برگر شاپ سے نوکری کی کال آگئی۔ وہ پہلے دن گئی تو سارے سٹاف نے اس کے ساتھ اچھا سلوک کیا۔ کسی نے بھی اس کے سکاف لینے پر تنقید نہیں کی۔ اس کو ایک مسلم لڑکی کی حیثیت سے قبول کیا۔ سٹاپ پر آج چار پانچ منٹ بیٹھی تھی کہ بس آگئی اس لڑکی کو بھی دیکھنے کا اس کو زیادہ موقع نہیں ملا تھا۔ آمنہ نے اس کو ایک نظر دیکھا اور بس میں سوار ہوگئی۔ انسٹیٹیوٹ پہنچی تو جیسے بری خبر پہلے ہی اس کا انتظار کر رہی تھی۔ اس کے تجربات کے نتائج آچکے تھے۔ سارے تجربات غلط ہوگئے تھے۔ اس کے پورے سال کی محنت کا نتیجہ صفر آیا تھا۔ وہ پیپر اٹھا کر دیکھ رہی تھی۔ اُس کی حالت غیر ہو رہی تھی۔ سارے کے سارے نتائج غلط آئے تھے۔ حالانکہ یہ عام بات تھی ریسرچ میں نتائج غلط یا صحیح ہوتے ہی ہیں۔ وہ مثبت طریقے سے بھی سوچ سکتی تھی کہ دوبارہ کیے جائیں لیکن اس کی حالت خراب ہونے لگی تھی۔ وہ کچھ دیر وہاں بیٹھی رہی پھر پاگلوں کی طرح کیمیکل ایک دوسرے میں ملائے جارہی تھی لیکن دماغ وہاں نہ تھا۔ یوں الٹی سیدھی حرکات سے سارا دن گزارہ کبھی لیب کے ایک انسٹومنٹ پر کام شروع کر دیتی پھر اس کو وہاں پر ہی چھوڑ کر دوسرے پر اور کبھی کیمیکل کو ملانا شروع کر دیتی تھی یوں دن تو گزر گیا وہ جیسے فارمیلٹی پوری کر کے واپس گھر کو لوٹی۔ بس میں بیٹھی تو بیٹھی ہی رہ گئی سٹاپ گزر گیا تھا لیکن اس کو پتہ نہیں چلا تھا جب ہوش آئی تو وہاں اتری دوسری بس پر سوار ہوئی۔ یوں بوجھل دل اور نیم بے ہوشی میں آدھی رات کو اپنے کمرے میں پہنچی۔ گھر پہنچ کر دیکھا تو آصفہ کی کالز آئی ہوئی تھیں۔ ایک وہ پہلے ہی پریشان تھی۔ دوسرا آصفہ کا فون تو اس کا دماغ ہی خراب ہونا تھا۔ اس کو آصفہ کے ساتھ خدا واسطے کا بیر تھا۔ یہ ایک حقیقت ہے جو آپ کی سنتا ہے اور آپ کا خیال رکھتا ہے اس پر آپ کو ہمیشہ غصہ ہی آتا رہتا ہے۔ چاہے اس کا قصور ہو یا نہ ہو۔ ''یہ بھی میرا پیچھا نہیں چھوڑتی۔ اب اگر اس نے فون کیا تو پتہ نہیں۔ میں اس کو کیا کیا کہہ دوں گی'' ابھی وہ سوچ ہی رہی تھی کہ فون دوبارہ آگیا۔ کیونکہ اس کے فون نہ اٹھانے سے آصفہ پریشان ہو رہی تھی۔ اس لیے وہ بار بار فون کر رہی تھی۔

فون اٹھاتے ہی آمنہ بولنے لگی

''میری زندگی کے سارے مسئلے تمھاری وجہ سے ہیں۔اگر تم میری زندگی میں نہ ہوتی تو شاید یہ مسئلے بھی نہ ہوتے۔میری جان چھوڑ کیوں نہیں دیتی ہو۔کیا بگاڑا ہے میں نے تمھارا۔رحم کرو مجھ پر۔''

وہ بول رہی تھی اور اس کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے''اگر میں نے تمھاری بات نہ مانی ہوتی تو میرا دماغ اس قدر خراب نہ ہوتا اور میری زندگی یوں مشکل نہ ہوتی۔ایک تمھاری بات مانی ہے اور ساری زندگی کا رونا مل گیا ہے۔اپنے ہی وجود سے بیگانگی ہوگئی ہوں۔لگتا ہی نہیں کہ یہ میرا وجود ہے۔اس کا درد بھی محسوس نہیں ہوتا۔جیسے خود سے نفرت ہوگئی ہو۔ورنہ کوئی چیز چھو کر بھی گزر جاتی تھی تو میں رو رو کر پاگل ہوجاتی تھی۔اب اسی وجود کو کوئی کاٹ بھی جائے۔تو پتہ نہیں چلتا۔''دکھی انداز میں

''تم ایسا کیوں کرتی ہو۔ہر کام میں اتنی دیر کردیتی ہو کہ وقت گزر جاتا ہے اور رونا باقی رہ جاتا ہے۔''

وہ سسکیوں کے ساتھ رو رہی تھی۔اس ناکامی نے اس کو دوبارہ اسی جگہ پر لا کر کھڑا کردیا تھا جہاں سے آصفہ نے اس کو مشکل سے تھوڑا سا ہلایا تھا۔اس کے آنسو آصفہ کو بھی محسوس ہو رہے تھے۔وہ بھی اس کے ساتھ رو رہی تھی۔لیکن کہہ کچھ نہیں رہی تھی۔وہ بھی آصفہ کا رونا محسوس کررہی تھی۔جو اس کے لاشعور کو یہ احساس دلا رہا تھا کہ کوئی اس کے ساتھ ہے۔کیونکہ ساتھ ہونے کا احساس آپ کے دل و دماغ کو ضرور ہونا چاہیے۔چاہے آپ محسوس کررہے ہوں یا نہ۔اگر ان کو محسوس ہو تو ظاہری طور پر چاہیے نہیں لیکن آپ کے اندر ہمت ضرور پیدا ہوتی ہے۔جو چاہے اس وقت نظر انداز ہوجائے لیکن اس کا پھل بعد میں آپ کو ملتا ہے۔جو خاصا فائدہ مند ہوتا ہے۔اگر فائدہ مند چیز ہو تو نتائج بھی اچھے ہی نکلتے ہیں۔وہ تو نہیں لیکن اس کا دل محسوس کررہا تھا کہ وہ اکیلی نہیں ہے۔کوئی اس کے ساتھ رونے والا ہے۔وہ اس کو قبول کرنے کو تیار نہ تھی۔

''جو تم نے لمبی پلاننگ کی تھی نہ۔مجھے تکلیف دینے کی اس کا ایک اور رزلٹ آگیا ہے میرے سارے ایکسپیری منٹ فیل ہوگئے ہیں۔ظاہر ہے جب میرا دماغ ہی حاضر نہ ہوگا۔میں جو کام بھی کروں گی اس کا رزلٹ زیرو ہی آئے گا۔دماغ تو میرا ایکسپیری منٹ کے دوران الجھا ہوا رہتا تھا۔نتائج

کیا خاک آنے تھے۔'' پھر سوال کے انداز میں۔

''تمھیں تو پتہ ہے یہ ریسرچ ورک کتنا نازک ہوتا ہے۔اس میں تو خود کو بھولنا پڑتا ہے۔تم نے تو سائنس دانوں کی زندگیوں کے بارے میں پڑھا ہے۔وہ کیسے خود کو بھول جاتے تھے۔تب جا کر انھوں نے بڑے بڑے کام کیے ہیں۔'' پھر خود ہی جواب دیتے ہوئے۔

لیکن نہیں تمھیں کیسے پتہ ہوسکتا ہے۔یہ کام کتنا نازک ہے۔تم تو کمرے سے باہر ہی نہیں نکلتی ہو۔ تمھارا بس چلے تو کھانا بھی کمرے میں ہی کھاؤ۔وہ تو امی ہیں جو تمھیں یاد دلاتی ہیں۔کھانا کھانے کے لیے تمھیں باہر آنا ہوگا۔

اس لیے تم دنیا کو کمرے کے حساب سے دیکھتی ہو۔جس میں جہاں چیز رکھی ہے وہ وہاں ہی پڑی رہتی ہے کوئی چیز خراب ہی نہیں ہوتی۔لیکن حقیقت میں ایسا نہیں ہوتا۔

یہاں تو آپ ایک منٹ کے لیے نظر ادھر سے اُدھر ہوئی نہیں سارا کچھ ہی بگڑ گیا اور آپ دیکھتے ہی رہ جاتے ہو۔''

وہ آمنہ کو سن رہی تھی کیونکہ اس وقت سننا ہی بہتر تھا۔وہ بہت زیادہ ذہنی دباؤ میں تھی۔کچھ کہنے کا مطلب تھا اس کو غصہ دلانا تھا جو نقصان دہ بھی ہوسکتا تھا۔ایک سال کی محنت ضائع ہوگئی تھی اس وقت آمنہ کا بولنا اس کی ذہنی اور جسمانی دونوں حالتوں کے لیے اچھا تھا۔جب وہ بول بول کر تھک گئی تو۔

''اب تم بھی کچھ بولو۔''

''میں تمھیں سن رہی ہوں۔''

''کوئی فتویٰ جاری کرو اور مجھے غلط ثابت کرو۔جو تمھارا کام ہے۔''

''میں تو صرف یہ کہوں گی ریسرچ میں ایسا ہونا کوئی بڑی بات نہیں۔اس کا نام ریسرچ ہے۔ری کا مطلب دوبارہ اور سرچ کا مطلب ڈھونڈنا ہے ریسرچ کا مطلب ہوا نا دوبارہ کام کرنا۔تم بھی دوبارہ کوشش کرو۔نتائج بدل جائیں گے۔''

''مجھے پتہ تھا تم ایسا ہی بولو گی۔یہ نہیں کہوں گی کہ تمھارے ساتھ برا ہوا ہے تمھاری محنت ضائع

ہو گئی ہے۔ مطلب میں ہی غلط ہوں۔ کبھی خود کو بھی غلط کہہ دیا کرو۔ تمھارا کوّا ہمیشہ کی طرح سفید ہی ہے یعنی تم ہی ٹھیک ہو۔ میں نہیں۔"

"میرا مطلب یہ نہیں تھا کہ تم غلط ہو۔"

"جو بھی تمھارا مطلب تھا یہ ضرور تھا کہ مجھے اذیت دو۔ میں سونے لگی ہوں۔ تم بھی سو جاؤ۔"

"امی سے تو بات کر لیتی۔"

"پھر کہتی ہو کہ میں بولتی ہوں۔ اس حالت میں امی سے بات کروں یعنی ان میں ہل چل مچا دی۔ ہمیشہ جلتی پر تیل کا ہی کام کرنا۔ کوئی موقع جانے نہ دینا دوسروں کو اذیت دینے کا۔ دیکھ نہیں رہی ہو۔ میری مینٹل سٹیٹ کیا ہے۔ کبھی عقل کو بھی عین موقع پر استعمال کر لیا کرو۔"

بڑے غصے سے

"مجھے بتاؤ اللہ عقل بانٹ رہا تھا تو تم کہاں تھی۔

میں چھوٹی ہو کر جانتی ہوں کہاں بات کرنی ہے اور تمھیں سمجھ نہیں آتی کہ مجھے ابھی امی سے بات نہیں کرنی چاہیے۔"

طنزیہ انداز میں آصفہ "جی دادی اماں سمجھ آ گئی ہے" اس کی توجہ ہی تو وہ بھی اس کو بہتر کرنے کے لیے" آئندہ دادی اماں سے پوچھوں گی۔ مجھے بتا دیں کہاں مجھے بات کرنی ہے اور کہاں نہیں۔"

"تمھارے لیے یہ ہی بہتر ہے کہ تم پوچھ کر بولا کرو۔ ورنہ نجانے کتنے لوگوں کی زندگیاں خراب کرو گی۔ میری تو ہوئی۔"

اس کو لگ رہا تھا کہ وہ دوبارہ پہلے والے موڈ میں آ رہی ہے۔ جلدی سے آصفہ "ہر گھر میں صرف ایک ہی عقل مند ہوتا ہے۔ وہ تم ہو زیادہ کی ضرورت نہیں۔ مجھے تو ویسے بھی عقل نہیں چاہیے بے کار ہے۔"

"ابھی میں تھکی ہوئی ہوں بحث کا موڈ نہیں پھر کبھی کروں گی اور تم بھی سو جاؤ۔ مجھے ابھی بہت کام کرنے ہیں۔"

اس کے ساتھ ہی آمنہ نے فون بند کر دیا۔ اتنا بولنے سے وہ کافی بہتر ہو گئی تھی لیکن حالت ابھی

ٹھیک نہیں تھی کام کی بجائے بستر پر لیٹ گئی تھی۔ وہاں روتی روتی اور سوچتی سونے لگی تھی۔ دوسری طرف آصفہ ''اب یہ حالت نجانے کب تک رہے گی دوسرا اس نے امی سے بات بھی نہیں کی۔ صبح امی سے کیا کہوں گی۔ اب تو ڈپریشن کی وجہ کوئی چھوٹی نہیں بلکہ بہت بڑی ہے۔ سمجھو تو تیلی لگ گئی ہے اب تو دھما کا ہی ہوگا صرف آگ نہیں لگے گی۔ نجانے کیا ہوگا؟''

جب کافی دیر سونے کی کوشش کے باوجود آمنہ سو نہ سکی۔ وہ اپنے آپ اور زندگی سے اکتائی ہوئی تھی زندہ نہیں رہنا چاہتی تھی۔ میز پر پڑی چھری پر نظر پڑی تو پکڑ کر کلائی پر رکھی مگر چلانے کی ہمت نہیں ہو رہی تھی۔ بڑی دیر کلائی پر چھری رکھی بیٹھی رہی تھی مگر پہلے کی طرح اس بار کلائی پر چھری چلائی نہیں جا رہی تھی۔

خود سے ہی ''تم اب بزدل ہوگئی ہو۔ اب درد محسوس ہونے لگا ہے۔

شاید تم ساری دل کی آگ تو پہلے ہی باہر نکال چکی ہو۔ اب اندر کچھ نہیں جو تمہیں چھری چلانے پر مجبور کرے۔ ذرا چلاؤ تو چھری۔ میں بھی تو دیکھوں؟

تم کیسے چلاتی ہو۔ تم نہیں کر پاؤ گی۔ اس لیے اب اس کو آرام سے رکھ دو۔'' اس نے غصے سے چھری کو نیچے پھینک دیا اور چیخ چیخ کر رونا شروع کر دیا۔ ''خود سے ہی ''تمھاری حالت اس غبارجیسی ہے جس سے اگر آدھی ہوا نکال دی گئی ہو۔ پھر اس پر جتنا بھی دباؤ ڈالو۔ تو وہ پھٹتا نہیں ہے۔ صرف شکلیں بدلتا ہے۔ تم میں سے بھی آدھی ہوا نکل گئی ہے۔ اب تم کچھ نہیں کر سکتی۔ صرف چیخو گی اور صرف بس۔ رونا چاہتی ہو تو رو۔ کون تمہیں روکے گا ساری رات پڑی ہے۔ بہتر مشورہ ہے آمنہ اب تم سو جاؤ۔''

روتے روتے وہ بستر پر لیٹ گئی نجانے کب سو گئی۔

سٹاپ پر بیٹھی آمنہ ہمیشہ اپنا اور اس لڑکی کا موازنہ کرتی رہتی تھی اور آج پھر وہی کر رہی تھی۔ آج اس لڑکی کو دیکھ کر آمنہ کو فضاء یاد بھی نہیں تھی۔ وہ لڑکی آج بہت خوش تھی۔ وہ خوشی میں گنگنا رہی تھی۔ اس کو دیکھ کر آمنہ ''یہ خوش ہو کر مجھے بتا رہی ہے کہ میری زندگی میں تو خوشیاں ہیں صرف اِن ہی میں رہوں گی۔ میں ایرے غیرے لوگوں کو کیوں دیکھوں۔ تم بھی اپنے مسائل کی طرف دیکھو۔ مجھے مت دیکھو۔ میں اٹھ

کر تمھارے پاس نہیں آنے والی۔تم چاہے مجھے جتنا بھی گھورو۔میں تم کو نہیں جانتی۔

ہمارے ملک کے لوگ چاہے کوئی کام بھی نہ ہو۔دوسروں کے مسائل میں زبردستی گھس جاتے ہیں۔ہم ان پر تنقید کرتے ہیں۔مگر نجانے کیوں آج اچھا لگ رہا ہے۔ہمارے لوگ ایک دوسرے کو دیکھتے ہیں۔ایک دوسرے کو دیکھنا ہی شاید ایک دوسرے کے مسائل سے آگاہی ہے۔ہم چاہے ایک دوسرے کے لیے کچھ نہیں کر سکتے لیکن کم از کم جھوٹی تسلی ہی دے دیتے ہیں۔'' پھر خود سے ہی'' کیا آج تمھیں جھوٹی تسلی چاہیے وہ تو آصفہ بھی دے سکتی ہے۔'' پھر خود کو جواب دتے ہوئے۔'' لیکن مجھے اس سے نہیں چاہے وہ تو خوابوں میں لے جاتی ہے۔جب آنکھ کھولتی ہے تو تکلیف ہوتی ہے۔'' خود سے دوبارہ'' چاہے خوابوں میں لے جاتی ہے کم از کم وقتی تسلی تو ہوتی ہے۔پھر انسان آہستہ آہستہ برداشت کرنے کے قابل ہو جاتا ہے۔اگر کہتے رہو سفید ہے تو ایک دن وہ سفید ہی لگتا ہے یعنی اس کو مان رہی ہو۔نہیں......نہیں......میں نے کب ایسا کہا۔لیکن وہ اچھی ہے میری سنتی تو ہے۔اس لیے آج میرے بازو چھری کے کٹ سے محفوظ ہیں۔ورنہ آج ان پر پٹی ہوتی۔''

خود سے'' آج ریسرچ سنٹر مت جاؤ۔تم سے کام نہیں ہو پائے گا۔کوئی نہیں تو حاضری تو لگ جائے گی'' اسی دوران بس آئی اور وہ سوار ہو کر چلی گئی۔

☆......☆......☆

ناکامی کے بعد دوبارہ اٹھنا مشکل ہوتا ہے کھڑے ہونے کے لیے بڑی ہمت کی ضرورت ہوتی ہے۔اس کو اکٹھا کرنا بھی مشکل ہوتا ہے۔ہمت کو بھی تنکا تنکا کر کے اکٹھا کرنا پڑتا ہے۔آمنہ جو اپنے آپ میں یہ بہی پیدا نہیں کر پا رہی تھی اور اس کو سمجھ بھی نہیں آ رہی تھی کیا کرے اور کیا نہ۔

'' پورے ہفتے سے لیب جا رہی ہوں۔لیکن کام نہیں کر پا رہی ہوں۔بس کیمیکل کو دیکھتی رہتی ہوں یا پھر جا کر کیبن میں بیٹھ جاتی ہوں اور شام کو واپس آ جاتی ہوں۔کل جاب سے بھی لیٹ ہو گئی تھی۔''

'' دیکھو! جب آپ کوئی کام کرتے ہو تو اس میں غلطیاں ہونا فطری عمل ہے۔یہ کوئی بڑی بات نہیں۔''

غصے سے آمنہ'' تم کہتی ہو بڑی بات نہیں میرے لیے آئٹم بم کے دھماکے سے کم نہیں۔بڑی آئی

کوئی بڑی بات نہیں۔"

"بتاؤ اور کیا کہوں۔ یہ ہی کہوں گی کوئی بڑی بات نہیں۔"

"اس لیے کہتی ہوں۔ مجھ سے بات مت کیا کرو۔ تم صرف زخموں پر نمک چھڑکتی ہو۔"

وہاں سے گزرتے ہوئے روبینہ بیگم اُن کی باتیں سننا شروع ہو گئی تھی۔ اس کی بات کو نظرانداز کرتے ہوئے آصفہ۔

"تم جا کر کام شروع کرو۔ تم شروع کرو گی۔ تو کر بھی پاؤ گی۔ اگر اسی طرح دیکھتی رہی تو کام نہیں ہو پائے گا۔"

"تم کہتی ہو۔ شروع کرو۔ مجھے تو لیب میں قدم رکھنا بھی موت سے کم نہیں لگتا۔ ایسا محسوس ہوتا ہے۔ زیادہ دیر لیب میں رہوں گی تو جان ہی نکل جائے گی۔ جان نکل جانے کا مطلب جانتی ہو۔"

"کام تو تم کو کرنا ہے۔ کیا چھوڑ سکتی ہو؟"

"کیسے چھوڑ دو۔ میں نے بہت Effort لگائی ہے لیکن کر بھی نہیں پا رہی ہوں۔ مجھے تو سمجھ نہیں آتی۔ لوگوں کا تو کام خراب نہیں ہوتا۔ صرف میرا ہی کیوں ہوتا ہے۔"

"تم ہمیشہ لوگوں کو ہی دیکھتی رہتی ہو۔ وہ بہت لائق ہیں۔ تو سنو! ہم average لوگ ہیں تو خودکشی کر لیں۔"

پرزور انداز میں آمنہ "یہ آئیڈیا اچھا ہے۔"

اتنے میں روبینہ بیگم کمرے میں آ گئی اور بولی۔

"خودکشی کریں تمھارے دشمن کوئی بات نہیں۔ کام نہیں ہو رہا۔ ہم چھوڑیں گے تھوڑی ہی۔ تم صرف کچھ دن لیب جاؤ۔ مگر کام نہیں کرو۔ بلکہ ان لوگوں سے فون پر بات کرو۔ جن لوگوں نے رسرچ کی ہے۔ پھر ہم اس موضوع پر بات کریں گے۔ اس وقت ہمارے پاس ٹھوس وجوہات اور ان کے پیچھے کے حالات معلوم ہو گے۔" بھیگی بلی بن کر آمنہ "جی امی۔ پتہ نہیں چلا۔ آپ کب آئی ہیں۔"

"اس کو چھوڑو میں شہزادی۔ بس تم میری بات پر عمل کرو۔"

''جی امی کل ہی کروں گی۔''

پھر دونوں ماں بیٹی تھوڑی دیر باتیں کرتی رہیں اور فون بند کر دیا۔اس کے فون بند کرنے کے بعد روبینہ بیگم آصفہ سے۔

''ایک دم کسی کو اٹھا کر پانی میں نہیں پھینک دیتے۔ پہلے اس کو پانی میں ہاتھ مارنے کو کہتے ہیں۔ پھر پاؤں اس کے بعد پانی میں جانے کے لیے کہتے ہیں۔اٹھا کر پانی میں پھینکنے سے جان بھی نکل سکتی ہے۔

ہر مسئلے کو ایک ہی لاٹھی سے نہیں حل کرتے۔ وہ اس پورے عمل سے گزری ہوئی ہے۔اس نے محنت کی ہے۔جو کہ جان جوکھوں کا کام ہے۔

اوپر سے وہ ناکام ہے۔اس کو دوبارہ ان ہی مشکل حالات سے گزرنے کے لیے اردگرد دیکھتا ہوگا۔پھر اس کو پتہ چلے گا۔سب ہی بارے بارے گزارتے ہیں۔پھر جا کر کامیاب ہوتے ہیں۔

دوسروں کو دیکھ کر انسان کو احساس ہوتا ہے وہ اکیلا نہیں یہ سب کے ساتھ ہو چکا اور اس میں حوصلہ آتا ہے۔

تمھاری طرح نہیں اٹھا کر مشکل میں پھینک دیا۔چاہے اس کا دم ہی نکل جائے۔اچھے طریقے سے بات کیا کرو۔وہ پردیس میں دس دس چیزوں سے لڑ رہی ہے۔جو بہت بڑی جنگ ہے۔''

یہ سب کہہ کر روبینہ بیگم چلی گئی تھی لیکن اس کو سوچ میں ڈال گئی تھی۔آصفہ کو احساس ہوا''اماں یہ ہوتی ہے جو دل کے حالات جانتی ہے ہم صرف اپنی ہی مارتے ہیں۔''

اگلے دن انسٹیٹیوٹ گئی تو لیب میں جا کر کام کرنے کی بجائے اپنے کیبن میں بیٹھ کر اپنے دوست کو فون کرنے لگی۔

''یار!میری ریسرچ تو بہت مشکل ہوئی پڑی ہے۔''

''یہ ریسرچ ہوتی ہی بڑی مشکل ہے۔میرے ساتھ تو بہت برا ہوا تھا۔ پہلے تو میرا سپروائزر ہی چھوڑ کر چلا گیا تھا۔دوسرا آیا تو میں خوش ہوئی اب کام ہو جائے گا۔لیکن یہ صرف خام خیالی ہی تھی۔اس نے جو مجھے ریسرچ میں اسٹنٹ دیا، اس نے سپروائزر کو میرے خلاف کر دیا۔اور اس نے مجھے ریسرچ

سے الگ کر دیا۔ پھر میں نے نیا سپروائزر ڈھونڈا۔ یہ وقت بہت مشکل تھا پہلے تو میں ایک ہفتہ پریشان رہی میرے تو آنسو ہی بند نہیں ہوتے تھے۔ یہ میرے ساتھ کیا ہوا؟ میں اس کو برداشت ہی نہیں کر پا رہی تھی۔ یہاں کوئی میرا تھا بھی نہیں جو مجھے حوصلہ دیتا یا ہمت بندھاتا۔ برحال وقت گزر گیا مجھے خود ہی ہمت کرنی پڑی۔ آخر کار ریسرچ خدا خدا کر کے مکمل ہوئی۔" اس کی باتیں آمنہ کے اندر ہمت کے ساتھ ساتھ دوبارہ کام کرنے کا جذبہ بھی پیدا کر رہی تھیں۔ اس کو احساس ہو رہا تھا ریسرچ مشکل کام ہے۔

"پھر تو تم بہت بڑی ہمت والی ہو۔"

"کیا ہمت؟ جب آگے کنواں اور پیچھے کھائی ہو تو ہمت آ ہی جاتی ہے۔ اگر میں نہ کرتی تو مجھے یہاں سے جانا پڑتا تھا۔ پہلے ہی بڑی مشکل سے یہاں پہنچی تھی۔"

"یعنی جو کام آپ کوشش کر کے کرتے ہو اس میں جتنی بھی مشکل آئے آپ اس کو مکمل ضرور کرتے ہو۔"

"کوشش بھی ہے اور ایک چیز جذبہ بھی ہے۔"

"جذبہ سے تو آپ پہاڑ بھی سر کر لیتے ہو۔"

"تم بھی ہمت کرو اور جذبہ پیدا کرو۔ سب ہو جائے گا۔"

"شکریہ! کروں گی۔"

پھر آمنہ نے دوسری دوست کو فون کیا۔ تو اس کی کہانی اور بھی مختلف تھی۔

"کیسی جا رہی ہے تمھاری ریسرچ آمنہ۔"

"کام ہی نہیں ہو پا رہا۔ کوئی نہ کوئی مسئلہ ہو جاتا ہے۔"

"ریسرچ میں تو یہ سب ہوتا ہی ہے۔ جب میں ریسرچ کر رہی تھی تو میرا تو ہر وقت instrumen ہی خراب رہتا تھا۔ میرا سپروائزر ہی بڑا منحوس تھا۔ پہلے خود کوشش کرتا پھر ٹھیک کروانے بھیجتا تھا۔"

"یہاں بھی یہ سب ہوتا ہے حیرت کی بات ہے۔"

''حیران مت ہو ساری دنیا میں انسان ایک ہی جیسے ہوتے ہیں۔''

''حالانکہ پیسہ تو حکومت کا لگتا ہے۔''

''بہن یہ لوگ اپنے ملک کے ساتھ بڑے مخلص ہوتے ہیں۔ یہ لوگ حکومت کا پیسہ نہیں بلکہ گھر کا سمجھتے ہیں اور بڑا سوچ سمجھ کر استعمال کرتے ہیں۔ ہماری طرح نہیں حکومت کا پیسہ بے دریغ خرچ نہیں کرتے۔ خدا خدا کر کے تجربات ہوئے پھر ان کو جہاں analysis کے لیے بھیجتے تھے وہ بہت سُست تھے ریسرچ کو شائع کرنے میں الگ مشکلات آئیں۔ میں نے جب defence دیا شکر ادا کیا کہ میری ریسرچ ہوئی۔''

''یار! سچ میں تمھیں بہت مشکلات کا سامنا کرنا پڑا ہے۔ یعنی گھر سے چلو تو ذہن میں رکھو اور راستے میں کانٹے ہی کانٹے ہیں۔''

''وہ بھی خون نکالنے والے عام نہیں۔''

''شکریہ یار۔ میں بھی کام کرتی ہوں تاکہ ان کانٹوں کو جلدی سے پار کر سکوں۔ خون نکلنے سے بچ جاؤں۔''

''Best of luck''

اس کی باتوں نے جذبہ ایک طرف راستے میں آنے والے کانٹوں سے لڑنے کے لیے ہمت پیدا کی اور آمنہ کو باور کروایا کہ ہر ایک منزل تک پہنچنے کے لیے آگ کا دریا پار کرنا پڑتا ہے۔

اس کی ماں کی تکنیک نے کام کیا۔ اس نے جب ارد گرد دیکھا تو اس کو اندازہ ہوا۔ یہ کام آسان نہیں۔ اس میں سب کو مشکل ہوتی ہے۔ لیکن جب راستے پر چل پڑتے ہیں تو کام کرنا پڑتا ہے۔ لاشعوری طور پر بھی اس کو احساس ہوا کہ وہ اکیلی نہیں ہے۔ پھر اس کو آصفہ پر غصہ آنے لگا۔

''کبھی کوئی صحیح مشورہ نہیں دیتی۔ ہمیشہ دوسروں پر چیزیں تھپتی ہے۔ نجانے آج اس بات ہو گی تو میں اس کے ساتھ کیا کروں گی؟''

جب رات کو آصفہ کا فون آیا تو اس کی خیر نہیں تھی۔

''تم ہمیشہ دوسروں پر فیصلے صادر کیوں کرتی ہو؟
دوسروں کو خود کام کیوں نہیں کرنے دیتی؟
کبھی تو کسی کو ڈھنگ کا مشورہ دے دیا کرو۔
ہمیشہ اپنی ہی مارتی رہتی ہو۔ بس ٹرین پر سوار ہو جاتی ہو تو پھر نہیں دیکھتی ہو آگے کیا ہے۔ بس چلتی ہی جاتی ہو۔
کوئی بندہ! دوسروں کا ہی خیال کر لیتا ہے۔
لیکن نہیں۔ دماغ میں فتور ہے کہ میں ہی دنیا کی عالم فاضل ہوں مجھ سے آگے کوئی نہیں۔ میں ہی ہمیشہ ٹھیک ہوں۔
کبھی دوسروں کی بھی سن لو۔ تو گناہ نہیں ہو جاتا۔''
پھر خود ہی آمنہ اپنے سوالوں کا جواب دینے لگی۔
پر کیوں سنے۔ اس کو کیا پتہ باہر کے حالات کیسے ہوتے ہیں۔
ورک کتنا مشکل ہے۔ اس میں کہاں کہاں سے گزرنا پڑتا ہے۔
اگر امی نہ ہوتی تو تم نے تو میرا دماغ اور خراب کر دیا تھا۔''
اس کی باتیں آصفہ نے بڑے صبر سے سنی۔ کیونکہ اس کو سننی تھی وہ اس کی بہن تھی اور اس کو اس کی مدد کرنی تھی۔ اس نے سانس لیا تو آصفہ ''تم نے کون سی میری بات مان لی تھی۔ میں جو کچھ بھی کہتی کرنا وہی تم نے تھا جو تمھارا دل چاہتا۔ میری کیا اوقات تھی۔''
''شکر ہے۔ میں نے تمھاری بات نہیں مانی۔ جب بھی مانی ہمیشہ نقصان ہی اُٹھایا ہے۔ کیونکہ عقل تو تم میں ہے ہی نہیں۔''
''تم نے میری کب مانی ہے۔ اگر کوئی مانی بھی ہے تو وہ بھی آدھی۔ پوری مانو۔ تو پتہ چلے میں ٹھیک ہوں یا غلط؟''
''ابھی آدھی مانتی ہوں تو میرا یہ حال ہے۔ پوری مانو تو پھر تباہ ہی ہو جاؤں گی۔''

’’اب کیا کرو گی تم۔‘‘

’’دوبارہ ہمت پیدا کر کے کام کروں گی۔ امی کے اس تجربے سے میرے اندر کافی ہمت آ گئی ہے۔ اگر تمھارے راستے پر چلتی تو بددلی سے کام کرتی۔ پھر وہ بھی غلط ہی ہونا تھا۔‘‘

’’جی جناب! مان لی۔ میں نے اپنی غلطی۔ تمھارا مسئلہ حل ہو گیا ہے۔ یہی میرا مقصد تھا۔ وہ پورا ہو ہی گیا کسی بھی طرح۔‘‘

’’تم تو اندھے کنویں میں پھینک رہی تھی۔ وہ تو امی نے حل کیا ہے۔‘‘

’’چلو! امی نے کر تو دیا۔ اب تم اللہ کا نام لو۔ اور کام شروع کر دو۔‘‘

’’عادت سے مجبور ہو۔ پھر کر دیا نہ فیصلہ صادر۔‘‘

’’چلو بابا! جیسے تمھارا دل چاہے وہی کر لینا۔‘‘

’’ظاہر ہے وہی کروں گی۔ تم سو جاؤ۔ میرا کام ہو گیا ہے۔

نہیں......نہیں ذرا ٹھہرو امی سے میری بات کرواؤ۔‘‘

وہ فون ماں کے پاس لے کر گئی۔ وہ بستر پر لیٹی ہوئی تھی۔ اس نے ماں کو فون دیا۔ خوشی سے آمنہ ’’امی آپ کا مشورہ بہت مفید تھا۔ اس نے میرا سارا مسئلہ ہی حل کر دیا ہے۔

آصفہ کو تو دیکھیں صرف اپنی ہی مارتی رہتی ہے اور اس کو کچھ نہیں آتا۔ آئی بڑی دادی اماں۔‘‘

’’بیٹا! وہ اپنی مارتی رہتی ہے۔ اس میں بھی وہ دوسروں کو ساتھ ہونے کا احساس تو دلوا دیتی ہے۔ جو بھی بہت بڑی بات ہے۔‘‘

ماں کی بات سن کر آمنہ کو بھی احساس ہوا کہ ایسا ہی ہے۔ حزن و ملال کے عالم میں آمنہ ’’جی امی آپ ٹھیک کہہ رہی ہیں۔‘‘

دونوں کافی دیر تک باتیں کرتی رہیں۔

☆......☆......☆

اب آمنہ نے دوبارہ کام کا فیصلہ کرلیا تھا۔اس میں اس کی ماں اور بہن نے بہت مدد کی تھی۔اس کے اس جذبے کو عروج پر لانے کا کام شیث نے کیا تھا۔اس کو سمسٹر باریک ہوئی۔

تو وہ اس کے پاس آ پہنچا۔وہ لیب سے ابھی اپنے کمرے کے دروازے پر پہنچی تھی کہ شیث آ گیا۔ وہ اس کو دیکھ کر بہت خوش ہوئی۔وہ اپنے ساتھ اس طرح کھانے بنا کر لایا تھا جیسے ماں بیٹی کے سسرال جاتی ہے۔دونوں نے منہ ہاتھ دھو کر کھانا کھانے لگے۔کھانے کے دوران شیث ''کیسی جارہی ہے تمھاری ریسرچ۔سنا ہے بڑی گڑ بڑ ہوگئی ہے۔''

برا سا منہ بنا کر آمنہ ''میرے سارے تجربات کے نتائج خراب آئے ہیں میں تو بڑی بددل ہوگئی تھی مگر امی کی وجہ سے دوبارہ شروع کردیں ہیں۔''

''کوئی بڑی بات نہیں تم ہمت کرو اور کام کرو۔پی ایچ۔ڈی میں ایسا ہوتا ہے ایسے تو نہیں وہ تم لوگوں کو اتنی بڑی ڈگری دے دیں گے۔''

صبح جب آمنہ اٹھ کر تیار ہونا شروع ہوئی تو شیث اُس کے لیے ناشتہ بنانا شروع ہو گیا تھا وہ اس کو منع کررہی تھی لیکن اس نے آمنہ کی ایک نہ سنی اس کے تیار ہونے سے پہلے ہی اس کے لیے ناشتہ بنا دیا۔ وہ ناشتہ کرکے انسٹیٹیوٹ چلی گئی۔اس نے کام اب بڑی لگن اور جذبے سے شروع کردیا تھا۔اس لیے وہ سارا دن کام میں ایسی کھوئی کہ اس کو وقت کا احساس بھی نہ ہوا۔تھکی ہاری جب گھر پہنچی تو شیث کھانا بنائے پہلے سے بیٹھا تھا۔جب آپ تھکے ہارے آؤ اور کھانا مل جائے تو لگتا ہے جیسے کوئی خزانہ مل گیا ہو۔

کھانا کھاتے ہوئے آمنہ ''کتنا اچھا لگ رہا ہے کھانا بنا بنایا مل گیا ہے سکون ہی سکون ہے۔ورنہ مجھے آکر کھانا بھی بنانا پڑتا تھا۔''

''تم بے فکر ہو کر کام کرو۔ماں بدولت تمھیں یہ سہولت پورے دس دن مہیا کریں گے۔تم بس خوش رہو۔''

اس کے پاس شیث کے آنے سے آصفہ بے فکر ہوگئی تھی۔وہ اس کو بہت کم فون کرتی تھی۔دونوں بہن بھائیوں کا وقت تو بڑے مزے کا گزر رہا تھا لیکن شیث دیکھ رہا تھا کہ آمنہ کس قدر مصروف رہتی ہے اس

کے پاس آرام کے لیے ایک دن بھی نہیں۔مگر وہ خاموش رہا۔ابھی اس کے واپس جانے میں کچھ دن تھے۔
ایک دن وہ گھر واپس آئی۔تو شیث آصفہ سے بات کرر ہا تھا۔وہ بھی پاس بیٹھ گئی۔اس کو دیکھ کر آصفہ۔

''شیث بتا رہا تھا کہ تم بالکل آرام نہیں کرتی کام اور صرف کام کرتی رہتی ہو۔کچھ اپنے لیے بھی وقت نکالو۔''

بس شیث کا لحاظ کرتے ہوئے آمنہ ورنہ اس نے تو آصفہ کو خوب سنانی تھیں۔

''اچھی بات ہے۔کام جلدی ہو جائے گا۔پہلے ہی بہت وقت ضائع ہو گیا ہے۔''

''جیسے تمھاری مرضی۔ہم تو صرف مشورہ ہی دے سکتے ہیں۔''

''وہ عامر کہہ رہا تھا کرونا ٹسٹ کی ایک جاب آئی ہے۔اس کی تنخواہ بھی بہت زیادہ ہے۔تم وہ نوکری کرو۔ایک سال میں تمھارے پاس بہت رقم جمع ہو جائے گی پھر آرام سے تم صرف کام کرنا۔''

اس سے پہلے کہ آصفہ بولتی پاس بیٹھا ہوا شیث۔

''تمھیں پیسوں کی کوئی خاص ضرورت نہیں۔اگر زیادہ ضرورت ہے تو مجھ سے لے لو۔مگر کام مت چھوڑو۔اپنی ڈگری ختم کرو۔تاکہ آگے بڑھ سکوں۔''

اس کی تائید کرتے ہوئے آصفہ۔

''شیث صحیح کہہ رہا ہے۔تم اس کی باتوں پر کان مت رکھا کرو۔بس اپنے کام سے کام رکھا کرو۔اس کا کام تو بولنا ہے۔''

''آپی آپ نے ٹھیک کہا۔یہ ہمیشہ دوسروں کو دیکھتی رہتی ہے۔کسی نے کچھ بھی کہہ دیا۔یہ اس کے پیچھے چل پڑی۔وہ اس کو بھی عقل دیں۔''

وہ شیث کے سامنے آمنہ کو کچھ نہیں کہنا چاہتی تھی اس لیے اچھے انداز میں۔

''تمھیں دوسروں کی باتیں نہیں سننی چاہئیں۔دوسروں کا کام ہے صرف اور صرف غلط مشورے دینا اور کچھ نہیں۔''

وہ بھی دونوں کی باتیں سن کر چپ ہو گئی تھی۔شیث

''آپی اگر کوئی کنواں میں چھلانگ لگانے کے لیے کہہ دے تو لگانے نہیں چل پڑنا چاہیے۔ بلکہ اس کی بات ایک کان سے سن کر دوسرے سے نکال دینی چاہیے۔ یہ ہی دنیا ہے۔''

''لیکن ہم ایسا نہیں کرتے بلکہ اس کو حرف آخر سمجھ کر عمل شروع کر دیتے ہیں۔''

دونوں کی تنقید کا یہ اثر ہوا کہ آمنہ نے صبح جا کر نہ کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ ورنہ وہ ہمیشہ ہی عامر کی باتوں میں آجاتی تھی۔

صبح جب وہ انسٹیٹیوٹ پہنچی تو وہ ہمیشہ کی طرح اس کو دیکھتے ہی فوراً آدھمکا پورے جوش و خروش کے ساتھ۔ عامر

''پھر میں تمھارے لیے بات کروں۔ بہت اچھی نوکری ہے۔ میں تو ہمیشہ دوسروں کا بھلا ہی کرتا ہوں۔ اس لیے تو تمھیں بتائی ہے۔''

''مجھے وہ نوکری نہیں کرنی۔''

''مگر کیوں۔''

''بس مجھے کام کرنا ہے۔ پہلے ہی میں نے بہت وقت ضائع کر دیا ہے۔ اب میرے پاس مزید وقت نہیں۔''

''کوئی وقت ضائع نہیں ہوگا۔ بلکہ ایک سال نوکری کرنے کے بعد تمھارے پاس اتنی رقم ہو جائے گی کہ پھر تمھیں مزید کام کرنے کی ضرورت نہیں ہو گی۔ تب تم اپنی ریسرچ مکمل کر لو گی۔''

''لیکن مجھے نہیں کرنی۔ سو نہیں کرنی۔''

وہ غصے سے وہاں سے چلا گیا۔ سارا دن اس نے آمنہ سے کوئی بات نہیں کی۔ اپنے ہی کیبن میں مقیم ہو گیا۔ آمنہ بھی کام کر کے واپس چلی گئی۔ اس کے اس سرد رویے کا یہ اثر ہوا کہ آمنہ نے شیث سے بات کی۔

''شیث نوکری اچھی ہے۔ صرف ایک سال کروں گی تو پورا ریسرچ ورک ختم ہو جائے گا اور مجھے کوئی فکر نہیں ہو گی۔''

غصے سے شیث ”کہانا......نہیں تو پھر نہیں۔“

یوں وقت گزر گیا شیث واپس جانے لگا تو اس کے جانے پر آمنہ اُداس تھی مگر اس کو پتہ تھا۔سب کو واپس جانا ہی پڑتا ہے لہٰذا اس مرتبہ بھی اس نے شیث سے کچھ نہیں کہا۔لیکن اس کا رویہ شیث کو بتا رہا تھا کہ وہ چاہتی ہے وہ نہ جائے۔

اس کے سر پر ہاتھ رکھ کر شیث ”سب کو زندگی کی گاڑی چلانے کے لیے ایک دوسرے سے الگ ہونا ہی پڑتا ہے یہ ہی وقت کا تقاضا ہے۔“

”میں نے تو کچھ نہیں کہا۔“

”ہر بات کہی نہیں جاتی۔کچھ بغیر کہے بھی آپ جان جاتے ہو۔“

وہ لیب پہنچی تو عامر ”آج منڈے ہے اور تم اس قدر تھکی تھکی لگ رہی ہو۔مجھے تمھاری روٹین دیکھ کر دکھ ہوتا ہے۔اس لیے کہہ رہا ہو کہ تم یہ جاب کر لو۔“

”تم میرے لیے پریشان نہ ہوا کرو۔نہ ہی میں نے کہا ہے کہ تم میرے لیے پریشان ہو سمجھے!“

”میں ہی پاگل ہوں جو آجاتا ہوں۔ورنہ تم جس طرح میرے ساتھ سلوک کرتی ہو۔کوئی اور ہو تو کبھی نہ آئے۔“

”تو نہ آیا کرو۔سنا تم نے۔“

اس کے جانے کے بعد آمنہ کو دکھ ہونے لگا وہ سوچنے لگی ”وہ میرے لیے اچھا سوچتا ہے۔دیکھو تو ذرا! تنخواہ بھی تو بہت زیادہ ہے۔ایک سال میں پانچ سالوں جتنا پیسہ کمایا جائے گا۔“

گھر پہنچی تو آصفہ کا فون آ گیا۔اس نے فوراً فون اُٹھایا۔اس نے ہیلو ہی کہا تھا تو اس کے بدلے ہوئے رویے کو دیکھ کر آصفہ۔

”کہیں تم نے نوکری کرنے کا فیصلہ تو نہیں کر لیا۔“

”تم صحیح سمجھی ہو۔میں نے فیصلہ کیا ہے۔میں کروں گی۔وہ بار بار میری منتیں کر رہا ہے۔جو مجھ پر اثر کر رہی ہیں۔“

''تم یہ نوکری نہیں کرو گی۔بس سمجھ میں آیا۔

تمھارا مسئلہ پتہ ہے کیا ہے؟

تمھیں نہیں کہنا آتا۔پہلے ہی تم نے اس قدر Suffer کیا ہے۔اب تو عقل کے ناخن لو۔''

''میں کیا کروں۔مجھ سے نو نہیں کہا جاتا۔خاص طور پر عامر کو۔''

''لیکن تمھیں کہنا پڑے گا۔تمھیں نو کہنا سیکھنا پڑے گا۔تب ہی تم ٹھیک ہو گی۔یہ نہیں کہ عامر نے کہا ہے تو کرنا لازم ہے۔کہا ہے تو کہتا رہے۔''

''اچھا!میں صبح نو کہہ دوں گی۔''

''ایک میری بات یاد رکھو۔ہمیشہ خود فیصلے کرتے ہیں۔یہ نہیں اس نے کہا ہے تو کرنا ہے یا اِس نے کہا ہے تو کرنا ہے۔تم ابھی بہت معصوم ہو۔''

''نہیں۔اب تو بہت تیز ہو گئی ہوں۔''

''یہ ہوئی ہو تم تیز۔عامر نے کہا ہے تو میں نوکری کر لوں۔''

''جب انسان کو تھوڑی سے بھی ڈھارس کا احساس ہوتا ہے تو اس کے اندر دبی ہوئی سب باتیں باہر کا راستہ ناپتی ہیں۔''

''تمھیں پتہ ہے جب میں یہاں آئی تھی تو حمزہ بھائی نے کہا تھا تم تالاب کی چھوٹی مچھلی کی طرح ہو۔جس کو اچانک دریا میں پھینک دیا گیا ہو۔اب اس کو پتہ نہیں کہ اب کیسے یہاں پر survive کرنا ہے۔یہاں پر ہر بڑی مچھلی اس کے شکار کے تعاقب میں بیٹھی ہے کہ اِس کو نگل جائے۔''

''صحیح تو اس نے کہا تھا۔تم ہی معصوم مچھلی ہو۔اب صبح اس کو جواب دے دینا۔''

''اس کی اب ضرورت نہیں۔وہ اب مجھ سے بات نہیں کرے گا۔''

''وہ......تم تو اس کی بات ہی نہ کرو۔وہ بڑا ڈھیٹ ہے صبح پھر آ جائے گا۔اگر وہ تمھیں نوکری دلوائے گا تو تم اس کی احسان مند ہو جاؤ گی۔پھر وہ تم سے اپنی منوائے گا۔''

''تم نے کہا نا۔اس لیے اگر وہ آیا تو انکار کر دوں گی۔''

اگلے دن وہ ابھی انسٹیٹیوٹ پہنچی تھی تو وہ آیا۔ مگر اس کے پاس نہیں آیا بلکہ اس کو نظر انداز کر کے چلا گیا۔ آمنہ کو یوں اس کا نظر انداز کرنا برا لگا۔ بلکہ یوں کہنا بہتر ہو گا آمنہ کو تکلیف ہوئی۔

شام کو جب آصفہ کا فون آیا تو آمنہ۔

''میں نے کہا تھا نا۔ وہ نہیں آئے گا۔ وہ انسٹیٹیوٹ تو آیا مگر مجھ سے اس نے بات نہیں کی۔ بلکہ اس کا رویہ میرے لیے تکلیف دہ تھا۔''

''وہ اداکاری کر رہا ہے۔ تاکہ تم نوکری کے لیے مان جاؤ۔ کوئی بات نہیں۔ ایک ہفتے بعد پھر آ جائے گا۔ تم صرف اپنا کام کرو۔''

''وہ تو میں کر رہی ہوں۔''

''مگر نوکری مت کرنا۔ یہ میں تمھیں بار بار کہہ رہی ہوں۔''

''ٹھیک ہے نہیں کرتی۔''

''صرف کام کرو جو بہت ضروری ہے۔''

ابھی ہفتہ بھی نہیں گزرا تھا کہ وہ اس کے پاس آ دھمکا۔

''نوکری کرلو۔ بہت اچھی اس سے جو تم اتنا ذلیل ہو رہی ہو۔ اس سے بچ جاؤ گی۔ تمھارے پاس سیونگ بھی ہو جائے گی۔''

''نہیں چاہیے مجھے تمھارا مشورہ۔ اور نہیں کرنی مجھے یہ نوکری۔''

''میں ہی پاگل ہوں جو آ جاتا ہوں۔ مجھے تمھیں کہنا ہی نہیں چاہیے تھا۔ لیکن پتہ نہیں کیوں آ جاتا ہوں۔''

وہ چلا تو گیا تھا لیکن وہ چاہتا تھا کہ ہر صورت نوکری کر لے۔ اس لیے اس نے اپنی دوست امل کو کہا کہ وہ آمنہ کو اس نوکری کے لیے راضی کر لے۔ اس نے آمنہ کو فون کیا۔ آمنہ اس کا فون دیکھ کر حیران ہو گئی تھی۔ وہ اس کو فون صرف کام کے وقت کرتی تھی۔ اس کا نمبر دیکھ کر آمنہ سمجھ گئی ضرور اس کو کوئی نہ کوئی کام ہو گا جس کے لیے وہ اس کو فون کر رہی ہے۔ آمنہ نے جلدی سے فون اٹھایا۔

''کیسی ہو؟ کوئی کام ہے جو فون کیا ہے؟''

''نہیں آج تو تمھارے لیے خاص فون کیا ہے۔ میں کرونا ٹیسٹ کرنے والی جگہ کام کر رہی ہوں بہت اچھی جاب ہے تم بھی کرلو۔ میں نے سب سے پہلے تمھیں یہ بتایا ہے۔ کیونکہ مجھے پتہ ہے۔ تم کتنی محنتی اور اچھی لڑکی ہو۔''

''نہیں...... مجھے نہیں کرنی۔ آج کل میں ریسرچ پر فل توجہ دے رہی ہوں اب میں اس کو ختم کرنا چاہتی ہوں۔ میں جاب صرف ہفتے اور اتوار کو کرتی ہوں اور یہ پورے ہفتے کی ہے۔ میں انسٹیٹیوٹ سے اتنی لمبی چھٹی Effort نہیں کر سکتی۔ شکریہ! تم نے میرے لیے تکلیف کی۔''

''میں تو تمھیں اچھی آفر دے رہی تھی۔ لیکن جیسے تمھاری مرضی۔''

اس کو فون کرنے کے لیے فون کیا اور اس کو باہر کھانے پر بلایا۔

رات کو آمنہ نے آصفہ کو بتایا'' آج امل کا فون آیا تھا۔ وہ بھی مجھے اس جاب کے لیے Insist کر رہی تھی۔ لیکن میں حیران ہوں۔ وہ ایک سال سے نوکری کر رہی ہے اور اب اس کو میرا خیال کیوں آیا ہے۔ اگر میں اتنی اس کو عزیز تھی یا وہ میری اتنی ہی خیر خواہ تھی تو پہلے کیوں نہیں سوچا؟''

''شکر ہے۔ تمھیں بھی پتہ چل گیا۔ یقیناً عامر نے کہا ہو گا۔''

''مجھے بھی لگتا ہے اس نے بھی اسی ماہ سے یہ جاب شروع کی ہے۔''

اس سے متفق ہوتے ہوئے آصفہ۔

''خود تو اس نے ریسرچ کر لی ہے۔ اب رائٹ اپ کر رہا ہے۔ بہت ڈرامے باز ہے۔ پہلے اس کی وجہ سے تمھاری ریسرچ نہیں ہو پائی اور اب تمھیں الجھا رہا ہے۔''

''پہلے مجھے کہتا تھا کہ وہ میرے ساتھ تجربات کا سارا کام کرے گا۔ مجھے سب سکھا دے گا۔ لیکن ہوا کیا؟ کچھ بھی نہیں۔''

''اس لیے اب تم اس کی کوئی بات نہیں مانو گی سمجھی؟

نہ ہی اس کے کسی ڈرائیلاگ میں آؤں گی۔ وہ نہیں چاہتا کہ تمھارا کام ہو۔''

فون بند کر کے آمنہ اپنے کاموں میں لگ گئی تھی اور آصفہ لیٹی تو سوچنے لگی'' بدگمانی اچھی نہیں۔

پتہ نہیں اس کی یہ پلاننگ ہے یا نہیں۔'' پھر خود کو خود ہی جواب دیتے ہوئے ''اس نے ماضی میں کچھ کیا ہے اس لیے اور اس طرح آمنہ کو بھی سکھانا ہے۔ ورنہ یہ کوئی پھر بڑا بلنڈر مارے گی۔ ابھی معصوم ہے۔''

دونوں امل اور عامر کھانا کھا رہے تھے تو امل۔

''اس نے نوکری سے انکار کر دیا ہے۔ تم نے مجھے کیوں کہا؟ خود تم نے اُس کو کیوں نہیں کہا''

''اس لیے کہ تم بھی لڑکی ہو اور وہ بھی لڑکی ہے ایک دوسری کو بہتر جانتی ہو اور ایک دوسری پر اعتماد کرتی ہو۔ یہ ہی خامی ہے پاکستانی لڑکیوں کی لڑکوں کو خاطر میں نہیں لاتی ہو۔''

''تمھاری بات پر یقین تو نہیں آتا۔ یہاں کون خیال رکھتا ہے کہ یہ لڑکی ہے اور وہ لڑکا۔ اس سے بات کرنی ہے اور اس سے نہیں کرنی۔''

''تم نے اس کو دیکھا نہیں۔ ابھی تک سکاف پہنتی ہے کسی لڑکے سے اس کی دوستی نہیں ہے۔ صرف کام سے کام رکھتی ہے۔''

سوچتے ہوئے امل ''دل تو نہیں مان رہا۔ لیکن تمھاری بات میں دم ہے۔ بہر حال اُس نے انکار کر دیا ہے میں نے اس کو کافی سمجھایا تھا۔''

''ایک مرتبہ پھر کوشش کرنا۔ شاید وہ مان جائے۔''

''اگر نہیں کرتی تو نا کرے۔ تمھیں کیوں اس کی فکر ہو رہی ہے۔''

''اس لیے کہ مجھے سب کی فکر ہوتی ہے۔ میں سب کے ساتھ اچھا کرتا ہوں۔''

''یقین تو نہیں آتا۔ لیکن چھوڑو۔ تم صرف اپنی فکر کرو۔ وہ نہیں کرے گی۔''

دل میں عامر ''وہ ضرور کرے گی۔ میں اس سے کرواؤں گا۔''

اس کو کتنے معصوم انداز میں کہہ رہا تھا۔ حالانکہ خود اس کو کئی بار کہہ چکا تھا۔ وہ بھی اس کی دوست تھی یقین تو اس کو بھی نہیں آ رہا تھا۔ ایک ہفتہ تو نوکری کی وجہ سے وہ انسٹیٹیوٹ نہ جا سکا۔ پھر ایک دن گیا تو وہ لیب میں کام کر رہی تھی۔ بڑے اچھے انداز میں۔

''بیٹھو ذرا اور میری بات سنو۔ تم سارا ہفتہ لیب میں کام کرتی ہو پھر دو دن نوکری کرتی ہو۔

تھکاوٹ کو بھی سائیڈ پر رکھو۔

لیکن سوچو! ایک سال کا کام پھر ریسرچ کے دوران نو کام۔ صرف ریسرچ ورک۔ تم خود سوچو! کتنا اچھا کام ہو گا وہ بھی جلدی۔

کیونکہ ابھی تم دو حصوں میں بٹی ہوئی ہو۔ حالانکہ ہفتے کے یہ دو دن آرام کے ہوتے ہیں۔ اس میں بھی تم نوکری کرتی ہو۔

اس کے ساتھ پورے ہفتے کا کھانا بھی بناتی ہو۔ کپڑے بھی دھوتی ہو اور صفائی بھی کرتی ہو۔

دوسری طرف تمھارا کام بھی ٹھیک نہیں ہو پا رہا۔ پہلے بھی سارے رزلٹ غلط آئے ہیں دوبارہ سارا کر رہی ہو۔''

''پہلے بھی تمھاری وجہ سے غلط آئے ہیں۔ لیکن کر تو رہی ہوں۔''

اس نے اس کی پہلی بات کو نظر انداز کیا اور دوسری پر توبہ دی۔

''یہ کرنا نہ کرنا برابر ہے۔ جب رزلٹ ہی کچھ نہیں آنا۔ تم اس کا تذکرہ کسی سے مت کرنا۔ خود سوچ کر فیصلہ کرو۔ تمھیں میری بات میں دم لگے گا اور تم صحیح فیصلہ کرو گی مجھے یقین ہے۔''

وہ سوچنے لگی۔ عامر کو لگا کہ تیر نشانے پر جا رہا ہے۔ وہ پھر شروع ہو گیا۔

''میرا مقصد تمھارے ساتھ اچھا کرنا ہے۔ تا کہ تم اچھے طرح کام کر سکو۔ مجھے دیکھو۔ پہلے ایک کام کیا ہے۔ پھر اب نوکری کر رہا ہوں۔ جب انسان ایک وقت میں ایک کام کرتا ہے تو ہمیشہ بہترین رزلٹ آتے ہیں۔ ویسے بھی میں Experiements میں تمھاری مدد کروں گا''

فوراً آمنہ ''پہلے کی طرح۔ پہلے بھی تمھاری وجہ سے میرا کام نہیں ہوا۔''

''جی ہاں ڈال دو میرے سر پر یہ الزام بھی۔ میں لینے کو تیار ہوں۔ بس تم یہ نوکری کر لو۔''

غصے سے آمنہ ''تمھیں بھی پتہ ہے۔ میں الزام نہیں لگا رہی ہوں یہ سچ ہے۔''

''میں تم سے اس وقت کوئی بحث نہیں کرنا چاہتا۔ تم ٹھیک ہو۔ یہ نوکری تمھارے لیے بہت اچھی ہے۔ تم بس سال کے بعد بے فکر ہو کر سارا کام کرو گی۔ تب تم میری نیک جانو گی۔''

"پہلی بھولو گی تو نہ۔"

آصفہ سے بات کرتے ہوئے آمنہ "اس نے آج مجھے اتنی لوجک سے سمجھایا ہے کہ میرا دل چاہتا ہے نوکری کرلوں۔اس کی بات میں وزن ہے۔"

"پھر تم اس کی باتوں میں آ گئی ہو۔میں تمھیں سکھاتی ہوں کہ تم نے نہیں کرنی۔ پھر تم اس کی باتیں سن کر بدل جاتی ہو۔"

"وہ لیچڑوں کی طرح پیچھے ہی پڑ جاتا ہے۔آج تو اس نے میرا دماغ ہی کھالیا۔تو میں نے سوچا ہے کہ کرلوں۔ پھر اتنے زیادہ پیسے ملیں گے۔آگے تین سال آرام سے گزر جائیں گے۔"

وہ دونوں بات کر رہی تھیں کہ شیث کا درمیان میں فون آ گیا تھا۔آصفہ نے آمنہ کو اس کو ایڈ کرنے کے لیے کہا۔جیسے ہی وہ ایڈ ہوا آصفہ "سنا؟ تم نے اس نے پھر دوبارہ نوکری کا رونا رونا شروع کر دیا ہے۔"

نوکری کا سنتے ہی شیث کو غصہ آ گیا "تمھیں سمجھ کیوں نہیں آتی۔تمھاری ڈگری زیادہ اہم ہے۔اس نوکری کی نسبت بہتر ہے تم مجھ سے پیسے لے لو۔مگر اپنا قیمتی وقت ضائع مت کرو۔میں تو تمھاری اس نوکری کے حق میں بھی نہیں ہوں۔میں چاہتا ہوں کہ تم پہلے ڈگری مکمل کرو پھر نوکری کرنا۔"

"بس ایک سال کی بات ہے پھر کروں گی۔"

"جب تم ایک سال اپنے اصل کام سے ان ٹچ نہیں رہو گی تو۔کیا تسلسل ٹوٹ نہیں جائے گا۔دوسرا یہ بتاؤ کہ تمھارے لیے پیسہ اہم ہے یا ڈگری۔"

جلدی سے آمنہ "ڈگری۔ظاہر ہے اہم ہے۔"

غصے سے شیث "میں ظاہر وہر کو نہیں جانتا۔صرف یہ جانتا ہوں کہ تمھارے لیے اہم ہے وہ کرو۔"

درمیان میں آصفہ بول پڑی "وہ عامر ہے اس نے اس کا دماغ خراب کیا ہوا ہے۔روز کوئی نہ کوئی پٹی پڑھا دیتا ہے۔"

"یہ ہوتا کون ہے۔فیصلہ تم نے کرنا ہے یا اس نے۔مجھے یہ سمجھ نہیں آتی۔تم اس کی بات سنتی کیوں۔ایک نمبر کا فراڈ یہ ہے وہ۔مجھ سے آئندہ اس کی بات مت کرنا۔" دونوں چپ ہو گئیں۔ان کو سمجھ

آ گئی کہ بھائی کو غصہ آ گیا ہے۔ چونکہ ہفتہ بھر عامر انسٹیٹیوٹ نہیں آیا تھا۔ اس دوران آصفہ کو بھی آمنہ کو عامر کو نہیں کہنے کے لیے تیار کرنے کا موقع مل گیا تھا۔ صرف پہلی مرتبہ نہیں کہنا مشکل ہوتا ہے۔ پھر گاڑی شروع ہو جاتی ہے۔ بس ہمیشہ پہلا کام ہی مشکل ہوتا ہے پھر انسان چل پڑتا ہے۔ آصفہ نے آمنہ کو مکمل طور پر تیار کر لیا تھا کہ چاہے عامر اس کو جو بھی دلائل دے۔ وہ یہ نوکری نہیں کرے گی۔ دوسرا اس نے شیث کا غصہ بھی دیکھ لیا تھا۔ ہمیشہ کوئی بھی کام ہو۔ اس کو کرنے میں بہت عناصر شامل ہوتے ہیں۔ اس لیے آمنہ کے بھی نہیں کہنے میں بہت سے عناصر تھے۔ ایک شیث کا غصہ بھی تھا۔ دوسری طرف آصفہ بے چاری جو ایک ہفتے سے اس کو تیار کر رہی تھی۔ ایک ہفتے کے بعد عامر انسٹیٹیوٹ آیا۔ تو وہ لیب میں کام کر رہی تھی۔

''کیا فیصلہ کیا تم نے؟''

''مجھے نہیں کرنی یہ نوکری۔''

''اس میں تو تمھارا فائدہ ہی فائدہ تھا۔ اس کے بعد تمھارے پاس اتنی رقم ہونی تھی کہ آرام سے لیب ورک کر سکتی تھی۔''

''میرے پاس جتنا ہے اتنا ہی کافی ہے۔ مجھے کون سے گھر پیسے دینے ہوتے ہیں۔ جو میں اپنا سال ضائع کروں۔''

''میں پوچھتا ہوں کہ تم کرو گی یا نہیں۔''

''نہیں کرنی مجھے۔''

اس کے لیے آمنہ کا اس طرح نا کرنا۔ عجیب تھا وہ اُمید بھی نہیں کر سکتا تھا کہ وہ اس کو بھی نہیں کر سکتی تھی۔

''دوبارہ سوچ لو۔ میں دوبارہ نہیں پوچھوں گا۔''

''کہہ دیا نہ۔ نہیں کرنی۔ سو نہیں کرنی۔''

''میں ہی پاگل ہوں۔ جو آ جاتا ہوں تمھاری ہمدردی میں۔ مجھے تمھیں کہنا ہی نہیں چاہیے تھا۔''

''تو مت کہو۔ کس نے تمھیں پیغام بھیجا ہے کہ تم مجھے کہو۔''

''صرف تمھاری فکر تھی۔اس لیے کہا تھا۔''

''نہ کیا کرو میری فکر۔''

''آئندہ نہیں کروں گا۔''

''شکریہ!مہربانی ہوگی۔''

وہ چلا گیا اس کے جانے کے بعد آمنہ خود سے ''آخر کار مجھے ''نو'' کہنا آ گیا۔''

وہ وہاں سے جانے کے بعد سوچنے لگا۔''یہ اس میں تبدیلی کیسے آئی ہے یہ تو بالکل پاگل سی تھی۔ کسی چیز کے لیے ''نو'' کہتی ہی نہیں تھی۔بس ایک دو مرتبہ insist کرو تو کر لیتی تھی۔اب نجانے اس کو کیا ہو گیا ہے۔اس کو تو صرف پاگل بنا کر بڑے بڑے کام کیے جا سکتے تھے۔''

رات کو جب آصفہ سے بات ہوئی تو آمنہ۔

''آج وہ آیا تھا۔میں نے بھی اس کو صاف صاف انکار کر دیا کہ میں جاب نہیں کروں گی۔''

''اس نے کچھ نہیں کہا۔''

''بہت کچھ۔زیادہ تر تو پرانے ڈائیلاگ تھے۔میرے فائدے بھی گنوائے اس نے۔لیکن میں نہیں مانی۔''

خوش ہو کر آصفہ ''یعنی finaly تمھیں ''نہیں'' کہنا آ ہی گیا۔اب تم جیت جاؤ گی۔''

''زیادہ خوش ہونے کی ضرورت نہیں۔میں ابھی اتنی بھی بہادر نہیں ہوئی۔وہ تو تمھاری ہفتہ بھر کی کاؤنسلنگ تھی اوپر سے وہ ہفتہ بھر نہیں آیا تھا۔اس لیے بھی ''نہیں'' کہنے میں کامیاب ہو گئی ہوں۔''

''چلو!تم نے پہلا قدم تو اٹھایا۔باقی منزل بھی ایک دن آ جائے گی۔دیکھنا تم سب کچھ کر لو گی۔''

''تمھارا لیب ورک کیسا جا رہا ہے۔''

''کام کر رہی ہوں۔کچھ سیمپل بھیجے ہیں۔دیکھو کیا نتائج آتے ہیں۔میں تو کام کر رہی ہوں۔ آج بھی اسی وجہ سے دیر سے فون اٹھایا تھا۔لیب سے ہی رات کو آٹھ بجے نکلی ہوں۔''

''کل سے تم جب لیب سے ہی نکلو گی۔میں تمھیں فون کر لوں گی۔اتنی رات کو لیب میں رہنا

ٹھیک نہیں ہے۔ میں تمھارے ساتھ نہ سہی لیکن تھوڑا بہت سہارا تو فون سے دے سکتی ہوں۔ لیکن کوشش کیا کرو شام سے پہلے نکل آؤ۔"

"تم ٹھیک کہتی ہو۔ کل سے کوشش کروں گی۔"

☆......☆......☆

ناشتے کی میز پر روبینہ بیگم

"شکر ہے آمنہ کا کام تو شروع ہوا۔"

"امی آپ کہہ رہی ہیں شروع ہوا۔ وہ تو عروج پر ہے رات رات تک کام کرتی ہے انشاءاللہ جلد منزل تک بھی پہنچ جائے گی۔"

"ضرور...... کیوں نہیں۔ تمھاری اس سے دوستی ہے اس لیے۔ میں تم سے کہہ رہی ہوں۔ اس کو زیادہ سے زیادہ وقت دو۔ اگر وہ اکیلی ہوئی تو اب بہت بڑا بلنڈر مارے گی کہ وہ واپس نہیں آ پائے گی۔"

"امی آپ فکر ہی نہ کریں۔ میں ہر وقت اس کے ساتھ in-touch رہتی ہوں۔ اس کو احساس دلاتی ہوں کہ میں تمھارے ساتھ ہوں۔"

اگلے دن ابھی وہ لیب میں کام کر رہی تھی کہ آصفہ کا فون اس کو آ گیا۔ جیسے ہی فون کی گھنٹی بجی تو اس کو احساس ہوا کہ اس کے جانے کا وقت ہو گیا ہے ورنہ وہ سارے دن کام میں مصروف تھی مگر اس کو پتہ بھی نہیں چلا تھا۔ کہاں سے دن آیا اور کہاں گیا۔ بس یہی کچھ ہوتا ہے اس کام کے ساتھ جو لگن سے کیا جائے۔ اردگرد کی ہوش کہاں رہتی ہے۔ انسان صرف کام کا ہو کر رہ جاتا ہے۔ اس نے فون اٹھایا۔ تو آصفہ "ابھی نکلی نہیں ہو۔"

"بس نکلنے لگی ہوں۔ تم نے اطلاع دے کر بتایا ہے رات ہو گئی ہے۔ ورنہ مجھے کہاں احساس ہونا تھا کہ رات آ گئی ہے۔ پرندوں کا گھونسلوں میں جانے کا وقت ہو گیا ہے۔"

"یعنی میں واپسی کا راستہ بتانے لگی ہوں۔" ہنس کر آصفہ اس سے۔

"جی جناب! تم فون بند مت کرنا اور سارا سامان سمیٹ لو۔"

فون بند کیے بغیر آمنہ نے سارا سامان اکٹھا کیا اور گارڈ کو چابیاں دیں اور باہر نکل آئی۔ ابھی سورج کی کچھ کرنیں باقی تھیں شام ہونے میں۔ اندھیرا چھانے سے پہلے پہلے وہ آصفہ سے بات کرتی کرتی شاپ پر پہنچ گئی تھی۔

جب تک وہ کمرے میں نہیں پہنچی وہ اس سے باتیں کرتی رہی تھی۔

جیسے ہی وہ کمرے میں داخل ہوئے آمنہ۔

''اب میں پہنچ گئی ہوں۔ میں منہ ہاتھ دھو کر کھانا کھاتی ہوں۔ تم بھی اب آرام سے سو جاؤ۔''

اب آصفہ کی روز کی روٹین بن گئی تھی۔ وہ شام سے تھوڑی دیر پہلے آمنہ کو فون کر لیتی تھی۔ اس کو شام ہونے کا احساس دلاتی دوسرا وہ سارے راستے اس سے بات کرتی جاتی تھی۔ کمرے میں پہنچ کر اس کو خدا حافظ کر کے آمنہ کھانا کھاتی اور آصفہ سو جاتی تھی۔ ایک دن آصفہ اپنے کام میں بہت مصروف تھی۔ وہ جو سوٹ بنا رہی تھی اس کی پینٹنگ میں اس کو مزہ آرہا تھا۔ اس کو آمنہ کا خیال آیا تو اس نے سوچا ''یہ تھوڑا مکمل کر لو پھر کرتی ہوں۔''

یوں کرتے کرتے اس نے دو تین گھنٹے اوپر گزار دیئے۔ اچانک رنگوں سے کھیلتے کھیلتے اس کی نظر دیوار پر لگی گھڑی پر پڑی تو اس کی آنکھیں گھڑی پر جم گئیں پھٹی پھٹی آنکھوں سے اٹھی فون اٹھایا اور آمنہ کو ملایا۔ وہ بھی کام میں مگن کام کر رہی تھی۔ گھنٹی بجی تو اس نے فون اٹھایا بغیر ارد گرد دیکھے کہ کیا وقت ہوا ہے۔ آصفہ اس سے ''تم کہاں ہو؟''

''کہاں ہونا تھا۔ ظاہر ہے لیب میں۔ تمھاری گھنٹی بتاتی ہے وقت کیا ہوا ہے۔ میں وقت نہیں دیکھتی۔''

''رات تو کافی ہو گئی ہے۔''

''اچھا لیکن مجھے پتہ نہیں چلا۔''

''چھوڑو اب کام۔ اور جلدی سے یہاں سے نکلو۔''

''نہیں ابھی سیمپل لگائے ہوئے ہیں یہ مکمل ہوتے ہیں تو پھر ورنہ اگر ان کو اس طرح چھوٹ کر

جاتی ہوں تو خراب ہو جائیں گے۔''

''ضروری ہیں تو فون آن رہنے دو۔ اور کام کرتی رہو۔''

اس نے فون بند نہیں کیا آصفہ آمنہ کو کام کرتے دیکھتی رہی اور وہ کام کر رہی تھی۔ تھوڑی دیر بعد آصفہ ''کتنا کام ہو گیا ہے۔''

''ابھی کافی باقی ہے۔'' پھر تھوڑی دیر کے بعد ''میری بہن تو بڑی بہادر ہے۔ پھر تھوڑی دیر کے بعد ''تم بڑی لگن سے کام کرتی ہو۔'' یہ سب الفاظ اس کو ہمت دلا رہی تھیں اور رات کی تاریکی کے احساس سے اس کو دور رکھے ہوئے تھیں۔ کیونکہ انسان خوفناک حد سے تو بچ جاتا ہے لیکن خوف سے مر جاتا ہے۔ کیونکہ سوچ میں بڑی طاقت ہے وہ پتھر ہلا دیتی ہے۔ یہی وجہ تھی آمنہ کی سوچ میں کوئی خوف نہ تھا اور وہ رات کے دس بجے تک اکیلی لیب میں کام کرتی رہی۔ اس کو بھی لاشعوری طور پر لگ رہا تھا کہ وہ اکیلی نہیں ہے اس کے ساتھ کوئی ہے۔

اس سوچ سے آصفہ کو کہیں وہ ڈر نہ جائے آصفہ تھوڑی دیر بعد۔

''کام تو ہو رہا ہے نا۔''

''بالکل ہو رہا ہے۔'' وہ ساتھ ساتھ وہ کیمیکل ناپ کر سمپل میں ڈال رہی تھی۔

اس کو حوصلہ دینے کے لیے آصفہ ''تم بھی اپنے کام کی بڑی پکی ہو۔ بڑی لگن سے کام کر رہی ہو۔''

''آمنہ، میں تو لگن سے کر رہی ہوں لیکن اچھا ہو تو پھر۔''

''سب ٹھیک ہو گا تم بے فکر ہو جاؤ۔''

وہ سمپل میں کیمیکل ڈال کر بیٹھی ہوئی تھی اور اس کے اترنے کا انتظار کر رہی تھی اور آصفہ اس کو باتوں میں الجھا کر رکھے ہوئے تھی تاکہ وہ انتظار کوفت کا تجربہ نہ کر سکے۔ ایک تو وہ انسٹیٹیوٹ میں اکیلی تھی سوائے گارڈ کے۔ دوسرا رات کافی ہو گی تھی وہ تھک بھی گئی تھی۔ اگر وہ ذرا بھی ارد گرد کو دیکھتی تو بری طرح گھبرا جاتی جو اس کے لیے بہت برا تھا۔ آصفہ ''تم تھک گئی ہو۔''

''جی ہاں، ظاہری سی بات ہے میں نے پورا ہفتہ کام کیا ہے۔''

اسی طرح باتوں میں آمنہ کو احساس ہوئے بغیر آخری سیمپل بھی ختم ہو گیا تو آمنہ خوشی سے ''آج کا سارا کام ہو گیا ہے۔''

''گڈ ہو گیا، اب تم سامان پکڑو اور یہاں سے نکلو۔ فون مت بند کرنا۔''

اس نے بہن کی بات پر عمل کیا اور فون بند کیے بغیر گارڈ کو چابیاں دیں اور باہر نکلی۔ انسٹیٹیوٹ چونکہ ویرانے میں تھا راستہ سنسان تھا وہ باتیں کرتی جا رہی تھی اِس لیے اس کو نہ تو ویرانے اور نہ ہی اندھیرے کا خوف محسوس ہوا۔ اس کی توجہ صرف بہن کی باتوں پر تھی۔ اس لیے وہ بغیر ڈر خوف کے سٹاپ پر پہنچ گئی۔ آج بس بھی فوراً مل گئی تھی۔ بس میں بیٹھ کر آمنہ ''آج میں نے بہت کام کیا۔ مگر تم ساتھ تھی تو راستہ بھی آسانی سے کٹ گیا۔ کسی نے سچ کہا ہے ایک اکیلا اور دو گیارہ ہوتے ہیں۔''

یوں فون پر ہی باتیں کرتے کرتے آمنہ کمرے میں پہنچ گئی۔ پھر اس نے فون بند کر دیا۔ آمنہ کھائے پیئے بغیر بستر پر لیٹی اور سو گئی۔

☆......☆......☆

بے جا کام کا اثر آمنہ کی صحت پر ہونا شروع ہو گیا تھا۔ اس کو اب ہلکا ہلکا بخار ہونا شروع ہو گیا تھا۔ آصفہ اس سے۔

''تم ہفتے میں ایک دن آرام کے لیے چھٹی کر لیا کرو۔ ورنہ بہت زیادہ بیمار ہو جاؤ گی۔ یہ ہلکا ہلکا بخار اچھا نہیں ہوتا۔''

''مجھے ڈر لگتا ہے اگر چھٹی کی اور کمرے میں رہی تو مجھے ڈپریشن کا (دورہ) پڑا تو کیا ہو گا۔ میں نے بڑی مشکل سے اس کو ختم کیا ہے۔''

''یہ تمھارا حد سے زیادہ جسمانی کام بھی تمھیں بہت زیادہ بیمار کر دے گا۔ پھر تمھارا سارا کام رُک جائے گا۔''

''کچھ بھی نتائج ہوں میں چھٹی نہیں کر سکتی۔'' اپنی حالت کو سوچتے ہوئے جیسے وہ ڈر سی گئی تھی۔

''کھانا تو صحیح کھایا کرو۔ کچھ پھل اور ڈرائے فروٹ لو۔''

''پھل اور دودھ لیتی ہوں ساتھ پستہ اور کاجو بھی کھا رہی ہوں۔''

''یہ اس کا ہی نتیجہ ہے ورنہ تم اس قدر کام نہ کر رہی ہوتی۔اب تک بستر پر پڑی ہوتی۔''

''مجھے کام جلدی جلدی ختم کر کے یہاں سے جانا ہے۔کیونکہ مجھے اب بھی ڈپریشن ہو جاتا ہے۔ اگر میں پانچ منٹ بھی فارغ رہوں۔''

''عامر تو اب نہیں آتا۔''

''شکر ہے نہیں آتا ورنہ اس کو دیکھ کر مجھے زیادہ ڈپریشن ہونے لگتا ہے۔وہ نہیں آرہا۔اس لیے تو ٹھیک ہوں۔''

''وہ مجھے اپنی باتوں میں الجھا لیتا ہے۔''

''ایسے لوگوں کی باتیں نہیں سننی چاہئیں۔''

''یہاں کوئی بات کرنے والا نہیں ہے وہی تو ہے۔اس لیے اس کی بات سن لیتی ہوں۔''

اور وہ اس کا ناجائز فائدہ اٹھاتا ہے۔

''اس کی گپیں تو ایک عام انسان کا بھی دماغ خراب کر دیتی ہیں۔''

''کل ڈاکٹر کی Appointment ہے دیکھو۔وہ کیا کہتا ہے۔''

''اس نے کیا کہنا ہے یہ ہی کہ آرام کرو۔''

اگلے دن وہ ڈاکٹر کے پاس گئی ڈاکٹر لڑکی تھی۔اس نے اس کا معائنہ کیا۔اس سے روٹین پوچھی۔ اس کی اس حد تک مصروفیات سن کر۔جس میں آرام کے لیے کہیں وقت نام کی کوئی چیز نہ تھی۔اس کو ذرا سخت لہجے میں جتنی ان کو آزادی تھی۔ہمارے ملک میں تو ڈاکٹر برس پڑتے ہیں۔یہاں پر تو جس کا تھوڑا مقام ہے وہ دوسرے کو کیڑے مکوڑوں کی طرح کچل دیتا ہے۔

Take time to rest, otherwise you will get ill seriously.

you are physically fit, no need any medici

(آرام کے لیے وقت نکالو۔ورنہ تم شدید بیمار ہو جاؤ گی تم جسمانی طور پر صحت مند ہو، میڈیسن

کی تمھیں ضرورت نہیں)

وہاں ڈاکٹر کوئی دوائی نہیں دیتا بغیر مرض کے۔ اس لیے ڈاکٹر نے اس کو دوائی نہ دی۔ حالانکہ وہ چاہتی تھی کہ وہ اس کو کچھ ملٹی وٹامن لکھ دے۔

رات کو آصفہ سے بات ہوئی اور اس نے ڈاکٹر کا پوچھا تو وہ کہنے لگی۔

''اس نے کہا ہے۔ اتنا کام چھوڑ دو۔ ورنہ مر جاؤ گی۔''

''بالکل ٹھیک کہا ہے۔ تم بھی تو مشین کی طرح کام کر رہی ہو۔ جیسے کل کا دن کبھی نہیں آنا۔ آتی ہو تو تمھیں کھانے پینے کی بھی ہوش نہیں رہتی۔ جہاں گرتی ہو وہاں پر ہی سو جاتی ہو۔ یہ کام نہیں خودکشی ہے۔''

''اچھی بات نہیں زندگی سے جان چھوٹ جائے گی۔''

جلدی سے آصفہ ''تم پھر شروع ہونے لگی ہو۔ بہتر ہے تم آرام کرو۔ مجھے یہ باتیں نہیں سننی۔''

اس سے فون بند کر کے آصفہ نے شیث کو فون کیا۔ یہ جاننے کے لیے کہ کیا وہاں رہ کر کام کرنا اتنا ہی ضروری ہے۔ کہیں وہ پہلے اس کی طرح پر دھونس تو نہیں مار رہی۔

''شیث! تم بھی آمنہ کی طرح سارا ہفتہ کام کرتے ہو۔''

''نہیں آپی میں ہفتہ اور اتوار کام نہیں کرتا۔ کیونکہ مجھے پتہ ہے انسان کو کام ساری زندگی کرنا ہے اگر اس قدر بوجھ ابھی ڈالوں گا تو پھر آگے تو تھک جاؤں گا۔ چلنے کے بھی قابل نہیں رہوں گا۔''

''تم ٹھیک کہتے ہو جو گھوڑے شروع میں تیز بھاگتے ہیں وہ آخر میں ہار جاتے ہیں۔ مگر اس کو کون سمجھائے کہ محنت کب کرنی ہے اور کب نہیں۔ وہ تو گھوڑے کی طرح شروع میں ہی تیز بھاگ رہی ہے۔''

''کوئی بات نہیں آپی۔ خود ہی وقت سب سمجھا دے گا۔ آپ اس کو اس کے حال پر چھوڑ دیں۔''

''تم ٹھیک کہتے ہو۔ اس کو ہمیں خود ہی سیکھنے دینا چاہیے۔''

اگلے دن وہ انسٹیٹیوٹ جا رہی تھی۔ بس آنے میں وقت تھا۔ اس نے اس لڑکی کو دیکھا۔ کافی دیر سے وہ اس کو دیکھ نہیں پائی تھی۔ آج اُس سے خوشی کوسوں دور تھی۔ آمنہ اُس کو غور سے دیکھنے لگی تو اس نے اُس کے دونوں بازو پر کٹ کے نشان دیکھے۔ جن کو دیکھ کر آمنہ اُس کے لیے پریشان ہو گئی۔ اُس کو لگا کہ

اُس کا ماضی اُس کے سامنے دوبارہ آ گیا ہے۔ لیکن اُس میں اُس سے بات کرنے کی ہمت نہ تھی کیونکہ اُس پر بھی اُس ماحول کا اثر ہو گیا تھا۔ ہماری طرح تو نہیں کسی کو پریشان دیکھا نہیں اُس سے پوچھ پوچھ کر اُس کا آدھا غبار نکال دیا۔ یہ ہی خوبصورتی ہے ہمارے کلچر کی جو سب کو برا لگتا ہے۔ ان سے کوئی پوچھے جن کے پاس کوئی بات کرنے والا نہیں ہے۔ وہ اس کو دیکھی جا رہی تھی جیسے وہ سکتے میں آ گئی ہو۔ اس کو سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ وہ کیا کرے اُس کے پاس جا کر دے یا پھر صرف اُس کو دیکھے۔ اُس میں پہلے جیسی بے باکی نہ تھی وہ اس سوچ بچار میں تھی کہ اس کی بس آ گئی۔ وہ اُس میں اس کو دیکھتی دیکھتی سوار ہو گئی۔ شام کو لیب سے نکلتے ہوئے آصفہ کا فون آیا تو اس نے اُس کو بتایا۔

''میں نے آج اس لڑکی کو دیکھا ہے جس سے میرا عجیب سا رشتہ ہے جو مجھے خود ہی پتہ نہیں۔ آج اُس کے بازو پر کٹ تھے جن سے ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ بھی میری حالت سے گزر رہی ہے۔''

''ٹھیک ہے تم ذہنی اذیت سے گزر رہی تھی لیکن تم نے کبھی کٹ تو نہیں لگائے۔ ویسے بھی تم اُس سے بہتر تھی۔''

اُس کی بات سن کر آمنہ ہنس پڑی۔ وہ یہ اس لیے کہہ رہی تھی کیونکہ آصفہ اس کی بہن تھی۔ کبھی بھی وہ اس کو اتنا بیمار نہیں سمجھ سکتی تھی۔ کیونکہ دل ہوتا ہی ایسا ہے اپنوں کے لیے۔ اُس کی ہنسی نے آصفہ کو اندر سے ڈرا دیا۔

بڑی آہستہ آواز میں آمنہ۔

''میں نے بھی کٹ لگائے تھے۔ اتنے گہرے تھے کہ خون بہنا شروع ہو گیا تھا۔ اس کے باوجود مجھے جسمانی درد کی نسبت ذہنی درد زیادہ محسوس ہوا تھا۔ لیکن جب میری ذہنی حالت تھوڑی بہتر ہوئی تو میں نے دوبارہ کوشش کی مگر نہیں کر سکی۔''

ڈر تو وہ پہلے ہی گئی تھی مگر اُس کی بات سن کر تو آصفہ کے تو جیسے پاؤں کے نیچے سے زمین ہی نکل گئی تھی وہ سکتے میں آ گئی تھی۔ جب اس کی طرف سے کوئی جواب نہ آیا تو آمنہ۔

''کیا ہوا بول کیوں نہیں رہی ہو۔''

''میں حیران ہوں۔ تم کس قدر ذہنی تکلیف میں تھی اور ہم بے خبر چین کی چادر اوڑھے سو رہے تھے۔ مطلب مجھے تمھارے اندر لگی آگ کا پتہ بھی نہیں چلا۔''

''میں نے وہ دن بڑی مشکل سے گزارے ہیں اگر تمھاری سپورٹ نہ ہوتی تو میں خودکشی کر چکی ہوتی۔ ابھی بھی میرے اندر خوف ہے۔ اس لیے تو ڈر سے چھٹی نہیں کرتی ہوں۔

بے جا کام کا اثر آمنہ کی صحت پر ہونا شروع ہو گیا تھا۔ اب اُس کو ہلکا ہلکا بخار رہتا تھا۔ یہ آصفہ کو پریشان کر رہا تھا اس لیے آصفہ۔

''تم ہفتے میں ایک دن آرام کے لیے چھٹی کر لیا کرو۔ ورنہ بہت زیادہ بیمار ہو جاؤ گی۔ یہ ہلکا ہلکا بخار اچھا نہیں ہوتا۔''

''مجھے ڈر لگتا ہے اگر چھٹی کی اور کمرے میں رہی تو مجھے ڈپریشن کا دورہ پڑا تو کیا ہو گا؟ میں نے بڑی مشکل سے اس کو ختم کیا ہے۔''

''یہ تمھارا حد سے زیادہ جسمانی کام بھی تمھیں بہت زیادہ بیمار کر دے گا۔ پھر تمھارا سارا کام رُک جائے گا۔''

''کچھ بھی نتائج ہو۔ میں چھٹی نہیں کر سکتی۔'' اپنی حالت کو سوچتے ہوئے۔ وہ ڈر سی گئی۔

پھر تم کھو گی وہی ڈائیلاگ بول رہی ہوں مگر مجھے بولنے ہیں۔

''کھانا تو صحیح کھایا کرو کچھ پھل اور ڈرائے فروٹ لے لیا کرو۔''

''پھل اور دودھ بھی لیتی ہوں ساتھ میں پستہ اور کاجو بھی کھا رہی ہوں۔ وہ بھی بلا ناغہ۔''

''جو تم اتنا چل رہی ہو۔ وہ اس کا ہی نتیجہ ہے ورنہ تم جس قدر کام کر رہی ہو۔ اب تک بستر پر پڑی ہوتی۔''

''مجھے یہ کام اسی سال ختم کرنا ہے کیونکہ مجھے اب بھی ڈپریشن ہو جاتا ہے مجھ میں لڑنے کی ہمت نہیں۔''

''عامر تو اب نہیں آتا؟''

''شکر ہے نہیں۔ ورنہ اُس کو دیکھ کر مجھے زیادہ ڈپریشن ہونے لگتا ہے۔ وہ نہیں آرہا اس لیے تو فٹ فاٹ ہوں۔''

''وہ تو میں دیکھ رہی ہوں۔''

''وہ مجھے اپنی باتوں میں الجھا لیتا ہے۔''

''ایسے لوگوں کی باتیں نہیں سننی چاہئیں۔''

''یہاں کوئی بات کرنے والا نہیں ہے وہی تو ہے۔ اس لیے اُس کی جاتیں سن لیتی ہوں۔''

''اور وہ اس کا ناجائز فائدہ اُٹھاتا ہے ایک اُس کی گپیں ہیں جو تو ایک عام انسان کا بھی دماغ خراب کر دیں۔''

''کل ڈاکٹر کے پاس جا رہی ہوں۔ دیکھو وہ کیا کہتا ہے۔''

''اُس نے کیا کہنا ہے۔ یہ ہی کہ آرام کرو۔''

تمہارے اور میرے ڈائیلاگ تو پرانے ہیں مگر

''دیکھتے ہیں اونٹ کس کروٹ بیٹھتا ہے۔''

اگلے دن وہ ڈاکٹر کے پاس گئی پھر ڈاکٹر لڑکی تھی اس نے اُس کا معائنہ کیا۔ اُس سے اُس کی روٹین پوچھی۔ اُس کی اس قدر مصروف روٹین سن کر جس میں آرام کے لیے کہیں وقت نام کی کوئی چیز نہ تھی۔ پہلے حیران ہوئی پھر اُس کو سخت لہجے میں جتنی اُس کو آزادی تھی۔ ہمارے ملک میں تو ڈاکٹر مریض کو اپنی جاگیر سمجھتے ہیں۔

(تم لوگ اتنا کام کرتے ہو پھر بیمار تو ہو گے۔ جسمانی طور پر تم ٹھیک ہو)

if you do too much works, definately you will be got sick.

رات کو آصفہ سے بات ہوئی تو بے تابی سے آصفہ حالانکہ جواب پہلے سے معلوم تھا۔ ''ڈاکٹر نے کیا کہا؟''

بے زاری سے ''اس نے کہا ہے اتنا کام کرو کہ مر جاؤ۔ ورنہ مر جاؤں گی۔''

''بالکل ٹھیک کہا ہے۔ مرنے کا سارا سامان تیار کیے بیٹھی ہو دوسری مرتبہ اس لیے کی تھی کہ اس رائے بدل جائے گی وہ خودکشی کو قدرتی موت کا نام دے گی۔

''اچھی بات نہیں زندگی کی اذیت سے

جان چھوٹ جائے گی۔''

جلدی سے آمنہ ''تم پھر شروع ہونے لگی ہو۔

میری شہزادی بہتر ہے تم آرام کرو۔ مجھے یہ باتیں نہیں سننی۔

فون بند کر کے آمنہ نے دل کی تسلی کے لیے دوبارہ شیث کو فون کیا خود سے ہی

کہیں میں تو نہیں اس کو مار رہی ہوں''

جیسے ہی شیث نے فون اٹھایا۔

معصومانہ انداز میں آمنہ

کیا تم بھی سارا ہفتہ کام کرتے ہو۔''

آپی میں نے کہا تھا نا نہیں۔

زندگی کی دوڑ میں جیتنے کے لیے پہلے آہستہ اور پھر تیز دوڑنا پڑتا ہے۔

میں ابھی آہستہ دوڑ رہا ہوں۔''

تم ٹھیک کہتے ہو مگر وہ کیوں تیز دوڑ رہی ہے۔

اس طرح تو وہ آخر میں ہار جائے گی۔

مگر اس کو کون سمجھائے۔''

آپی اس کو چھوڑ دیں وقت برباد کر دے گا۔''

''تم کہتے رہو اُس کو ہمیں خود سیکھنے دینا چاہیے۔''

اگلے دن وہ انسٹیٹیوٹ جا رہی تھی۔ بس آنے میں ابھی وقت تھا۔ اُس نے اُس لڑکی کو پھر دیکھا۔

وہ بیٹھی اس کو دیکھی جا رہی تھی۔ لیکن وہ لڑکی خود میں مگن بیٹھی تھی اِرد گرد سے بے نیاز آج اُس سے خوشی کوسوں دور تھی۔ آنکھوں سے چمک، ہونٹوں سے مسکراہٹ اور چہرے سے تازگی ختم تھی۔ اُس کو آمنہ مسلسل دیکھ رہی تھی۔ اس دیکھنے دیکھنے میں اُس نے نوٹس کیا کہ اُس کے دونوں بازوؤں پر کٹ کے نشان پھر تازہ جیسے دوبارہ پھر لگائے ہو۔ جن کو دیکھ کر آمنہ کا دل مچل اٹھا کیونکہ اُس کے دل میں درد کی چبھن ہوئی۔ وہ تو سکتے میں آئی تھی۔ وہ اُس سے بات کرنا چاہتی تھی لیکن اُس میں اُس سے بات کرنے کی ہمت نہ ہوئی۔ وہ سکتے میں اُس کو دیکھنے میں مشغول تھی۔ اُس کو سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ کیسے وہ اُس کے پاس جائے اور اُس کو حوصلہ دے۔ اب اُس میں بھی برصغیر کے لوگوں جیسی ہمت ختم ہوگئی تھی جو بغیر ہچکچاہٹ کے دوسروں کے معاملات میں گھس جاتے ہیں۔ آج اُس کو اِن کی یہ عادت اچھی لگ رہی تھی جو کبھی بری لگتی تھی۔ چیزوں کی قدر تب ہوتی ہے جب آپ اُن سے دور جاتے ہیں۔ وہ اس سوچ بچار میں ہی تھی کہ بس آ گئی اور وہ اُس میں سوار ہو کر چلی گئی۔

شام کو لیب سے نکلتے ہوئے پھر آصفہ نے فون کیا تو جس پر کبھی بہار تھی مگر آج خزاں کا دور عروج پر تھا وہ موت کی تیاری میں مصروف ہے۔

''میں نے آج اس لڑکی کو دیکھا۔ جس کو میں بہت خوش دیکھتی تھی۔ آج اس کے بازو پر کٹ تھے۔ جس سے ظاہر ہو رہا تھا۔ وہ بھی میری والی حالت سے گزر رہی ہے۔''

''میں تمھیں چھٹی کا ہی کہنے والی تھی۔ مگر تمھاری ذہنی تکلیف کا سن کر ہمت نہیں ہو رہی۔ لیکن تمھارا یہ روز روز کا بخار دیکھتی ہوں تو دل چاہتا ہے۔ تم ہفتے میں چھٹی ایک مرتبہ ضرور کیا کرو۔''

''میں چھٹی کر تو لوں۔ مگر دن کیسے گزاروں گی۔''

''جیسے تمھاری مرضی تمھارے آج کے انکشاف نے مجھے ہلا کر رکھ دیا ہے آج تو میں تمھیں کچھ نہیں کہوں گی۔ کل دیکھتے ہیں کیا ہوتا ہے۔''

''تم میری باتیں سن کر ہمیشہ پریشان ہو جاتی ہو۔''

''نہیں ایسی بات نہیں۔ میں دیکھ رہی ہوں۔ تم کتنی بہادر ہو۔ کیسے کیسے حالات سے لڑتی رہی

ہو۔میں تو نہیں لڑسکتی۔''

''تم مجھ سے زیادہ بہادر ہو۔مجھے برداشت کرتی ہو۔''

☆......☆......☆

اگلے دن وہ شام کو واپس اپنے کمرے میں آرہی تھی تو اچانک چلتے چلتے اُس نے اس لڑکی کو نیچے دیکھا۔وہ خود میں مگن چپ چاپ جارہی تھی۔آمنہ اُس کو ہی دیکھے جارہی تھی۔لیکن اُس نے اُس کی طرف ایک مرتبہ بھی نہیں دیکھا۔بس اپنی ہی دھن میں تھی۔

دبے دبے الفاظ میں آصفہ نے بھی آمنہ کو آرام کا مشورہ دیا تھا لیکن وہ اپنی ریسرچ اور جاب میں بہت مصروف ہوگئی تھی۔۔بہت زیادہ کام نے اُس کی صحت کو بھی بری طرح متاثر کیا تھا اب اُس کا بخار بھی زیادہ ہونا شروع ہوگیا تھا جس کی شدت پہلے سے بھی زیادہ تھی۔اُس نے ڈاکٹر کو دوبارہ چیک کروایا تو اُس نے بھی سختی سے اُس کو آرام کا مشورہ دیا۔اُس کو بتایا کہ اگر اُس نے اسی طرح کام کیا تو وہ بہت شدید بیمار ہوجائے گی۔

اُس کا فون اُٹھاتے ہی آصفہ''تم آج جس ڈاکٹر کے پاس گئی تھی اس نے کیا کہا ہے؟''

''یہی کہ اگر تم نے آرام نہ کیا تو جلدی مرجاؤں گی۔''

''بکواس مت کیا کرو اور صحیح صحیح بتاؤ۔''

''وہ کہہ رہی تھی آرام کرو۔ورنہ شدید بیمار ہوجاؤ گی۔''

''وہ ٹھیک کہتی ہے تم ہفتے میں ایک دن چھٹی کرلیا کرو۔اس طرح ہفتے بھر کی تھکاوٹ ختم ہوجاتی ہے۔''

''میں کیا کروں۔میرے اندر کا خوف مجھے چھٹی کرنے ہی نہیں دیتا۔وہ سارا وقت فلم کی طرح میری آنکھوں کے سامنے آجاتا ہے۔جو میری برداشت سے باہر ہے۔بس اس لیے نہیں کرتی۔''

''اگر اسی طرح رہا تو تم سچ میں شدید بیمار ہوجاؤ گی۔پھر کیا کرو گی۔وہاں کوئی نہیں ہے جو تمھاری دیکھ بھال کرے گا۔''

اُس کی باتیں سن سن کر آمنہ کو غصہ آگیا''تم جا کر سوجاؤ۔میں بھی کام کرنے لگی ہوں۔مجھے ابھی

کپڑے بھی دھونے ہیں اس کے علاوہ صفائی بھی کرنی ہے۔''

''اس لیے تو کہتی ہوں چھٹی کر لیا کرو۔ تا کہ یہ سب کام کر سکو۔''

غصے سے ''تم میری تکلیف نہیں جان سکتی۔ جاؤ سو جاؤ۔ میرا دماغ خراب مت کرو۔ تم کیا جانو۔ تکلیف کیا ہوتی ہے؟''

غصے سے آمنہ نے فون بند کر دیا۔ اب آصفہ کو فکر لاحق ہو رہی تھی کہیں آمنہ لمبی بیمار نہ ہو جائے۔ لیکن وہ اتنی دور ہونے کی وجہ سے کچھ کر بھی نہیں سکتی تھی۔ بے بس انسانوں کی طرح ساری رات آمنہ کے بارے میں سوچتی رہی۔ کبھی ایک طرف کروٹ لیتی اور کبھی دوسری طرف۔ دوسری طرف اُس کو اپنی درد نے بھی اذیت میں رکھا ہوا تھا۔ وہ دونوں سے لڑ رہی تھی یوں لڑتے لڑتے نجانے کب آنکھ لگی اور وہ سو گئی۔

صبح کو روبینہ بیگم ''کیا تمھاری آمنہ سے رات کو بات ہوئی۔''

''جی امی۔ لیکن وہ اتنی تھکی ہوئی تھی کہ پانچ منٹ ہی اس نے بات کی اور فون بند کر دیا۔''

''تم بھی اس کو بلاوجہ تنگ مت کیا کرو۔ وہ آج کل کس قدر مصروف ہے۔ اس کا بھی خیال رکھا کرو۔''

وہ دل میں سوچنے لگی ''امی آپ کو کیا بتاؤں۔ میں کیوں اس کو روز فون کرتی ہوں۔ پہلے ہی میں نے ایک ماہ فون نہیں کیا تھا تو اس کا انجام بہت برا نکلا ہے۔ وہ غصہ کرے یا آرام سے بات کرے۔ بس میں اس سے بات کر کے اس کی حالت جان کر پر سکون ہو جاتی ہوں۔''

''کیا بڑبڑا رہی ہو۔ میری سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا۔''

''کچھ نہیں بس ویسے ہی۔''

''اچھا چلو۔ آؤ ناشتہ کرو۔''

وہ انسٹیٹیوٹ جا رہی تھی اس کے لیے وہ نیچے آئی۔ تو وہاں ایک کپڑے سے ڈھکی ہوئی لاش پڑی تھی۔ لیکن وہاں ہماری طرح لوگ جمع نہ تھے ہمارے ہاں تو کچھ بھی ہو جائے لوگ جمع ہو جاتے ہیں اس حادثے کے متعلق بات کرتے ہیں۔ لیکن وہاں پر سناٹا تھا۔ یہ اُس کو بتا رہا تھا ''یہ لوگ بے حس ہیں کسی کے مرنے یا جینے سے ان کو کوئی فرق نہیں پڑتا۔ ہمارے ہاں تو ہمدردی میں ہی دس لوگ جمع ہو جاتے ہیں۔''

اُس کا دل لاش کو دیکھ کر تڑپ رہا تھا وہ اُس کے بارے میں جاننا چاہتی تھی آخر اس کے ساتھ کیا ہوا۔ وہ سوچ رہی تھی کہ ہوا سے کپڑا اہلا اور کپڑا لاش کے منہ سے ہٹ گیا۔ وہ دیکھ کر چونک گئی۔ یہ وہی لڑکی تھی جس کا اُس نے خوشی سے دکھ تک کا سفر دور سے دیکھا تھا لیکن اُس کے قریب نہ جا پائی تھی۔ شاید وہ بھی وہاں رہتے رہتے بزدل ہوگئی تھی ایک دم دوسروں کے مسائل میں چھلانگ لگانا بھول گئی تھی۔ اُس کے اندر بھی اصول وضوابط پیدا ہو گئے تھے۔ وہ واحد تھی جو اُس لاش کے پاس پانچ منٹ سے کھڑی تھی ورنہ سب گزر رہے تھے جیسے کچھ ہوا ہی نہ ہو۔ سڑک پر چلنے والی گاڑیوں کی طرح۔ جو رکتی ہی نہیں۔

اُس نے وہاں سے گزرتے ہوئے جانین کو دیکھا۔ وہ جلدی سے اُس کے پاس گئی دونوں نے سلام دعا کی۔ آمنہ اس سے۔

"کیا تم اس کو جانتی ہو۔"

"ہاں۔ میرے ہی فلور پر ساتھ والے کمرے میں تھی۔ اس نے خودکشی کی ہے۔"

"لیکن آخر کیوں۔"

"میں تم کو بعد میں بتاؤں گی۔ ابھی مجھے ذرا جلدی ہے۔"

وہ دونوں وہاں سے چلی گئیں۔ آمنہ بوجھل دل سے بس میں سوار ہوئی لیب پہنچی۔ لیب میں بھی سارا دن اُس کے بارے میں سوچتی رہی۔ جانین کے الفاظ اُس کے ذہن میں گونج رہے تھے۔

"اُس نے پلاسٹک شیٹ میں خود کو بند کر کے برے طریقے سے مارا ہے شیٹ کے اندر سانس بند ہونے سے اس کی موت واقع ہوئی ہے۔"

ظاہر ہے اگر آپ کا دماغ ہی آپ کے ساتھ نہ ہو تو آپ سے کام کہاں ہونا ہوتا ہے اس لیے آمنہ سے بھی زیادہ کام نہ ہو سکا۔ وہ بہت پریشان تھی اس نے گھر پہنچ کر آصفہ کو فون کیا کیونکہ انسان مشکل میں اس کو پکارتا ہے جس پر بھروسہ ہوتا ہے۔

جیسے ہی آصفہ نے فون اُٹھایا بغیر سلام دعا کے آمنہ۔

"تمھیں پتہ ہے نہ۔ اُس لڑکی کے بارے میں۔ جس کے بارے میں میں نے تمھیں بتایا تھا

اُس نے نا......اس نے نا......خودکشی کرلی ہے۔''

''نہیں......ایسا نہیں ہوسکتا۔ کیسے خودکشی اس نے کی۔ وہاں پر تو ڈاکٹر کی ہدایت کے بغیر دوائی نہیں ملتی۔''

''اُس نے خود کو پلاسٹک شیٹ میں خود کو بند کر کے بڑے اذیت سے مارا ہے۔ دم گھٹنے سے اُس کی موت ہوئی ہے۔''

''اتنی اذیت کی موت۔ پتہ نہیں وہ کس اذیت میں مبتلا ہوگی کہ اُس نے زندگی پر بدترین موت کو ترجیح دی ہے۔''

''مجھے بھی بہت دکھ ہوا ہے۔ میں نے سوچا تھا میں اس کی مدد کروں گی۔ مگر میرے پہنچنے سے پہلے ہی اُس نے خود کو ختم کرلیا ہے۔''

''بس کچھ بھی ہو۔ کوئی بھی مشکل ہو۔ چاہے بڑے سے بڑا گناہ ہو جائے۔ تم مجھ سے ضرور بات کروگی۔ بات سے اذیت کم ہو جاتی ہے دل کا غبار نکل جاتا ہے اور پھر انسان ایسا کام نہیں کرتا۔''

''میں بھی تمھارا روز غبار نکالنے کے لیے بات کرتی ہوں۔ اب تمھارا بخار کیسا ہے۔''

''آج تو زیادہ ہی محسوس ہو رہا ہے۔''

''چلو تم سو جاؤ۔ کل بات ہوگی۔''

''نہیں۔ تم مجھ سے بات کرو۔ مجھے یہ سب دیکھ کر اذیت ہو رہی ہے۔''

پھر دونوں بہنیں دو گھنٹے باتیں کرتی رہیں اور سو گئیں۔

اگلے دن آمنہ کو بہت بخار ہو گیا تھا وہ بخار کی وجہ سے نہ اُٹھ سکی اور نہ ہی لیب گئی۔ سارا دن بخار میں پڑی رہی۔ رات کو آصفہ کا فون آیا تو بخار میں بے سدھ پڑی رہی اُس کو فون کا بھی پتہ نہیں چلا۔ آصفہ نے دو تین مرتبہ فون لگایا لیکن جب کوئی جواب نہ ملا تو آصفہ تو ہوش باختہ ہو گئی۔ ابھی کل ہی اُس نے اس کو اُس لڑکی کی کہانی سنائی تھی۔ اُس کے دماغ میں سو خیال آرہے تھے''کہیں آمنہ نے تو خودکشی نہیں کرلی۔'' پھر خود سے ہی''ایسا نہیں ہوسکتا۔ کل تو اُس کا کوئی مسئلہ نہ تھا۔'' پھر خود سے ''یاد نہیں اس

نے پہلے بھی بازو پر کٹ لگائے تھے۔تب بھی تمھیں پتہ بھی نہیں چلا تھا۔ویسے بھی انسان کا کیا بھروسہ۔"
ہر سوچ اُس کو بے چین کر رہی تھی۔وہ بے چینی کے عالم میں کمرے میں چکر لگا رہی تھی۔
ادھر آمنہ بخار میں پڑی پانی...... پانی پکار رہی تھی۔مگر پانی دینے والا کوئی نہ تھا۔خود وہ ہوش میں نہ تھی کہ اُٹھ کر پی لیتی۔خود سے آصفہ "اب کیا کروں۔شیث کو فون کرتی ہوں۔لیکن اُس کو بتاؤں گی نہیں۔صرف پوچھوں گی اُس کے بارے میں۔اُس نے شیث کو فون کیا"تمھاری آمنہ سے بات ہوئی ہے۔"
"نہیں آپی کل ہوئی تھی۔بتا رہی تھی اُس کو بخار ہو رہا ہے۔کیوں خیریت تو ہے؟"
"سب خیریت ہے بس وہ فون کا جواب نہیں دے رہی تھی۔"
"آپی، وہ آج کل بہت مصروف ہے اس وجہ سے۔میرے بھی فون کرنے پر کئی کئی گھنٹوں بعد ریپلائے کرتی ہے آپ پریشان نہ ہوں۔سو جایئے۔"
"ٹھیک ہے خدا حافظ۔"
شیث سے بھی خاطر خواہ جواب نہ ملنے پر وہ اور زیادہ پریشان ہوگئی تھی۔وہ جا کر بستر پر لیٹ گئی۔مگر اُس کا دل و دماغ آمنہ میں اٹکا ہوا تھا۔وہ اُس کے بارے میں سوچ رہی تھی۔بار بار اُس کو ایک ہی خیال آرہا تھا"کہیں آمنہ نے خود کے ساتھ کچھ نہ کر لیا ہو۔"وہ اُٹھ کر بیٹھ گئی۔باہر جا کر لان میں ٹہلنے لگی پھر بھی وہ آمنہ کے خیال سے باہر نہیں آرہی تھی۔وہ بھی بُرے خیالات جس سے اُس کو اذیت ہو رہی تھی۔اُس نے لاشعوری طور پر ناخن منہ میں ڈال کر چبانے شروع کر دیئے ساتھ ساتھ وہ تیز تیز چلنے لگی۔جیسے اُس کے اندر کوئی مشین چل پڑی ہو۔وہ اپنے آپ کو بھول گئی تھی۔اُس کا ذہن اس قدر مصروف تھا کہ اُس کو پتہ بھی نہیں چلا اور اُس نے ناخن کھا کھا کر خون نکال دیا۔خون نکلا اور اُس کے ساتھ ہونے والی درد نے اُس کو بتایا کہ اُس نے اپنے ساتھ کیا کیا ہے۔اپنے ناخن کی تکلیف کم کرنے کے لیے اُس نے ناخن کو دانتوں میں زور سے دبایا۔اس دوران اُس کی سوچ چند منٹوں کے لیے آمنہ سے ہٹی۔لیکن جیسے ہی تھوڑا افاقہ ہوا پھر وہ مسلسل چلنے لگی۔جیسے چلنے سے وہ آمنہ کو بچا لے گی اُس کی حرکات اُس کی بے چینی کا اظہار کر رہی تھیں۔اُس کو خود بھی سمجھ نہیں آرہی تھی کہ وہ کیا کرے۔جب

تکلیف کم ہوئی تو وہ پھر ناخن منہ میں ڈال کر ساتھ ساتھ دعا کرنے لگی۔

"اے میرے رب! میرے دوست! آمنہ کی حفاظت کرنا۔"

مسلسل وہ یہ الفاظ دہرا رہی تھی۔ یہ رات اُس کے لیے قیامت سے کم نہ تھی۔ کبھی وہ کمرے میں آجاتی تھی مگر جب اندر آنے سے بھی کچھ نہ ہوتا تھا تو تھوڑی دیر کے بعد وہ پھر باہر لان میں جا کر چکر لگانا شروع کر دیتی تھی۔ اُس نے اس عالم میں سارے ہاتھ کے ناخن چبا دیئے۔ اُس کی آنکھوں میں آنسو تھے جو برسات کی طرح بہہ رہے تھے۔ ہونٹ خشک، سانس اٹکی ہوئی۔ حرکات و سکنات میں بے چینی۔ اُس کو نہ بیٹھے چین تھا اور نہ ہی ٹہل کر آرہا تھا۔ اس حالت میں رات کے تین بج گئے تھے۔ وہ تکلیف سے نڈھال ہو گئی تھی۔ لب پر دعا تھی۔ آکر کمرے میں بستر پر لیٹی۔ "کہتے ہیں نا نیند تو سولی پر بھی آجاتی ہے۔ وہ بھی سولی پر تھی مگر سو گئی تھی۔ سوئے سوئے بھی اس کا دماغ چل رہا تھا۔ اس نے دیکھا "آمنہ کمرے میں بیٹھی ہوئی ہے وہ اُس کو دیکھ کر خوش ہوئی۔ جیسے ہی وہ بھاگ کر اُس کے پاس پہنچی تو وہ خون میں لت پت ہوئی تھی۔ اس کو دیکھ کر اُس نے زور سے چیخ ماری۔" اس نے اس زور سے چیخ ماری تھی کہ ماں دوسرے کمرے سے بھاگ کر آئی۔ تو وہ بستر سے ٹانگیں نیچے لٹکائے لیٹی چیخ رہی تھی۔

روبینہ بیگم نے اس کو ہلایا۔

"آصفہ......آصفہ......" اس نے آنکھیں کھولیں۔

"تم اس طرح کیوں پڑی ہو؟ کیا ہوا ہے؟ تمھیں کیا ہوا ہے۔ تمھاری اس طرح حالت کیوں ہوئی ہے؟"

"امی......وہ......" پھر کچھ سوچ کر خاموش ہوگئی۔

"چیخ کیوں رہی تھی۔ کیا کوئی خواب دیکھا ہے۔"

سوچنے لگی "امی بھی پریشان ہو جائیں گی۔ میں تو ہوں۔ لیکن امی کو کیا کہوں۔ امی...... میں نے ڈراؤنا خواب دیکھا تھا۔ بس بیٹھی بیٹھی رات کو سو گئی تھی۔"

اس کو روبینہ بیگم نے سیدھا کر کے لٹایا۔ اس کو کمبل سے ڈھانپا۔ اس پر پڑھ کر پھونکا۔ وہ کمبل

میں منہ ڈالے رو رہی تھی۔ اس دکھ پر جس کو وہ محسوس تو کر رہی تھی۔ لیکن بتا نہیں سکتی تھی۔ ''یہ زندگی ہے جہاں انسان اپنوں سے ہی چھپ کر روتا ہے۔''

وہ کمبل میں منہ کو چھپائے آمنہ کا سوچ سوچ کر رو رہی تھی۔ کیونکہ نیند اُس سے کہیں دور بھاگ گئی تھی۔ اس کے ہونٹوں پر یہ الفاظ تھے ''اے میرے خدا! آمنہ کی حفاظت کرنا۔ وہ تیرے ہی سپرد ہے۔ اُس کو کچھ نہ ہو۔'' اس کا دماغ کچھ بھی سوچنے سے قاصر تھا۔ اس طرح دوپہر ہو گئی۔ لیکن وہ کمرے سے باہر نہ نکلی۔ تو ماں اس کو جگانے آئی۔ اُس نے جیسے ہی کمبل اُتارا وہ رو رہی تھی۔ اس سے پہلے کہ روبینہ بیگم کوئی سوال کرتی۔ جلدی سے آصفہ ''امی، مجھے درد ہو رہا ہے'' کیونکہ وہ جانتی تھی ماں رونے کا سبب پوچھے گی۔

''کتنی بار کہا ہے۔ ڈاکٹر کے پاس چلتے ہیں۔ لیکن تم کہاں مانتی تھی۔ میں ابھی ڈاکٹر سے وقت لیتی ہوں۔ تم اُٹھ کر منہ ہاتھ دھو لو۔''

وہ بستر سے اٹھ کر بیٹھ گئی۔ اُس کی آنکھوں میں کچھ ہو جانے کا خوف تھا جس کی وجہ سے جسم بھی کمزور بلکہ یوں کہیے کہ ہارا ہوا لگ رہا تھا ہونٹوں پر صرف آمنہ کی سلامتی کی دعا تھی۔

تھوڑی دیر بعد روبینہ بیگم آئی۔ اس کی حالت دیکھ کر۔

''مردہ ہوئی پڑی ہو۔ مگر ماں کی نہیں مانی۔ کئی بار کہہ چکی ہوں کسی ڈاکٹر کو دکھاتے ہیں۔ مگر نہیں۔''

منہ میں آمنہ ''کیا بتاؤں۔ کیا بات ہے۔ سی روئے یاروں کو لے کر نام بھائیوں کا۔''

''کیا بڑبڑا رہی ہو۔ ایک تو مجھے سمجھ نہیں آتی تم لوگوں کی منہ میں ہی بولتی رہتی ہو۔''

''کچھ نہیں۔ یہ کہہ رہی ہوں۔ کون سا ڈاکٹر ہم نے چھوڑا ہے۔''

''لیکن بیٹا۔ بھوکا تو ہر دروازے پر جاتا ہے شاید کہیں سے کھانا مل جائے۔''

ماں کی بات سن کر اُس نے ماں کو دیکھا اور چلنے کی رفتار بڑھا دی۔ تھوڑی دیر بعد باہر صحن میں آ گئی اور ٹہلنے لگی جب ذہن میں کوئی خیال آتا تو وہ مزید تیز تیز چلنے لگ جاتی۔ وہ آمنہ کو سوچ کر تکلیف میں تھی اور ماں اس کو دیکھ کر۔ میلوں دور آمنہ بے ہوش پڑی تھی۔ بس بے ہوشی کے عالم میں پانی پانی پکار رہی تھی۔

ماں بیٹی دونوں کا دن سولی پر گزر رہا تھا۔ آمنہ کو جا کر رات کو ہوش آیا۔ اس نے آہستہ آہستہ اٹھ کر

پانی پیا۔تھوڑی ہمت ہوئی تو میز پر پڑا پھل کھایا اور دوا لی۔ ابھی اُس نے دوا منہ میں ڈالی ہی تھی کہ آصفہ کا فون آ گیا۔

اُس نے فون اُٹھا کر ہیلو کہا تو آصفہ کی جان میں جان آئی۔خوشی سے آنکھوں میں آنسو آ گئے۔

''فون کیوں نہیں اٹھا رہی تھی۔''

''بخار تھا تو پتہ بھی نہیں چلا کہ تم نے فون کیا تھا۔''

خوشی سے ''کوئی بات نہیں اب بخار کیسا ہے؟''

اسی دوران روبینہ بیگم کمرے میں آ گئی۔

''کیسی ہے میری شہزادی۔ بخار کیسے ہوا تھا۔''

''بس ایسے ہی۔لیکن اب بہتر ہوں۔''

''آصفہ بھی کل سارا دن تکلیف میں رہی تھی۔ اب کل ڈاکٹر نے وقت دیا ہے۔اُس کے پاس لے کر جا رہی ہوں۔''

''امی، بہت اچھا کیا۔ورنہ اس نے اسی درد سے مر جانا ہے۔''

وہ ماں بیٹی باتیں کر رہی تھیں۔آصفہ دل ہی دل میں اللہ کا شکر ادا کر رہی تھی کہ آصفہ کے ساتھ برا نہیں ہوا۔خوشی کے آنسو تھے جو ختم ہی نہیں ہو رہے تھے جن کو وہ تکلیف کے آنسوؤں کے طور پر ماں کو دکھا رہی تھی۔ خود سے ہی ''محبت کو بھی ہر بندے کو مختلف رنگوں میں بھگو کر دیکھنا پڑتا ہے کہیں لال اور کہیں سیاہ۔کیا زندگی ہے؟''

☆......☆......☆

کل آصفہ تو آمنہ کی وجہ سے سارا دن بدحال رہی تھی۔ اس کی حالت دیکھ کر روبینہ بیگم نے اُس کی بیماری کو سنجیدگی سے لیا۔اس کو ایک بار پھر محسوس ہوا اُس کی بیٹی کتنی تکلیف سے گزر رہی ہے دوبارہ کوشش کی جائے۔ وہ اُس کو ڈاکٹر کے پاس لے کر گئی۔ ڈاکٹر نے اس کا چیک اپ لیا۔اس کو کچھ درزشیں اور دوائیاں لکھ کر دیں۔ رات کو آمنہ کا فون آیا تو آصفہ

''آج ہم ڈاکٹر پر گئے تھے۔اس نے کچھ دوائیاں دی ہیں۔میں نے امی سے کہا تھا۔ہم کہاں کہاں نہیں گئے رہنے دیں مگر وہ نہیں مانی اور مجھے جانا پڑا۔''

''تم کیسے مان گئی۔''

''دراصل میں تمھاری وجہ سے سارا دن بدحال رہی۔امی کو لگا۔ مجھے بہت درد ہے انھوں نے اصرار کیا اور مجھے ہتھیار ڈالنے پڑے۔تمھیں تو پتہ ہے امی کے سامنے کسی کی نہیں چلتی۔''

''یعنی بلی کے بھا گو چھینکا ٹوٹا۔''

ہنس کر آصفہ ''واہ!تم تو بہت عقلمند ہوگئی ہو۔''

''بس ......بس مجھے عقلمند کہہ کر اکیلا مت چھوڑنا۔میں پھر دوبارہ وہی غلطی کروں گی اور مجھے ڈپریشن ہو جائے گا۔''

''اب تو خواب میں بھی نہیں چھوڑ سکتی۔اوہو!میں تو بھول ہی گئی۔اب تمھارا بخار کیسا ہے؟''

''میں فٹ فاٹ ہوں۔شیث بھی کل آ گیا تھا۔اُس نے فتویٰ دے دیا ہے۔آندھی آئے یا طوفان اب مجھے ہفتے میں ایک چھٹی کرنی ہے۔''

وہ بول رہی تھی کہ شیث آ گیا۔

''آپی،اب یہ ہفتے میں ایک چھٹی اپنے آرام کے لیے کر رہے گی۔اس کی پریکٹس کل سے ہو رہی ہے۔''

''مجھے سن کر خوشی ہوئی۔یہ تو تم نے بہت بڑا کام کیا ہے۔''

''اب تم کب تک رہو گے۔''

''آپی،ایک ہفتہ۔''

''یہ میری خدمت کر رہا ہے۔''

''وہ تو نظر آ رہا ہے۔اس لیے تو چہک رہی ہو۔''

''آپی،امی کہاں ہیں ان سے بات کروائیں۔''

''ویٹ، وہ میرے لیے سوپ بنارہی ہیں۔ بس آتی ہی ہوگی۔''

وہ باتیں کررہے تھے کہ روبینہ بیگم بھی آگئی اور وہ ان سے باتیں کرنے لگی۔ ''امی پھر آپ نے قلعہ سر کرہی لیا۔''

''بڑی مشکل سے۔ کہہ رہی تھی پوری دنیا گھوم چکے ہیں مگر فرق کچھ نہیں ہے۔ میں نے بھی کہا پیاسا ہی پانی کی تلاش میں نکلتا ہے کبھی پانی پیاسے کی نہیں۔ مجھے بہت سے لوگوں نے اس کے بارے میں بتایا ہے۔ ڈاکٹر نے کہا ہے کہ کمزوری ہے اور ملٹی وٹامنز لکھ کر دے ہیں اور کچھ ورزشیں بتائی ہیں۔''

''امی آپ نے اس کو سیٹ کردیا ہے اور میں نے آپ کی اس بیٹی کی بھی طبیعت صاف کردی ہے۔''

ہفتہ پھر شیث اس کے پاس رہا اُس کی اس کی خدمت کے ساتھ ساتھ اُس کو اکیلے رہنے کے لیے اور چھٹی کے لیے بھی تیار کیا۔

آج آمنہ کی پہلی چھٹی تھی جب وہ اکیلی تھی۔ اس نے کمرے کی صفائی کی۔ کھانا بنایا پھر سارا دن بیٹھ کر پنجابی مووِیز دیکھی اور اُس کا دن گزر گیا۔ آصفہ بھی اپنے کام میں مصروف رہی لیکن دل میں دعا کر رہی تھی کہ دن مبارک رہے۔ شام کو آصفہ۔

''جی جناب کیسا رہا دن۔''

''مزے کا اس کے لیے اس نے پورے ہفتے کی تھکاوٹ کو بھی رفو چکر کردیا۔''

''اب آرام کی اہمیت کا اندازہ ہوا۔ تمہارا دوست بخار آیا۔''

''بالکل نہیں۔'' سر ہلا کر آمنہ۔

خوشی سے آصفہ ''جی ہاں۔ اب مجھے سٹیفکیٹ مل گیا ہے۔ حالانکہ میں اس سے پہلے گھبرائی ہوئی تھی۔ اب میں ہفتے میں ایک دن لیو پر رہوں گی۔ اب میں خوش ہوں۔''

''چلو! شیث کو ایڈ کرو۔ اس کو بھی خوش خبری سناتے ہیں۔''

آمنہ نے شیث کو ایڈ کیا۔ جلدی سے آصفہ ''خوشخبری۔ خوشخبری۔ بلی جیت گئی۔''

''مطلب، آپی۔''

”آمنہ نے چھٹی کی اور اس کا دن بھی اچھا رہا۔“

خوشی سے شیث ”یہ تو واقعی ہی چاند نکل آیا ہے۔“

وہ باتیں کر رہے تھے کہ روبینہ بیگم آ گئی۔

”کس بات پر اس قدر تم لوگ خوش ہو رہے ہو۔“

”آپ کی بیٹی نے چھٹی کا معرکہ مار لیا ہے اور سب کو ہرا دیا ہے۔“

”میری بیٹی تو بہت بہادر ہے۔ تم لوگ اس کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔ اس نے یہ کر ہی لینا تھا بس وہ ذرا ڈری ہوئی تھی اور کچھ نہیں۔ کیوں میری شہزادی بتاؤ اِن کو۔“

”جی، امی۔“

☆......☆......☆

زندگی میں لوٹنے کے بعد آمنہ میں ان دیکھی قوت اور ہمت آ گئی تھی وہ خود کو ایک بہادر پری کی طرح محسوس کر رہی تھی۔ جو جن کی قید سے آزاد ہونے کے بعد اور زیادہ طاقت ور ہو گئی تھی۔ یعنی جن سے جنگ لڑنے کے بعد دوہری طاقتوں کی مالک بن گئی تھی۔ اس جنگ میں اُس کے گھر والوں نے اُس کا بہت ساتھ دیا تھا۔ خاص طور پر آصفہ نے۔ اب اُس میں تجسس پیدا ہو گیا تھا کہ وہ جانے وہ لڑکی جس میں زندگی ہی زندگی تھی۔ آخر اس نے خودکشی کیوں کی۔ وہ کون تھی؟ ان سوالوں کے جواب کے لیے وہ جانین کے پاس بنا فون کیے پہنچ گئی۔ کیونکہ وہ جانین کو پچھلے چار سال سے جانتی تھی۔ وہ بہت اچھی لڑکی تھی۔ اُس کو دیکھ کر جانین۔

”بڑی خوشی ہوئی تم آئی۔ دل چاہ رہا تھا کسی سے بات کروں۔“

”میں تو کافی دنوں سے آنا چاہ رہی تھی۔ لیکن بیمار تھی۔“

”سن کر تھوڑا دکھ ہوا۔ اب کیسی ہو۔“

”بہتر ہوں۔ ہماری دوستی کو اتنی دیر ہو گئی ہے لیکن کبھی پوچھنے کا اتفاق ہی نہیں ہوا۔ یہ بتاؤ؟ اتنی اچھی اُردو کیسے آئی۔“

''اِن فیکٹ تم سے پہلے میری کچھ انڈین فرینڈز تھیں۔''

''میں یہ جاننا چاہتی ہوں کہ اس لڑکی نے سوسائیڈ کیوں کی؟''

دکھی انداز میں آصفہ۔ وہ بتانے لگی۔

ایما بہت اچھی لڑکی تھی فل آف لائف تھی وہ کنٹری سائیڈ سے یہاں پڑھنے آئی تھی۔ مزے کی بات ہے اُس کو بھی اُردو آتی تھی۔ یونیورسٹی میں جانین پہنچی تو ایما کو بینچ پر بیٹھے دیکھا تو اس کی معصوم سی صورت اس کو اچھی لگی۔ وہ اُس کے پاس جا کر بیٹھ گئی۔ چونکہ جانین سوشل تھی اس لیے دوستی کے لیے جان پہچان کے لیے ''ہائے! میرا نام جانین ہے اور تمھارا۔''

''ایما، ایما ولیم۔''

''اچھا نام ہے دوستی کرو گی۔''

''کیوں نہیں۔ میں تو پہلے ہی کسی کو دیکھ رہی تھی۔ مجھے دوست بنانے کا شوق ہے۔ وہاں پر بھی میری بہت دوستی تھیں۔''

ان کے ساتھ یونیورسٹی میں ہیری بھی تھا وہ بھی ان کے ساتھ گروپ میں شامل ہو گیا۔ تینوں اکٹھے اسائنمنٹ بناتے، اکٹھے نوکری کرتے اور ویک اینڈ پر بھی تینوں اکٹھے ہوتے تھے۔ ہیری ایما میں دلچسپی لے رہا تھا۔ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ اُن کی دوستی بڑھتی جا رہی تھی ایک دن ہیری۔

Would you like to go with me on dinner.

(کیا تم میرے ساتھ کھانے پر جانا پسند کرو گی)

وہ تو جیسے پہلے ہی اُس کا انتظار کر رہی تھی ہیری کے الفاظ اُس کے چہرے پر مسکراہٹ کے ساتھ سرخی لے آئے۔

It sounds pleasure, why not

(سن کر اچھا لگا کیوں نہیں)

وہ پہلی مرتبہ کسی لڑکے کے ساتھ جا رہی تھی وہ بہت خوش تھی۔ وہ بڑے اچھے سے تیار ہوئی۔ بار

بار خود کو آئینے میں دیکھ رہی تھی۔ اُس کو اپنا آپ بدلا بدلا لگ رہا تھا۔

لڑکی انڈیا پاکستان کی ہو یا دنیا کے کسی ملک سے تعلق رکھتی ہو۔ پیا کے دل میں بسنے کا اُس کو شوق ہوتا ہے۔ وہ پیا کے من میں رہنا چاہتی اُس کو جب بھی موقع ملتا ہے وہ اپنے تن دھن کی بازی لگا دیتی ہے۔

وہ وہاں پہنچی تو ہیری پہلے سے ہی وہاں موجود تھا۔ وہ آج مختلف انداز اور مختلف لباس میں اُس کو کچھ زیادہ ہی خوبصورت لگ رہی تھی۔ وہ تھوڑی نروس ہو رہی تھی۔ ہیری نے اس کے ہاتھ پر ہاتھ رکھا تو اُس کو لگا۔ اُس کے ساتھ کوئی ہے وہ اکیلی نہیں۔ کھانا کھانے کے دوران دونوں کی نظریں ایک دوسرے پر ہی تھیں۔ وہ کھانا کم اور ایک دوسرے کو زیادہ دیکھ رہے تھے۔ کھانے کے بعد ہیری نے ایما کو اپنے بازوؤں میں سما لیا۔ دونوں بازو میں بازو ڈالے ہیری کے کمرے میں چلے گئے۔ دونوں نے اکٹھے رات گزاری۔

ایما نے اپنا سب کچھ ہیری کو مان لیا تھا وہ اُس کی محبت میں بہت خوش رہنے لگی تھی۔ وہ آتے جاتے اس کے ہی خیال میں رہتی تھی۔ اب ویک اینڈ وہ دونوں اکٹھے ہی گزارتے تھے۔ جانین کے ساتھ ایما کی دوستی صرف یونیورسٹی اور نوکری تک رہ گئی تھی۔ جانین ایما اور ہیری کی قربت کو محسوس کر رہی تھی۔

اب ایک خوبصورت تتلی کی طرح جس کو نئی زندگی ملتی ہے تو وہ ہواؤں میں اڑتی ہے ایما ایسے ہی ہواؤں میں اڑ رہی تھی۔ وہ نہ دیکھتی یونیورسٹی نہ ہی نوکری اور نا ہی بس سٹاپ خوابوں بس خوابوں میں رہتی۔ اس کو اپنی ذات مکمل لگ رہی تھی۔

بس سٹاپ پر وہ خود میں کھوئی ہوئی بیٹھی ہوئی تھی۔ اس کو لگ رہا تھا۔ تارے اُس کے پاس آ گئے ہیں۔ کبھی وہ بالوں میں ہاتھ پھیرتی۔ کبھی بالوں کو دائیں طرف بکھیرتی اور کبھی بائیں طرف۔ کوئی اُس کو دیکھ رہا ہے یا نہیں اِس سے اُس کا کوئی سروکار نہیں ہوتا تھا۔ آمنہ اُس کی خوشی کو دیکھ کر اُس پر رشک کر رہی تھی اور خود اُس کا موازنہ کر رہی تھی۔

☆......☆......☆

کہتے ہیں نا اچھا وقت پر لگا کر اُڑ جاتا ہے۔ ایما کے ساتھ بھی ایسا ہی ہو رہا تھا۔ وقت بڑی تیزی سے بھاگ رہا تھا۔ وہ جو ستاروں کو زمین پر دیکھ رہی تھی کہ اچانک سے وہ آسمان پر جانا شروع ہو گئے تھے۔ ایک دن ایما نے دیکھا ہیری بیٹرس میں دلچسپی لے رہا ہے۔ وہ بینچ پر بیٹھی تھی کہ اُس نے دیکھا کچھ فاصلے پر۔ ہیری بیٹرس کو گلے میں ہار پہنا رہا تھا۔ اُس نے اُس کو ہار پہناتے دیکھا تو اپنے گلے کے ہار کو ہاتھ سے چھوا۔ جو اُس کو ہیری نے دیا تھا۔ کیونکہ اُس کو محسوس ہوا تھا "اُس کا ہار اُتار کر کسی اور کو دے دیا ہو۔"

ویک اینڈ پر بھی ہیری ایما کی بجائے بیٹرس کو دعوت دے رہا تھا۔

How nice of you to invite me, I will come definately.

وہ بول رہی تھی اور بیٹرس کے الفاظ ایما کو سوئی کی طرح چبھ رہے تھے۔ وہ وہاں سے اٹھ کر چلی گئی۔

زندگی کی بجائے اب ایما سب چیزوں سے بے زار ہو رہی تھی۔ وہ اُس سے بات کرنے کی کوشش کرتی تو وہ اس کو نظر انداز کر کے آگے نکل جاتا۔ ایما سے ہیری کا اس طرح کا سلوک برداشت نہیں ہو رہا تھا۔ ایک وقت تھا وہ اُس کو آنکھوں پر بٹھاتا تھا اب اُس نے اُس کو گرا دیا تھا۔ وہ سوچنے لگی وہ بات کر رہی تھی اور جانین اپنے کام میں مصروف تھی۔ وہ کام چھوڑ کر اس کو سن رہا تھا اُس کی نظریں اُس کو اہمیت دے رہی تھیں۔ اس لیے ایما کو اپنا آپ اہم لگ رہا تھا۔

بے وقعت ہونے کا احساس ہی انسان کو مار دیتا ہے۔ وہ مار بھی رہا تھا۔ وہ پل پل مر رہی تھی اور پل پل جی رہی تھی۔ اس جنگ میں اُس نے لڑنے کا سوچا۔ تاکہ اطمینان ہو جائے کہ اس نے کوشش کی تھی وہ ہیری کے دروازے پر پہنچ گئی۔ اُس نے دروازے پر دستک دی تو ہیری نے دروازہ کھولا۔ اُس کو دروازے پر دیکھا۔ پہلے تو حیران ہوا۔ پھر دروازہ بند کر دیا۔ اُس نے دروازہ دوبارہ کھٹکھٹایا۔ لیکن اس بار اُس نے کھولنے کی بھی زحمت نہیں کی۔ وہ چیخ رہی تھی "Open the door ..... open" وہ اندر بیٹرس کے ساتھ بیٹھا سن رہا تھا لیکن کھولنے نہیں آیا۔ کافی دیر کے بعد وہ واپس لوٹ گی۔

وہ ایک ہارے ہوئے کھلاڑی کی طرح خود سے چھپ چھپا کر گھر پہنچی۔ وہ جا کر بستر پر اس طرح بیٹھ گئی جیسے کوئی ڈرا ہوا بچہ بیٹھا ہوتا ہے۔ اُس کے ہونٹ خشک تھے۔ آنکھوں میں ویرانی تھی۔ سانس جیسے

رُکا ہوا ہو۔ آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے۔ اس طرح بیٹھے بیٹھے رات گزر گئی۔ اگلے دن ٹوٹے ہوئے دل کے ساتھ نوکری پر گئی پیٹ بھی تو پالنا تھا۔ وہاں کوئی ماں نہ تھی جو اُس کو کما کر کھلاتی۔ اب روز بروز اُس کی حالت بگڑتی جا رہی تھی۔

وہاں پر کوئی نہ تھا جو اُس کی اِس حالت میں دیکھ بھال کرتا۔ وہاں کے لوگ ہماری طرح تو ایک دوسرے سے جڑے نہیں ہوتے۔ جو ایک ڈوب رہا ہو تو اس کو کھینچ کر وہاں سے نکال لیں۔ وہاں تو سب اپنی اپنی زندگی کی جنگ لڑ رہے ہوتے ہیں۔ نہ ہی کوئی کسی کو اپنی زندگی میں داخل ہونے دیتا ہے۔ یہاں تو ہم ایک دوسرے کی زندگی پر مکمل حق رکھتے ہیں۔ یہ ہی حق مشکل میں ہمارے کام آتا ہے اور ہم دوسرے کی جنگ لڑتے ہیں۔ دوسرا ڈوبنے کی بجائے جیت جاتا ہے ڈپریشن بڑھ رہا تھا ایک دن تو حد ہو گئی۔ اُس نے چھری اُٹھائی اور اپنے بازو پر کٹ گانے شروع کر دیئے۔ اس نے ایک کٹ لگایا تو اُس کو درد محسوس ہوا۔ اس میں اُس کا دماغ مصروف ہو گیا۔ اُس کی اذیت کم ہو گئی۔ جب درد کم ہوا۔ پھر ذہنی اذیت ہونا شروع ہو گئی۔ اُس نے پھر کٹ لگایا اور دماغ میں مصروف کرنا چاہا مگر اس مرتبہ دماغ نے بھی جواب نہ دیا۔ اس نے اپنے دونوں بازو کٹ لگا لگا کر بھر دیئے۔ ان سے خون بہنے لگا۔ خون اس کے بستر پر اُس کے کپڑوں پر تھا۔ مگر وہ پرسکون صرف دیکھ رہی تھی۔ کیونکہ اس کی دماغی تکلیف نے قربانی مانگی تھی اور اُس نے دے دی۔ اب وہ سکون سے تکلیف کے ساتھ سمٹ کر سو گئی۔

جانین اُس کی حالت دیکھ رہی تھی۔ اُس کے بازوؤں پر کٹ کے نشان اُس کو بھی پریشان کر رہے تھے لیکن اُس کی تربیت ایسی تھی کہ وہ کچھ نہیں کر پا رہی تھی۔ اس معاشرے میں دوسروں کے معاملے میں جانے کی اجازت نہیں۔ یہ لوگ مرنے کے بعد قبر پر پھول تو رکھ سکتے ہیں مگر ہاتھ نہیں پکڑتے۔

آمنہ نے بھی اُس کو اس حالت میں بس سٹاپ پر دیکھا تھا وہ اس کی مدد کرنا چاہ رہی تھی مگر کر نہ پائی۔ یہ ہوتا ہے مٹی کا اثر۔

☆......☆......☆

اب ایما کے اردگرد دلدل کا گڑھا گہرا ہوتا جا رہا تھا۔ دلدل ایسے تھوڑی ہی بھرتے ہیں۔ وہ کسی نہ کسی کی جان چاہتے ہیں۔ یہ دلدل بھی کسی کی جان لینا چاہتا تھا تا کہ اپنے گڑھے کو بھر سکے اور ایما خود بخود اس گڑھے میں جا رہی تھی۔ سامان اُس کے حالات پیدا کر رہے تھے۔ ایک کے بعد ایک ناکامی سے بڑھ کر کونسا سامان ہوسکتا تھا۔ جو اُس کو گڑھے میں جانے سے روکے۔ بلکہ وہ تو اُس کو کہہ رہا تھا۔ جلدی سے جلدی اس گڑھے میں کود پڑو۔ شاید وہ ابھی خود اس دلدل سے دور تھی۔ کیونکہ جان دینا آسان کہاں ہوتا ہے۔ انسان اس جان کو بچانے کے لیے سو جتن کرتا ہے۔ حالانکہ جان نکلنے کا مطلب ہے ایک دنیا سے دوسری دنیا کا دروازہ کھلنا۔ مگر نجانے کیوں انسان اس دروازے کو لمبا عرصہ بند ہی رہنے دینا چاہتا ہے۔ اُس کو اس فانی دنیا سے پیار جو ہو گیا ہوتا ہے ویسے بھی دوسری دنیا کا انجانہ سا خوف ہوتا ہے۔ وہ اس میں ہی سو سال جینا چاہتا ہے۔ سو غم سہتا ہے۔ سو دکھ جھیلتا ہے پھر بھی جیتا ہے۔ انسان اس دنیا کے غموں سے تب ہارتا ہے۔ جب اُس کے ساتھ چلنے والا اُس کو دھوکا دیتا ہے۔ ورنہ سفر جتنا بھی کٹھن ہو۔ کوئی فرق نہیں پڑتا۔ یہاں تک کہ تھکن کا بھی احساس نہیں ہوتا۔ دھوکا کھانے سے وہ لڑنا چھوڑ دیتا ہے اور وہ دروازہ کھول کر دوسری دنیا میں سکون کے لیے چل پڑتا ہے۔ دروازے تک چل کر آنا اور اس کو کھولنے کا سفر بڑا غضبناک ہوتا ہے۔ اس میں جسم کے روئے روئے سے خون بہنے لگتا ہے۔ جس کو دیکھ کر اپنے تو کیا غیروں کے بھی دل منہ کو آجاتے ہیں۔ یہاں اپنوں کی ضرورت ہوتی ہے جو آپ کو دروازہ کھولنے سے روکنے کے لیے خود آگ پر چلتے ہیں۔ لیکن آپ کو دروازے کے پاس جانے سے روکتے ہیں۔ کیونکہ یہ دروازہ زمین کی کششِ ثقل کی طرح مقناطیس طاقت رکھتا ہے۔ اس میں اتنی طاقت ہوتی ہے جو آپ کو اس کی طرف کھینچتی ہے اور آپ جیسے کسی کے حصار میں ہوتے ہیں۔ اس کی طرف جاتے جاتے ہو کسی کی آواز سنتے ہی نہیں ہو۔ آپ کو اس سحر سے نکالنے کے لیے وہی خود کو اس خون کی ہولی سے نہلا سکتا ہے جس کی آپ جان ہو۔ جس کے لیے دنیا کا تصور آپ کی بنا کچھ نہ ہو۔

دنیا کا تو کام ہی دھوکا دینا ہے۔ وہ دیتی ہی رہے گی۔ اس لے تو خاندان بنانے چاہئیں۔ خاندان کے ہر فرد ایک دوسرے کے ساتھ جوڑوں۔ تا کہ کوئی دھوکا دے۔ مگر آپ موت کا دروازہ نہ

کھولو۔ بلکہ کوئی آپ کو بچالے۔

مگر اس نفسا نفسی کے دور میں ایما جس معاشرے میں رہتی تھی وہاں کوئی رشتہ آپ کے لیے خون کی ہولی سے کھیلنے کو تیار نہیں ہوتا آپ کو خود ہی لڑنا پڑتا ہے۔ جو مشکل ہی نہیں بلکہ نہ ممکن بھی ہے۔ ایما بھی زندگی کی جنگ ہار رہی تھی کیونکہ وہ اکیلی تھی۔ وہ کلاس میں اکیلی رہنے لگی تھی۔ جانین کے پاس بھی وقت نہ تھا کہ اُس کو دیکھے۔ پچھلے دو دن سے وہ کمرے میں اکیلی گم سم بیٹھی تھی۔ کھڑکی سے باہر دیکھ رہی تھی۔ بظاہر تو باہر دیکھ رہی تھی۔ مگر کچھ نہیں دیکھ رہی تھی۔ شاید لاشعوری طور پر وہ کھڑکی کے باہر سے کسی مسیحا کا انتظار کر رہی تھی۔ جو آئے اس کے لیے خون کی یہ جنگ لڑے اور اُس کو نکال کر لے جائے۔ کہتے ہیں نا انسان آخری سانس تک امید ہی رکھتا ہے۔ بظاہر دیے بجھا دینے سے اُمید ختم نہیں ہوتی یہ آخری سانس کی ڈور کے ساتھ ختم ہوتی ہے۔

وہ خود میں ہی کھوئی ہوئی تھی۔ آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے۔

ہاتھ سے بستر پر نجانے کیا لکھنے کی کوشش کر رہی تھی۔ دو دن سے اس حالت میں بیٹھے بیٹھے نہ وہ تھکی تھی نہ ہی اکتاہٹ کا شکار ہوئی۔ وہ ہو بھی کیسے سکتی تھی۔ کیونکہ یہ تو احساس کے نام تھے۔ اس کا دماغ ہی حاضر نہ تھا تو یہ احساس کہاں ہونے تھے۔ آنکھوں سے ٹپ سے ایک آنسو گال پر گرتا تو لگتا صرف پانی کی ایک بوند گری ہے۔ اُس کے ساتھ اُس کے اندر کا غم باہر نہیں آ پا رہا تھا اگر آنسو کی ایک بوند کے ساتھ تھوڑا تھوڑا غم بھی باہر آتا جاتا تو جو اُس کے اندر دکھ کا سمندر تھا۔ اُس نے تو آنکھوں کے ذریعے بہہ جانا تھا اور اندر خالی ہو جانا تھا۔ کوئی جگہ زیادہ دیر خالی نہیں ہو سکتی۔ اس کی جگہ کسی نہ کسی کو تو لینی ہوتی ہے۔

تو ظاہر تھا دکھ کے بعد سکھ کو آنا تھا کیونکہ یہ دونوں ایک دوسرے کی ضد ہیں۔ ایک ہو تو دوسرا چلا جاتا ہے دونوں اکٹھے نہیں رہ سکتے۔ تو اُس نے زندگی کی طرف لوٹ آنا تھا۔ مگر ایسا نہ ہو سکا۔ آنکھوں نے صرف پانی ہی بہایا اندر کا زہر باہر نہیں اُگلا۔ وہ زہر اندر ہی اندر بڑھتا گیا۔ کیونکہ پانی اکیلا ہی باہر آ رہا تھا زہر کو دھوئے بغیر۔ پانی کے نکل جانے کے بعد اب کو صرف وہی وہی اندر ہر طرف تھا۔ اس زہر نے اب دماغ میں بھی جانا شروع کر دیا تھا۔ دل پر تو اس نے پہلے ہی قبضہ جما لیا تھا۔ جب آپ کو مکمل زہر

چڑھ جائے تو کیا ہوتا ہے؟ اب زہر ایما کو بھی چڑھ گیا تھا اس نے اُس زہر سے سانسوں کی ڈور کو کاٹنے کا فیصلہ کرلیا تھا۔ آنکھوں سے بارش مسلسل برس رہی تھی۔ مگر ایما کے زہر کو یہ بارش بھی نہیں دھو پا رہی تھی۔ وہ بھیگی ہوئی آنکھوں کے ساتھ اُٹھی۔ اس کے پاس ایک پلاسٹک شیٹ پڑی تھی۔ شاید اس نے کسی روز بارش سے بچنے کے لیے خریدی تھی۔ وہ اس کے اندر لیٹ گئی۔ اس نے اس کے منہ کو اندر سے پکڑ لیا۔ تھوڑی دیر اور اس کا سانس بند ہونا شروع ہو گیا۔ جب سانس بند ہوتا ہے تو انسان ہاتھ پاؤں مارتا ہے۔ وہ بھی اذیت برداشت نہ کرسکی اور اس کے ہاتھ سے اس کا منہ چھوٹ گیا۔ لاشعوری طور پر اس نے اس سے منہ جلدی سے باہر نکالا اور سانس لیا۔ تھوڑی دیر سانس اوپر نیچے رہا پھر سانس بحال ہو گیا۔

اذیت کے اس امتحان میں آنکھیں رونا بھول گئی تھیں کیونکہ ساری توجہ تو سانس بند کرنے پر تھی۔ جیسے ہی سانس بحال ہوا۔ تو تو اس کشمکش میں رو کے ہوئے آنسوؤں نے پھر سے بہنا شروع کر دیا۔

''خود کی جان لینا آسان نہیں۔ تم ہار جاؤ گی۔''

خود کو خود ہی جواب دیتے ہوئے ایما۔

''اب کی بار ایسا پلان بناؤ گی کہ ہار نہیں پاؤں گی۔ مجھے اس زندگی سے نجات چاہیے۔ وہ جان دینے سے ہی ممکن ہے۔ اس بار اس نے شیٹ میں منہ ڈالا۔ دونوں ناک کے نتھنوں میں روئی ڈالی۔ پھر شیٹ کے منہ کو اندر سے دھاگے سے گرہ لگا کر بند کرنے لگی۔ اتنی زیادہ گرہ لگائیں کہ تکلیف میں اس سے وہ کھل ہی نہ پائیں۔ اس سارے عمل میں آنکھوں کا سمندر خشک تھا کیونکہ دماغ تو کسی زندگی کو ختم کرنے کے سارے پلان کو عملی جامہ پہنانے میں مصروف تھا۔ چونکہ پلاسٹک شیٹ تھی۔ تھوڑی ہی دیر میں آکسیجن کا اندر آنے کا عمل بند ہو گیا تھا۔ ایما کا سانس بند ہونے لگا وہ ایک مچھلی کی طرح تڑپنے لگی۔ اب وہ ہاتھ پاؤں مار رہی تھی اس شیٹ سے نکلنے کے لیے مگر ہاتھوں سے لگائی ہوئی گرہ بعض اوقات دانتوں سے بھی نہیں کھلتیں۔ وہی حال ایما کا تھا۔ وہ کوشش کر رہی تھی۔ مگر وہ اتنی مضبوط اور زیادہ تھی کہ کھول نہیں پا رہی تھی۔ ناک میں دی ہوئی روئی کو تو وہ بھول ہی گئی تھی۔ اب وہ بغیر پانی کے مچھلی کی طرح تڑپ رہی تھی۔ وہ بہت بری طرح پھڑ پھڑا رہی تھی۔ مگر وہاں کوئی نہ تھا۔ جو آتا اور واپس اس کو پانی میں ڈالتا۔

یوں آہستہ آہستہ اس کے سانسوں کی ڈور ٹوٹنے لگی۔ سانس رکنے لگا۔ آدھا گھنٹہ وہ لڑتے لڑتے ہار گئی۔ اس نے بڑی مشکل اور اذیت کے بعد اگلی دنیا کا دروازہ کھول دیا۔ جسم اس دنیا میں رہ گیا اور روح اگلی دنیا میں چلی گئی۔

اس کے ساتھ کیا ہوا کسی کو کچھ پتہ نہ تھا۔ جسم پڑے پڑا اندر ہی لوہے کی طرح اکڑ گیا تھا۔ دو دن بعد صفائی کرنے والوں نے دروازے پر دستک دی مگر سننے والا کوئی نہ تھا۔۔ اعلیٰ احکام کو بلایا گیا۔ دروازہ کھولا گیا۔ تو ایما کی لاش کو پلاسٹک شیٹ سے برآمد کیا گیا۔ اس کی لاش کو باہر نکال کر کپڑے سے ڈھانپ دیا گیا تاکہ پولیس آئے اور اپنا کام کرے کمرہ کسی اور کے لیے خالی ہو گیا۔ ابھی لاش پولیس لے کر بھی نہیں گئی تھی کہ نیا کمرے کا مالک آ گیا۔ ایما کی تکلیف کا کسی کو احساس تو دور کی بات خیال بھی نہ تھا۔ یہ زندگی کب کسی کے لیے رکتی ہے ایما کے لیے کیسے رک سکتی تھی۔ وہ بھی بے حس معاشرے میں جہاں کوئی کسی کا نہیں ہوتا۔ اس مشرقی معاشرے میں تو پھر چالیس دن افسوس کرنے کوئی نہ کوئی آجاتا ہے۔ وہاں کوئی ایک منٹ کے لیے بھی نہیں آیا۔

اس کی کہانی سے آمنہ کی آنکھوں سے گال پر گرے ہوئے آنسو بتا رہے تھے کہ اس کے دل میں ایما کی تکلیف کا احساس تھا مگر اس کا اب کوئی فائدہ نہ تھا۔ آمنہ کو وہ دن یاد آیا جب اس نے ایما کی لاش کو دیکھا تھا اور وہ رک گئی تھی۔ وہ اس کا دکھ جاننا چاہتی تھی۔ جس نے اس کو اذیت ناک موت کو گلے لگانے پر مجبور کیا۔

☆......☆......☆

وہاں سے اٹھ کر آمنہ بے جان جسم کی طرح جس کی روح کسی نے نکال لی ہو چل پڑی نہ ہی جانین کو خدا حافظ کہا اور نہ ہی دوبارہ ملنے یا آنے کا کہا۔ جانین بھی اس کو کچھ نہ کہہ سکی۔ کہانی سناتے ہوئے اس کو اُس کی اذیت ناک موت کا زیادہ احساس ہوا۔ کیونکہ لفظ تو وہ بول منہ سے رہی تھی۔ مگر دماغ کے ساتھ دل بھی محسوس کر رہا تھا۔ ایسا اکثر ہی ہوتا ہے کسی کے گزر جانے کے بعد ہی اُس کے ہونے کا احساس ہوتا ہے حالانکہ اپنی زندگی میں وہ ہونے کا احساس دلاتا رہتا ہے۔ اس کے موت تک سفر کی کہانی سن کر

آمنہ کو لگا کہ اُس کی کہانی میں اور اُس کی اپنی کہانی میں کوئی فرق نہیں سوائے موت کے۔

اس کو بچانے والا کوئی نہ تھا مگر آمنہ کو بچانے والے سارے اُس کے گھر کے افراد تھے۔خاص طور پر آصفہ۔اُس سے صرف ایک ماہ اُس سے دور ہونے کی غلطی ہوئی تھی۔مگر پھر اُس نے اُس کو دلدل سے نکالنے کے لیے اُس نے سر دھڑ کی بازی لگا دی تھی۔

بستر پر لیٹی آمنہ تو کبھی ایما کا زندگی سے بھرپور اور کبھی زندگی سے بیزار چہرہ بار بار اُس کے سامنے آ رہا تھا۔جب اس کا زندگی میں پھولوں سے بھرا ہوا چہرہ آمنہ کی آنکھوں کے سامنے آتا تو آمنہ کے چہرے کے تاثرات میں بھی خوشی کے آثار نمایاں ہونے لگتے تھے مگر جیسے ہی ایما کا مایوسیوں سے بھرا چہرہ آنکھوں سے گزرتا تو آمنہ کا اپنا چہرہ بھی مایوسی کے بادلوں میں گھر جاتا تھا۔یہ سب بتا رہے تھے۔ابھی بھی انسانیت زندہ ہے۔چاہے آمنہ جیسے احساس لوگوں میں ہی سہی۔وہ ایما کے خیالوں میں اس قدر کھوئی کہ سب کچھ بھول گئی اور اس کے بارے میں سوچتی سوچتی سو گئی۔سوتے ہوئے بھی وہ ساری رات ایما کے ہی خواب دیکھتی رہی۔وہ خواب میں اُس کو دور دور سے دیکھ رہی تھی۔ایما زندگی کی رنگینیوں میں مصروف تھی۔اُس کے پاس آمنہ کو دیکھنے کی فرصت نہ تھی۔

ساری رات دماغ کے مصروف رہنے کی وجہ سے آمنہ پرسکون نیند سو نہ سکی تو صبح بوجھل سے دل کے ساتھ اُٹھی۔سر بھی گھوم رہا تھا۔حالت دیکھ کر اُس کو بھی لگ رہا تھا آج کام نہیں ہو پائے گا مگر پھر بھی نہ ہاتھ دھوئے ناشتہ کیا اور انسٹیٹیوٹ چل پڑی تھی۔وہاں پہنچ کر کام شروع تو کیا مگر پوری طرح کام میں نہ کھو سکی۔کام کے دوران کبھی کام کرتی اور کبھی ایما کی تصویر آنکھوں میں لے آتی اور رک کر اُس کے بارے میں سوچنا شروع کر دیتی تھی۔اس کی سوچ کے ساتھ کبھی کوئی چھوٹا سا موتی آنکھوں میں آتا تو وہ اُس کو دوبارہ اندر ہی لے جاتی تھی۔عامر نے اس کو کام کرتے دیکھا تو لیب کے باہر سے ہی واپس پلٹ گیا۔وہ تو قریب بیٹھے انسان کو مشکل سے دیکھتی تھی سوائے ایما کے وہ کیسے جان سکتی تھی عامر نے اس کو دیکھا۔آج تو ویسے بھی وہ دو دو کام کر رہی تھی۔دوپہر کو وہ آیا تو کام کرتے دیکھنے کی بجائے لیب میں ہی آ گیا۔اس نے دل میں سوچا "اِس نے تو فارغ ہونا نہیں۔بن بلائے مہمان کی طرح خود ہی جا کر بات کرتے ہیں۔"

وہ کام میں ڈوبی ہوئی تھی وہ اُس کے پاس جا کر کھڑا ہو گیا تھا۔اچانک آمنہ نے کسی کی موجودگی محسوس کی تو سر اُٹھا کر دیکھا۔ایک نظر اس نے عامر کو دیکھا اور دوبارہ کام کرنے لگی۔

اس کے سامنے آنے سے بھی آمنہ نے جب کام نہ روکا تو عامر۔

''تم آج کل بہت کام کر رہی ہو۔''

''تو یہ کوئی بڑی بات نہیں۔''

''تم بتاؤ۔کیوں آئے ہو۔''

''کرسمس آ رہی ہے۔''

''ہر سال آتی ہے۔''

''تو پھر اس کی تقریبات دیکھنے چلتے ہیں گھوم پھر بھی لیں گے۔''

لاپرواہی سے ''تم چلے جاؤ۔میں مصروف ہوں۔''

''وہ تو مجھے نظر آ رہا ہے۔لیکن اُس دن چھٹی ہے۔''

''تمھاری چھٹی ہے مگر میری نہیں۔اس دن مجھے نوکری پر جانا ہے۔اس لیے میں نہیں جا سکتی۔تم جا کر انجوائے کرو۔''

''اکیلا۔کیا خاک انجوائے کروں گا۔اس لیے تو تمھیں دعوت دے رہا ہوں۔''

''تمھارے اردگرد اتنی ساری ہیں جس کو دل چاہتا ہے لے جاؤ۔''

''اگر مجھے ان کے ساتھ جانا ہوتا تو تمھیں دعوت کیوں دیتا۔''

''یہ بحث ہم پھر کبھی کریں گے۔فی الحال میرا دماغ خراب نا کرو۔تم نے تو صرف انجوائے کرنا ہے کوئی بھی ہو۔''

''میرا دماغ خراب ہے جو تمھارے ہاتھوں ذلیل ہونے آ جاتا ہوں۔''

''کون کہتا ہے آؤ۔مت آیا کرو۔''

''تمھیں یہ بات کیوں سمجھ نہیں آتی۔کہ میں کیوں آتا ہوں۔''

”مجھے بڑی سمجھ آتی ہے۔ مگر اب میں سمجھنا نہیں چاہتی۔ کرنے والا کام کرتے نہیں ہو اور آجاتے ہو بے وقوف بنانے۔“

”تم تو بہت عقل مند ہو۔ تمھیں بے وقوف کون بنا سکتا ہے۔ تم تو مجھے بڑی اچھے طریقے سے چلا رہی ہو۔“

”مجھے تمھیں چلانا آتا ہوتا تو آج یہ دن نہ آتا۔“

”بحث چھوڑو اور کرسمس کی Celebrations دیکھنے چلتے ہیں۔“

”کہا نا۔ نہیں جانا۔ تو نہیں جانا۔“

”اب نہیں آؤں گا کبھی۔ میں ہی بے وقوف ہوں جو آجاتا ہوں۔“

وہ جب اپنے ارادے میں ناکام ہوا۔ تو غصے میں وہاں سے چلا گیا۔

خود سے آمنہ ”یہ ہیری ہر جگہ کیوں پائے جاتے ہیں۔ جن کے لیے لڑکی ٹائم پاس کے علاوہ کچھ نہیں ہے۔“

وہ اس کا دماغ اس قدر الجھا گیا تھا کہ اس کے جانے کے بعد آمنہ نے کام وہیں پر چھوڑا اور بیٹھ گئی۔ جیسے وہ ہار گئی تھی۔

اس کا چہرہ اس چھوٹی سی جھڑپ سے ہی تھک گیا تھا دراصل وہ بہت لمبے عرصے سے لڑ رہی تھی۔ اب چھوٹی سی بات سے بھی وہ تھک جاتی تھی۔ اس کے جانے کے بعد کافی دیر وہ چپ چاپ بیٹھی رہی پھر بڑی مشکل سے ہمت جمع کر کے اُٹھی۔ بیگ پکڑا اور گھر کی طرف روانہ ہو گئی۔

کمرے میں پہنچ کر بستر پر گر گئی آنکھیں بند کر کے لیٹ گئی۔ اپنے آپ کو اس جنگ کے حصار سے نکالنے کی کوشش کر رہی تھی۔ جو ابھی ابھی کر کے آئی تھی۔ اس کو لیٹے ہوئے ابھی زیادہ دیر نہیں ہوئی تھی کہ آصفہ کا فون آگیا۔ اس نے پہلی گھنٹی پر ہی فون اُٹھا لیا۔

”خیریت تو ہے پہلی گھنٹی پر ہی فون اُٹھا لیا۔ سورج کہاں سے نکلا ہے۔“

”جینے کی کوشش کر رہی ہوں۔ تنکا بھی ملتا ہے تو اُس کا بھی سہارا لیتی ہوں۔ پھر یہ تم تھی۔ ظاہر

ہے مجھے اٹھانا ہی تھا۔"

"پھر کچھ ہوا ہے۔"

ہارے ہوئے لہجے میں" آج پھر وہ آیا تھا کرسمس کی دعوت دینے۔"

"اس کے ساتھ کہیں مت جانا۔ چاہے کرسمس ہو یا اور کچھ۔"

"تم سے التجا ہے مجھے اکیلا مت چھوڑنا۔ ورنہ میں بھی ایما کی طرح دنیا چھوڑ دوں گی۔"

"ایک مرتبہ غلطی ہوئی ہے دوبارہ نہیں ہوگی۔ تم فکر مت کرو۔ بس کچھ بھی ہو۔ مجھے بتا دینا۔ چاہے جتنا بھی برا ہو۔"

"اب کیا برا ہوگا جو ہونا تھا وہ ہو چکا ہے۔ پتھر سے ریت بن گئی ہوں۔ ابھی بھی تم کہتی ہو برا ہوگا۔"

اس کے پاس اس کے اِس اٹکے ہوئے کانٹے کا کوئی جواب نہ تھا۔ مجبوراً بات بدلنے لگی۔" کچھ کھایا ہے۔"

غصے سے آمنہ" تم ہر وقت کھانے کو کیوں اندر لے آتی ہو۔ نا بھی کھاؤں گی تو کوئی قیامت نہیں آجائے گی۔"

"اس جسم کی مشین کو تو چلانا پڑتا ہے۔"

"یہ مشین نہ بھی چلی تو دنیا کہاں ختم ہوگی۔"

"تمھارے لیے نہیں۔ لیکن ہمارے لیے ہو جائے گی۔ یہ جو دل میں پھانس بن کر بیٹھا ہوا ہے۔ اس کو نکال دو۔"

"میرا دل چاہتا ہے اس دنیا سے سارے ہیری ختم کر دوں۔ تا کہ کوئی ایما اذیت سے نہ مرے۔ سب کی زندگی پھولوں سے بھر جائے۔ آصفہ، ایما نے بہت غضبناک طریقے سے موت کو گلے لگایا ہے۔ وہ میرے دل و دماغ پر چھایا ہوا ہے۔"

پھر وہ آصفہ کو ایما کی کہانی بتانے لگ گئی تھی۔ وہ بھی اسی کی کہانی سن کر آنکھوں کے سمندر کو بہنے

سے نہ روک سکی۔ سمندر بہنے سے رکتا ہے جب بھی زیادہ پانی آتا ہے تو وہ اُس کو کہیں نہ کہیں بہنے کا حکم دے دیتا ہے کچھ اندر نہیں رکھتا۔ آنکھیں بھی ایسی ہی ہیں۔

☆......☆......☆

لیب کے بعد آمنہ واپس جا رہی تھی وہ اپنے دھیان جلدی جلدی چل رہی تھی کہ عامر بھی بھاگ کر اُس کے ساتھ ہو لیا۔

''بڑی جلدی میں ہو۔''

''ہوں تو پھر۔''

''تمھارے پاس وقت تو نہیں ہوگا۔ مگر تم سے ایک کام آن پڑا ہے۔''

''بولو۔''

''مجھے سکالرشپ فارم پر تصویریں لگانی ہیں۔ آج کل کے جدید دور میں بھی اِن کو ہاڈ کاپی چاہیے۔ تم نے بھی بنوائیں تھیں کہاں سے؟''

وہ اس کو پتہ سمجھانے لگی۔ چونکہ وہ سمجھنا نہیں چاہتا تھا تو کیسے سمجھ سکتا تھا۔ وہ ظاہر کروا رہا تھا اُس کو سمجھ نہیں آ رہی وہ تو وہاں کبھی گیا ہی نہیں اس کے لیے نئی جگہ ہے۔ انجان بنتے ہوئے عامر۔

''اگر تمھیں برا نہ لگے تو تم میرے ساتھ آ جاؤ۔''

چونکہ ابھی بھی اس میں انسانیت کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی۔ کوئی ضرورت مند دیکھتی تھی تو مدد کے لیے تیار ہو جاتی تھی۔ سوچنے لگی ''میری وجہ سے کسی کا بھلا ہو جائے تو برا ہی کیا ہے؟''

''کیا سوچ رہی ہو؟''

''سوچ رہی ہوں کہ تمھارے ساتھ چلتی ہوں۔''

دونوں مارکیٹ کے لیے بس پر سوار ہو گئے۔ بس میں جو سیٹ خالی تھی اس پر دو بندے بیٹھ سکتے تھے۔ آمنہ کھڑی ہو گئی وہ اُس کے ساتھ جڑ کر بیٹھنا نہیں چاہتی تھی۔ ''تم بیٹھ جاؤ۔''

اس کو اپنے خلوص اور اُس کے خیالات کی قدر ظاہر کرنے کے لیے عامر۔

''اگر تم کھڑی ہو سکتی ہو تو مجھے بھی کھڑا ہونے میں کوئی مسئلہ نہیں ہے۔''

دونوں نے کھڑے کھڑے سفر کیا عامر میں یہ عادت تھی کہ وہ کسی کو بھی بور نہیں ہونے دیتا تھا اُس نے آمنہ کو کہاں بور ہونے دینا تھا۔ اُس نے اتنی مزے مزے کی باتیں کہیں کہ اُس کا ہنس ہنس کر برا حال تھا سفر کے کٹنے کا احساس بھی نہ ہوا اور وہ منزل پر پہنچ گئے۔ انھوں نے تصویریں بنوائیں۔ عامر کا دل آمنہ کے ساتھ انجوائے کرنے کو کر رہا تھا ایک لمبے عرصے کے بعد موقع ملا تھا۔ وہ اُس کو کھونا نہیں چاہتا تھا۔ کسی کو بھی بے وقوف بنانا اُس کے دائیں ہاتھ کا کام تھا۔ آمنہ تو کسی باغ کی مولی نہ تھی۔

معصومیت سے آمنہ ''مجھے کیوں برا لگنا ہے۔ جب مدد کا فیصلہ کیا ہے تو مکمل کریں گے۔''

دل میں عامر ''لڑکیوں کی یہ ہی بے وقوفی ہم لڑکوں کو اچھی لگتی ہے۔''

دونوں پوری مارکیٹ پھرے۔ آمنہ جیسی معصوم لڑکی کی صحبت کسی کو بھی بری نہیں لگ سکتی تھی تو عامر کو کہاں بری لگنی تھی۔ اُس نے اِس کو خوب انجوائے کیا۔ بلکہ اس کا خلوص سے چیزیں خریدنے میں اس کی مدد کرنا۔ اس کو اچھا لگ رہا تھا۔ مگر سانپ کا کام تو صرف ڈنگ مارنا ہی ہوتا ہے۔ آمنہ بھی آج خوش تھی۔ بڑے لمبے عرصے کے بعد وہ اتنی خوش ہوئی تھی۔ دونوں واپس اپنے اپنے کمرے میں چلے گئے۔ رات کو آصفہ کا فون آیا تو آمنہ۔

''آج میں عامر کے ساتھ مارکیٹ گئی تھی اس نے تصویریں بنوائی تھیں۔ اُس کو پتہ نہیں تھا کہاں سے بنتی ہیں۔''

غصے سے آصفہ ''وہ کوئی منا کا کا ہے جو اُس کو پتہ نہیں تھا۔ تم نے لڑکی ہو کر جگہ ڈھونڈ لی تھی۔ وہ لڑکا ہو کر نہیں ڈھونڈ سکتا تھا۔ ویسے ہی فراڈ یہ ہے بس تمھیں اس کے ساتھ نہیں جانا تھا۔''

''آصفہ اس کو سچ میں ضرورت تھی۔''

''ضرورت کا تو مجھے پتہ نہیں تمھیں کیوں سمجھ نہیں آتی۔ وہ تمھارے ساتھ گھومنا پھرنا چاہتا تھا۔ وہ تم نے اُس کا مقصد پورا کر دیا۔''

''سچ میں سکالرشپ کے لیے اس کو تصویریں چاہیے تھیں۔''

"کہانا، اُس کو ضرورت تھی یا نہیں، مجھے اس سے کوئی غرض نہیں تم بتاؤ تمھاری انسانیت کب ختم ہو گئی سامنے سانپ بھی تمھیں نظر نہیں آتا۔"

بہن کا سخت لہجہ سن کر اُس کو لگا غلطی ہوئی ہے۔

"آصفہ، بس پتہ نہیں کیوں میں اُس کی باتوں میں آجاتی ہوں۔"

بڑے غصے سے آصفہ "آئندہ میں نہ سنوں کہ تم اُس کے ساتھ کہیں بھی گئی ہو۔ ضرورت ہے تو ہم کیا کریں۔"

آہستہ سی آواز میں آمنہ "نہیں جاتی، کہانا۔"

اس کا غصہ ٹھنڈا ہوا۔ "اگر وہ تمھارے ساتھ کچھ کر دے تو کیا کرو گی۔"

"یہاں اتنی برائی ہونے کے باوجود قانون پر عمل ہوتا ہے کوئی آپ کی مرضی کے بغیر کچھ نہیں کرسکتا۔ یہاں پر پولیس محافظ ہے انڈیا پاکستان کی طرح نہیں ہے کہ اگر کوئی مصیبت زدہ اس کے پاس جاتا ہے تو پہلے وہ سو سو سوال کرتی ہے پھر خود بھی اس کو لوٹ لیتی ہے۔ اس لیے کوئی بھی پولیس کے پاس جانے سے ڈرتا ہے یعنی وہ خود کوئی مصیبت میں ڈالنا نہیں چاہتا۔ یہاں پولیس کے پاس جائے تو تسلی ملتی ہے وہ تحقیق کرتی ہے اور عدالت انصاف کرتی ہے اس لیے یہ معاشرے ترقی کر رہے ہیں اگر یہ چیز ہمارے معاشرے میں آجائے تو ہمارا معاشرہ جنت بن جائے۔"

"مجھے تمھاری کوئی تقریر نہیں سننی۔ تم نہیں جاؤ گی۔ تو نہیں۔ اگر کہیں جانا ہوگا تو پوچھ کر جاؤ گی۔"

"یہ کہہ دوں کہ بہن سے پوچھ کر بتاؤں گی۔" اتنے معصوم انداز میں آمنہ نے کہا کہ آصفہ کو اس پر پیار آگیا۔

"جی ہاں، یہ پہلے والا ہی سبق یاد رکھنا ہے۔"

☆......☆......☆

اب آمنہ نے آصفہ کی نصیحت پر عمل کرنے کا فیصلہ کر لیا تھا۔ اس نے دوبارہ کام کو جینے کا سہارا بنا لیا تھا۔ سب ماضی کو بھول کر۔ تاکہ زندگی کی گاڑی پکڑ سکے۔ مگر ارد گرد کے لوگ آپ کو سکون کہاں لینے

دیتے ہیں۔ وہ لیب میں کام میں اس قدر ڈوبی ہوئی تھی کہ اُس کو اپنے اردگرد کی ہوش نہ تھی۔ فون پر میسج کی گھنٹی بجی۔ مگر اس کو کہاں سنائی دینی تھی کیونکہ اس نے کام کرنے کا فیصلہ کرلیا تھا۔ پھر فون کی گھنٹی بجی جو نا چاہتے بھی اُس کو سنائی دی۔ کیونکہ گھنٹی تو بند ہی نہیں ہو رہی تھی مسلسل شور مچائے ہوئے تھی۔ اس نے فون کو دیکھا تو امل کا نمبر تھا۔ اُس کو دیکھتے ہی۔

''اب یہ یقیناً، اس سکون سے بہتے ہوئے پانی میں ہلچل مچانے کے لیے آئی ہے۔ جو سکون سے بہنا چاہتا ہے۔''

اس نے فون کی آواز بند کردی۔ اور کام میں لگ گئی۔ اس دن اس نے بہت کام کیا۔ کام سے فارغ ہوکر ہشاش بشاش اپنے کمرے میں پہنچی۔ وہ ابھی بیٹھی ہی تھی کہ آصفہ کا فون آگیا۔ فون اُٹھاتے ہی

''میں آج جیت کر آئی ہوں۔ تم نے مجھے منزل تک پہنچانا ہے۔ پلیز، چھوڑ نا مت۔''

اس کے لہجے میں فریاد تھی۔ محبت سے آصفہ۔

''میں تو صرف ہاتھ پکڑ سکتی ہوں۔ لڑنا تمھیں خود ہے۔''

''میں لڑوں گی اگر تم میرے ساتھ رہی۔ اس سفر میں یہ غلط فہمی مت پالنا کہ میں بہادر ہوگئی ہوں۔ میں بار بار ہارنے لگتی ہوں۔ مگر تمھارا ساتھ مجھے کسی سایہ کا احساس دلاتا ہے۔ اور مجھے لگتا ہے۔ میں دنیا فتح کرلوں گی۔''

''آج کسی نے تمھیں ہلانے کی پھر کوشش کی ہے۔''

''امل فون کر رہی تھی جو خطرے کی گھنٹی ہے۔''

''تو تم امل سے ڈر گئی ہو۔''

''میں تو آہٹ سے ڈر جاتی ہوں۔ یہ تو پھر امل ہے جس کا پورا وجود ہے۔''

''کیوں وہ جن ہے۔''

''نہیں اس کے پیچھے جن سے بھی بڑا خوفناک دیو ہے۔''

''میری بہن تو نجومی ہوگئی ہے۔ دور سے ہی خطرے کی بو سونگھ لیتی ہے۔''

''میرے جیسے لوگ۔جن کی روح تک کو کسی نے زخمی کیا ہو۔اس کا ڈرنا بنتا ہے۔میں تو صرف بو سونگھنے کے قابل ہوئی ہوں۔''

''اللہ کرے اب تم اس دیو کے ہاتھ نہ آؤ۔''

''تم ساتھ رہی تو نہیں آؤں گی۔''

اس دوران پھر امل کا فون آ گیا۔وہ فون کو دیکھنے لگی تو آصفہ۔

''کس کا فون ہے۔''

''امل کا۔''

''تو سن لو۔دیکھو کیا کہتی ہے۔''

''اچھا،تو میں اس کو سن کر تمہیں دوبارہ فون کرتی ہوں۔''

اس کا فون بند کر کے آمنہ نے امل کا فون اٹھا لیا۔

''میں تمہیں۔صبح سے میسج اور فون کر رہی تھی۔''

انجان بنتے ہوئے''کیوں خیریت ہے؟''

''خیریت ہے نیو ایئر کی پارٹی ہے میں نے سوچا تمہیں بھی دعوت دے دوں۔''

''سوری،میں نہیں جا پاؤں گی۔میری لیب اور پھر جاب ہے۔''

''یہ تو زندگی کے کام ہوتے رہیں گے ایک دن چھٹی کر لو ان سے تو قیامت نہیں آ جائے گی۔ ایک ہی رات کی بات ہے۔''

''نہیں میں تھک جاؤں گی پھر مجھ سے کام نہیں ہو پائے گا۔''

''کچھ نہیں ہوتا۔کام کے ساتھ انجوائے منٹ بھی ہونی چاہیے۔''

''مجھے نہیں پسند،سوری۔''

اس کے ساتھ ہی آمنہ نے فون بند کر دیا اور پھر آصفہ کو فون ملایا۔

''کیوں وہ فون کر رہی تھی۔''

''نیو ایئر کی پارٹی میں جانے کے لیے۔''

''یقیناً، عامر نے کہا ہوگا۔''

''تم صحیح سمجھی۔''

''اب وہ جال دوسری طرح پھینک رہا ہے۔ تاکہ کسی نہ کسی طرح پھر تم اُس کے جال میں پھنس جاؤ۔ بڑا ڈھیٹ انسان ہے۔''

اس کی تائید کرتے ہوئے آصفہ۔

''جتنی بھی بے عزتی کرتی ہوں کہ وہ دوبارہ میری شکل بھی نہ دیکھے مگر نجانے کیوں پھر آجاتا ہے۔''

''ایسے لوگوں کو بے عزتی سے کچھ نہیں ہوتا۔ وہ سوچتے ہیں بس شکار ہاتھ آنا چاہیے۔ اس کے لیے اُن کو کسی کے پاؤں بھی پڑنا پڑے تو پڑ جاتے ہیں۔''

''لیکن میں چاہتی ہوں وہ میرے سامنے نہ آئے پھر آجاتا ہے۔ میں بھولنا چاہتی ہوں وہ بھولنے نہیں دیتا۔''

''اس کا مقصد پورا نہیں ہوا۔ وہ کیسے تمھیں چھوڑے؟ وہ آخری حد تک جائے گا۔''

''میرا سب کچھ تو لے لیا ہے۔ اب کیا رہ گیا ہے۔ جو وہ میرے پیچھے پڑا ہے۔''

''دنیا جس حد تک جاتی ہے۔ ویسا ابھی کچھ نہیں ہوا۔ اُس کے نزدیک تم بچ کر نکل گئی ہو۔''

''لیکن میرے مطابق میں نے سب کچھ کھو دیا ہے۔''

''جو بھی ہوا۔ لیکن اب تم نے کچھ نہیں کھونا۔ آج کے دن کی جنگ تم پھر جیت گئی مبارک ہو۔''

''اچھا، کافی بات ہوگئی اب کل بات ہوگی۔''

یہ الفاظ اس کے نارمل ہونے کی علامت تھے اور آصفہ کی کامیابی کے۔

☆......☆......☆

مال کی سجاوٹ قابلِ دید تھی امل اور عامر نے تقریباً سارا مال ہی گھوم چھوڑا تھا وہ ساتھ ساتھ گھوم رہے تھے۔ ہر شے نئے سال کو خوش آمدید کرنے کو تیار تھی۔ لوگ بھی نئے سال کی خوشیاں سمیٹنے کو تیار تھے

نیا سال ہو یا پرانا آمنہ کو اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا تھا۔اس کے لیے سارا وقت ایک ہی جیسا تھا۔وہ برگر شاپ پر کام کر رہی تھی تو امل نے اس کو فون کیا۔اس نے فون دیکھا اور رکھ دیا۔اِس نے دوبارہ فون کیا تو آمنہ کو لگا وہ جان کھائے گی۔آمنہ نے فون کی آواز بند کر دی۔تا کہ نہ آواز آئے اور نہ دیکھنے کی نوبت آئے۔دو تین مرتبہ جب امل نے فون کیا اور آمنہ نے نہیں اٹھایا تو امل۔

''عامر، آمنہ نے بات کرنی تو دور کی بات فون ہی بند کر دیا ہے۔''

''تو کیا اب تم اس کو فون کر رہی تھی۔''

''تو اور کیا میں جھاگ مار رہی تھی۔''

''سوری، اچھا تو تم اس کو فون کر رہی تھی۔''

نظریں عامر پر جمائے امل۔

''اس کا رویہ بتاتا ہے۔جیسے تم نے اس کو بھی نہیں چھوڑا ہے۔''

''نہیں......نہیں میں نے اس کے ساتھ کچھ نہیں کیا۔میں تو تمھارا دوست ہوں اور تم مجھ پر شک کر رہی ہو۔''

''میں تمھاری دوست ہوں اس لیے تمھیں اچھی طرح سے جانتی ہوں اس لیے تو کہہ رہی ہوں۔یار! وہ تو اتنی معصوم اور پیاری ہے۔اس پر تو دشمن کو بھی پیار آ جاتا ہے۔مگر تمھیں کچھ نہیں ہوا۔''

جب کسی کی چوری پکڑی جاتی ہے اور وہ نظریں چراتا ہے۔اس طرح عامر بھی۔

''میں نے اس کو کیا کہا ہے۔وہ تو ویسے ہی آدم بیزار ہے۔تم نے دیکھا نہیں۔کہیں آتی جاتی نہیں۔کسی سے بھی ملتی نہیں۔''

''کوئی بھی ایسا نہیں ہوتا دوسروں کے رویے اسے لوگوں سے دور لے جاتے ہیں۔ورنہ انسان معاشرتی حیوان ہے وہ لوگوں سے ملنا چاہتا ہے۔تم نے مجھے اس کو جاب کرنے کے لیے بھی کہا تھا۔میں نے اس کو مجبور بھی کیا۔مگر پھر بھی اس نے نہیں کی۔اس کو نیو ایئر کی تقریبات دیکھنے کے لیے بلایا مگر وہ نہیں آئی۔دراصل وہ تم سے دور بھاگتی ہے۔تم لوگ دوسروں کی معصومیت کیوں ختم کر دیتے ہو۔اصل

میں تو تم لوگ لٹیرے ہو۔"

"تمہیں اس پر کچھ زیادہ پیار نہیں آ رہا۔"

"یاد نہیں۔ کاشف نے اس کو جب پہلی مرتبہ ٹرین سے اترتے ہوئے دیکھا تھا تو کیا کہا تھا۔"

وہ یاد کرنے لگا جب وہ پہلی مرتبہ اس شہر آئی تھی اس کے ساتھ سامان بھی تھا۔ وہ ٹرین سے اتر رہی تھی تو کاشف۔

"اتنی معصوم لڑکی، کہاں بھیڑیوں کے گروہ میں آ رہی ہے۔"

وہ سامان کم لے کر اتر رہی تھی مگر بول زیادہ رہی تھی۔ ایک بریف کیس اُس نے اُتارا پھر دوسرا اور چل پڑی۔ پھر نجانے کیا یاد آیا۔ ان دونوں کو وہاں پر ہی چھوڑا اور واپس دوڑی۔ جلدی سے بھاگ کر ڈبے میں چڑھی ہینڈ بیگ اور دوسرا سامان لے کر آئی۔ وہ سامان کے ساتھ لدھی بھدی جہاں پہلا سامان تھا وہاں پہنچی اور ایک جگہ رکھ کر گننے لگی۔ پھر خوشی سے شکر ہے سب پورا ہو گیا۔ خود کے کندھے پر ہاتھ مارتے ہوئے "آخر کام تم نے کر دکھایا۔"

اس کی اس ادا پر سب کو پیار آ رہا تھا۔ وہ ابھی سوچ سے باہر نکلا ہی تھا تو امل "تم نے اس کے ساتھ اچھا نہیں کیا۔"

کوئی جتنا بھی احساس دلا دے کبھی کسی کو احساس نہیں ہوتا۔ کیونکہ احساس ضمیر کا نام ہے۔ آج کل لوگوں میں ضمیر نہیں۔ ضمیر تو پرانے زمانے کا قصہ بن گیا ہے۔ لگتا ہے۔ لوگ کہانیاں سنایا کریں گے کسی زمانے میں لوگوں میں ضمیر ہوتا تھا۔ لوگ دوسروں کے ساتھ زیادت کرتے تھے تو احساس گناہ کے مارے سو نہیں سکتے تھے۔ لیکن یہ اب ممکن نہیں کیونکہ زمانہ بدل گیا ہے۔ اب اس طرح کی اقدار کا وجود نہیں رہا جیسے ڈائینوسارس۔ ہمیں لگ رہا ہے ہم ترقی کر رہے ہیں۔ اصل میں ہم اخلاق و کردار ختم کر رہے ہیں۔ جتنا معاشرہ زیادہ ترقی کر چکا ہے اتنا ہی مروت و لحاظ ختم ہو چکے ہیں۔ یہ آج کی ترقی سمجھی جاتی ہے کہ مائیں بچوں کو انسانیت سکھانے کی بجائے سب سے زیادہ دولت مند ہونے کا طریقہ سکھاتی ہیں۔ اس لڑکی پر سب کی نظر ہوتی ہے جو سب سے زیادہ امیر ہو چاہے وہ بدتمیز اور بدلحاظ سب سے زیادہ

کیوں نہ ہو۔اس کی ہر ہر ادا کو سراہا جاتا ہے۔اس کو عزت دی جاتی ہے۔اچھی اور باکردار لڑکیوں کے ساتھ وقت گزارہ جاتا ہے۔اس کو ہم سفر بنانا توہین ہوتی ہے۔

☆......☆......☆

اب آمنہ نے زندگی کے رنگ ڈھنگ سیکھ لیے تھے۔اس نے اینٹ کا جواب پتھر سے دینا شروع کردیا تھا۔جب آپ ایسا کرتے ہو تو چور خود ہی بھاگ جاتے ہیں۔آمنہ لیب سے نکل کر واپس جارہی تھی تو اس کو دیکھ کر عامر بھی اُس کے ساتھ چلنا شروع ہو گیا تھا۔

''آج کل بڑی مصروف ہو۔تھوڑا خود کے لیے وقت نکالو۔کہیں کھانا کھانے چلیں۔''

''مجھے نہیں جانا۔''

''نہیں جانا تو مجھے لے جاؤ۔''

''میرے پاس وقت نہیں تم کسی اور کے ساتھ چلے جاؤ۔''

''مجھے تمھارے ساتھ ہی جانا ہے۔''

''یہ فضول باتیں چھوڑو۔یہ بتاؤ رشتہ کب بھیج رہے ہو۔''

رشتے کا لفظ سنتے ہی عامر کی بولتی بند ہوگئی۔

''میں کوشش کر رہا ہوں۔''

''تم کوشش کررہے ہو تو کامیاب ہو ہی جاؤ گے۔میں تمھارا انتظار کروں گی۔مگر تم عدہ کرو تم مجھ سے ہی شادی کرو گے۔''

''اگر میں زور دوں تو وہ مان بھی جائیں گے لیکن میں نہیں کروں گا میں اپنے والدین کے خلاف نہیں جانا چاہتا۔میں صرف کہوں گا اگر وہ مان گئے تو ٹھیک ورنہ تمھارا اور میرا راستہ الگ ہے۔''

وہ تو صاف صاف انکار کر رہا تھا مگر آمنہ اُس کی بات سمجھنا نہیں چاہتی تھی۔وہ ان لڑکیوں میں سے تھی جو راستے نہیں بدلا کرتیں۔

''اگر نہیں کرنی تھی تو ڈرامہ تو نہ کرو صاف انکار کرو۔''

”میں انکار نہیں کر رہا۔ کہہ رہا ہوں میرے لیے مت بیٹھو۔ میرے والدین تم سے شادی پر نہیں مانیں گے۔“

”تمھارے ہی ڈائیلاگ تھے نا، تم بس ہاں کہو، میں تم سے شادی کے لیے تیار ہوں۔“

وہ نیچے منہ کر کے ”میں نے کب شادی سے انکار کیا ہے یا کر رہا ہوں میں نے کہا نا کوشش کر رہا ہوں۔ لیکن وعدہ نہیں کر سکتا۔ وہ مانے یا نہیں۔ میں ان کے خلاف نہیں جا سکتا۔“

غصے سے آمنہ ”جب تم لوگ محبت کے جال میں پھانسنے کی کوشش کر رہے ہوتے ہو تو تب والدین سے پوچھ لیا کرو۔ اگر اتنے ہی فرمانبردار بننا ہوتا ہے۔ تب تو صرف مزے لینے کے لیے بڑے بڑے دعوے کرتے ہو۔“

”تم اس کے علاوہ کوئی اور بات نہیں کر سکتی۔“

”اس کے علاوہ کیا بات کروں۔ تمھیں کھانے پر لے جاؤں یا تمھارے لیے تفریح کا سامان بنوں۔ تا کہ تمھارا وقت اچھا گزرے۔“

”تم میری محبت کا ناجائز فائدہ اٹھا رہی ہو۔ میں ہی پاگل ہوں جو تم سے ذلیل ہونے آجاتا ہوں۔ جتنی تم میری بے عزتی کرتی ہو۔ کوئی اور ہو تو میں اس کو منہ بھی نہ لگاؤں۔“

”میں دعوت نہیں دیتی۔ آؤ اور مجھے منہ لگاؤ۔“

”سمجھو نا، کیوں منہ لگاتا ہوں اور ذلیل ہوتا ہوں۔“

”تم ذلیل مت ہو۔ رشتہ بھیجو اور شادی کرو۔ مجھے ان ڈائیلاگ کی ضرورت نہیں۔“

”تمھیں میرے جیسا سٹیٹ فارورڈ انسان کہاں ملے گا۔“

طنزیہ انداز میں آمنہ ”ہاں جی، اتنا سٹیٹ فاورڈ کہ جال میں پھانس کر کہتا ہے۔ میرے والدین نہیں مانتے۔

بندہ پوچھے، لڑکی کو بلانے سے پہلے والدین سے پوچھ لیا کرو۔ میں اس کو بلاؤں یا نہیں۔ اس سے آپ میرے شادی کریں گے یا نہیں۔ تا کہ ہم اس کو اپروچ کریں یا نہیں۔

مجھے تمھارے ان ڈائیلاگ سے کوئی سروکار نہیں۔''

''اب میں نہیں آؤں گا۔ بہت تمھارے ہاتھوں ذلیل ہو چکا۔''

''مت آنا، جاؤ خدا حافظ۔''

''ہاں...... ہاں جا رہا ہوں۔ میرا ہی دماغ خراب ہے جو آ جاتا ہوں۔''

''یہ ڈائیلاگ پرانا ہو گیا ہے۔ کوئی نیا ایجاد کرو۔''

اس کی کھری کھری سن کر غصے سے وہاں سے چلا گیا۔

رات کو جب آمنہ کی آصفہ سے بات ہوئی تو آمنہ۔

''آج میں نے اس کو کھری کھری سنا دی ہیں۔''

''تم نے بہت اچھا کیا۔ اب تم لگی ہو شہزادی۔ بہتر ہے تم اس کے بارے میں کوئی فیصلہ کر لو۔''

''کیا کروں آصفہ، مجھ سے فیصلہ ہی تو نہیں ہو پاتا۔ ایک لمحہ فیصلہ کرتی ہوں تو پھر اس کے بارے میں سوچنے لگتی ہوں۔''

''اس کو یہ ظاہر مت کروانا۔''

''نہیں، صرف تم سے کہہ رہی ہوں۔ اس کو کبھی نہیں کہوں گی۔ اب تو خاص طور پر۔''

''گڈ ویری گڈ۔''

☆......☆......☆

آمنہ کو آج اپنی کہانی بڑی شدت سے یاد آنے لگی تھی۔ وہ اس دن بڑی خوش تھی۔ بھاگی بھاگی ماں کے کمرے میں۔

''امی...... امی...... میرا ایڈمیشن لیٹر آ گیا ہے۔''

خوشی سے روبینہ بیگم نے اس کو گلے لگایا اور پیار کیا۔

''انٹرویو کی اپوائنٹمنٹ کب ہے۔''

''دو جولائی کو۔''

''یعنی ہفتے کو۔ بروقت پرہی آیا ہے۔''

کمرے میں داخل ہوتے ہوئے آصفہ۔

''اتنا شور کیوں مچایا ہے۔''

ہنس کر روبینہ بیگم ''آمنہ کا ایڈمیشن لیٹر آیا ہے۔''

خوش ہو کر آصفہ نے آمنہ کو گلے لگایا ''بہت مبارک ہو تمھارے خواب کا پہلا قدم کامیاب رہا۔''

تھینکس ...... تھینکس

اس کے سر پر پیار سے ہاتھ پھیرتے ہوئے روبینہ بیگم۔

''اب تم انٹرویو کی اچھی تیاری کرنا۔ تاکہ کامیاب رہو۔''

''جی...... امی آپ فکر ہی نہ کریں۔ انٹرویو کے لیے آپ کی بیٹی بالکل تیار ہے۔''

''ہمیں بالکل اندازہ ہے۔ ساتھ دعا گو بھی ہیں اللہ ایمپیسی والوں پر رحم کرے۔ جہاں تم جا رہی ہو۔ وہاں کیا کیا ادھم مچنا ہے۔''

''میں بہت سمجھدار ہوں۔ تمھاری بھول ہے۔''

اس کو سر سے پاؤں تک دیکھتے ہوئے ''وہ تو ہمیں تب پتہ چلے گا جب تم واپس آؤ گی۔

تو ہم پوچھیں گے کیا بلنڈر مارا تھا۔

ابھی کچھ کرنا قبل از وقت ہے۔''

''تم میری بیٹی کو کچھ مت کہو۔ ویسے بھی شیث آیا ہوا ہے۔ وہ اس کے ساتھ جائے گا۔''

''امی وہ بھی اس لیے آیا ہے۔ اس کو بھی اپنی بہن کی صلاحیتوں پر پورا یقین ہے کہ وہ کتنے پانی میں ہے۔''

''جناب! پانی تو میں آ کر بتاؤں گی۔ جب تم لوگوں کو منہ توڑ جواب دوں گی۔''

''میری معصوم بیٹی کا مذاق نہ اڑاؤ۔''

''ہم ایمپیسی پر رحم کی اپیل کر رہے ہیں اور ماں جی، آپ اس کو معصوم قرار دے رہی ہیں۔''

''معصوم ہی تو ہے۔ مسئلہ ہی یہ ہے۔''

وہ بھاگ کر ماں کے ساتھ جڑ کر بیٹھ گئی۔ جیسے پناہ مل گئی ہو۔ شام کو سب آمنہ کے لیے ڈریس کا انتخاب کر رہے تھے۔ آمنہ نے ان کو الماری سے ایک ایک ڈریس نکال کر پہن کر بھی دکھادیا مگر کسی کو کوئی پسند نہ آیا۔ چونکہ اس کے ڈریس ماڈرن نہ تھے شیث اس کے لیے ماڈرن مگر نفیس سا ڈریس چاہتا تھا جب کوئی پسند نہ آیا تو شیث اور ماں کے ساتھ مجبوراً مارکیٹ جانا پڑا۔ پوری مارکیٹ گھوم کر ایک بہت پیاری مگر ڈیسنٹ سی شرٹ ساتھ ٹراؤزر اور سکارف کا انتخاب کیا گیا۔ چار گھنٹے لگا کر وہ گھر آئے تو آمنہ ''کیا بازار خریدنے گئے تھے۔ جو اتنی دیر لگادی ہے۔''

اپنی تھکاوٹ کا اظہار کرتے ہوئے آمنہ۔

''کچھ نہ پوچھو...... کچھ نہ پوچھو...... ہم کتنا گھومے ہیں۔ شیث کو تو کچھ پسند ہی نہیں آرہا تھا۔''

''اور تمھیں۔''

''مجھے تو پہلی دکان پر ہی ڈریس پسند آگیا تھا۔ مگر بعد میں اس میں تھوڑا سا نقص نظر آنے لگ گیا تھا۔''

''مطلب، تم شیث پر ڈال رہی ہو۔ تمھیں بھی کچھ پسند نہیں آرہا تھا۔''

''آصفہ تم یہ ڈریس رکھو۔ شیث آؤ ہم انٹرویو کی تیاری کرتے ہیں۔''

''تم صحیح ٹریک پر چل رہی ہو۔''

''تم آصفہ، ذرا ڈریس کو اچھے طریقے سے استری کر دینا تاکہ ڈریس میرے جیسا ہو جائے۔''

ماں کی طرف دیکھتے ہوئے آصفہ۔

''سنا امی آپ نے، اب ڈریس کو اس جیسا ہونے کی ضرورت ہے۔''

پھر آمنہ کی طرف منہ کر کے ''بہن اس نے نہیں بدلنا۔ یہ جیسا ہے ویسا ہی رہے گا۔''

کندھے اچکاتے ہوئے آمنہ۔

''تمھیں اس کی سمجھ نہیں آئے گی۔ میں ابھی بحث نہیں کرسکتی۔ تم اپنا کام کرو اور میں اپنا کام کرنے جارہی ہوں۔''

بہرحال آصفہ کپڑے اُٹھانے ان کو استری کرنے اور آمنہ اور شیث انٹرویو کی تیاری کرنے لگ گئے۔ ایمبیسی جانے کا دن آیا تو سارا گھر اس کو تیار کر رہا تھا۔ چونکہ اسلام آباد جانا تھا سفر بھی رات کا تھا۔ انٹرویو اگلی صبح دس بجے تھا۔ اس کے کاغذات شیث سیٹ کر رہا تھا۔ آصفہ اس کی تیار ہونے میں مدد کر رہی تھی چونکہ اس کو میک اپ نہیں کرنا آتا تھا تو ماں کے ساتھ جا کر بیٹھ گئی اور آہستہ سے۔

''امی، مجھے میک اپ کرنا نہیں آتا۔''

پاس ہی بیٹھا شیث ''امی، آپ نے بھی ان کو کچھ نہیں سکھایا۔ اب میک اپ پر ہی مسئلہ کشمیر کھڑا ہو گیا ہے۔''

آصفہ جس کے پاس ہر مسئلے کا حل ہوتا تھا نہ بھی ہوتا تو نکال لیتی تھی۔

''تم صرف بیس لگا کر اور لیپ گلوز لگا لو، بہت پیاری لگو گی۔''

بہن کی بات پر اس نے فوراً عمل کرنا شروع کر دیا۔ بیس لگائی چہرے پر اور ہونٹوں پر لیپ گلوز۔ سر پر اچھے طریقے سے سکارف لیا جس کو لینے میں وہ ماہر تھی۔ تو بہت ہی پیاری سی پری بن گئی۔ دعاؤں میں ماں اور آصفہ نے انھیں رخصت کیا۔

رات بھر سفر کے بعد وہ صبح اسلام آباد پہنچ گئے۔ جہاں انھوں نے ریسٹورنٹ میں ناشتہ کیا اور تازہ دم ہو کر ایمبیسی پہنچ گئے۔ جیسے ہی وہ ایمبیسی کے اندر داخل ہوئے تو پتہ چلا اپوائنٹمنٹ ہی غلط ہے سٹڈی کی بجائے ویزیٹ ویزے کی لی ہوئی تھی۔ اس پہلے دھچکے نے اس کے ہوش اڑا دیئے۔ ان میں سے ایک آدمی نرم دل تھا بولا ''تم اندر چلی جاؤ، تمھاری قسمت لیکن غلط اپوائنٹمنٹ پر، انٹرویو نہیں لیا جاتا۔''

جو لکھا ہوتا ہے وہ ہو کر رہتا ہے بعض اوقات بھنے چنے بھی آگ آتے ہیں۔ اس پہلے ہی دھچکے پر وہ بہت پریشان تھی۔ انٹرویو کے لیے پہلے لین پر گئی تو وہاں عورت تھی وہ بھی بہت بدمزاج اور بداخلاق۔ اس نے اس کے کاغذات دیکھے تو غصے سے اٹھا کر سائیڈ پر رکھ دیئے۔ ''تم جا سکتی ہو۔ اپوائنٹمنٹ ہی لینی نہیں آتی جانے کے کیا خاک قابل ہو۔''

ٹوٹے ہوئے دل کے ساتھ آمنہ نے کاغذات اکٹھے کیے اور کیبن سے نکلی اس کا سارا جوش

خاک میں مل گیا تھا۔ چہرے کی ہوائی اڑی ہوئی تھی۔ شکست زدہ ہو کر جا رہی تھی۔ احسن ساتھ والے کیبن میں جا رہا تھا۔ اس کی نظر آمنہ پر پڑی تو نجانے کیوں اس کی نظروں کو آمنہ کی معصوم سی صورت اچھی لگی۔ اس کے دل نے کہا ”اس کے لیے کچھ کرو۔ اب کے بار چڑیا گھونسلے سے باہر نکلی ہے۔ اگر دل برداشتہ ہوگئی تو پھر نہیں نکل پائے گی۔“

وہ تو خود میں گم جا رہی تھی اس کے سامنے آ کر۔

”تم انٹرویو دینے آئی ہو۔ اس کیبن میں آؤ۔“

ان الفاظ سے آمنہ کے اندر خوشی کی لہر دوڑ پڑی۔ وہ اس کے پیچھے چل پڑی۔ کیبن میں پہنچ کر وہ اپنی سیٹ پر بیٹھ گیا۔ آمنہ اُس کے سامنے والی سیٹ پر۔ اس کے چہرے کی اڑی ہوئی ہوائیاں دیکھ کر اس نے اس کو پہلے پر سکون کرنے کا سوچا اور اُردو میں پوچھنے لگا۔

”کہاں سے آئی ہو۔“

”لاہور سے۔“

ہنس کر ”لاہور میں کس جگہ سے۔“

”راجپوت سوسائٹی سے۔“

”محترمہ، اس کے کچھ آگے پیچھے آپ بتانا پسند کریں گی۔“

جوش سے آمنہ ”راجپوت سوسائٹی کنال روڈ پر ڈی ایچ اے اور محافظ ٹاؤن کے درمیان میں ہے۔“

”اس سے آگے گرین فورٹ بھی آتا ہے۔“

”جی ہاں۔“ حیرت سے اُس کو دیکھتے ہوئے آمنہ۔

”ایف۔ ایس سی کی سٹوڈنٹ ہو۔“

”نہیں ماسٹر کیا ہوا ہے۔“

”حیرت ہے۔ یہ ہوائیاں اسی طرح اُڑی رہتی ہیں یا نارمل تاثرات بھی ہوتے ہیں۔“

ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ آمنہ ”ایسی بھی کوئی بات نہیں۔“

اس کو لگا کہ اب وہ نارمل ہو گئی ہے۔

''تو اب انٹرویو شروع کیا جائے۔''

ان الفاظ سے آمنہ کو لگا ''اب تک وہ اس کی پریشانی دور کر رہا تھا یعنی یہاں سب کو پتہ چل گیا تھا میں پریشان ہو گئی ہوں۔''

اس نے آدھا گھنٹہ آمنہ کا انٹرویو لیا۔ پھر اس کو موٹیویشنل لیٹر لکھنے کے لیے کہا۔ وہ لیٹر لکھنے کے دوران وہ اس کو ہی دیکھ رہا تھا۔ حالانکہ وہ دوسرا انٹرویو لے رہا تھا۔ وہ سارے کاغذات اردگرد پھیلائے لیٹر لکھنے میں مصروف تھی۔ آدھے گھنٹے کے بعد وہ اُس کے پاس آیا۔ چہرے پر کھسیانی ہنسی تھی مگر سنجیدہ لہجے میں۔

I usually give fifteen minutes but I gave you half hour.

(میں عام طور پر پندرہ منٹ دیتا ہوں لیکن تم کو تیس منٹ دیے ہیں۔)

Thanks I have completed

شکریہ (میں نے مکمل کر لیا ہے)

اس نے جلدی سے لیٹر اُس کے ہاتھ میں دے دیا۔ وہ لیٹر لے کر جانے لگا تو سوچنے لگا ''بے وقوف ہے کوئی دستاویز یہاں نہ بھول جائے۔''

سیدھا سیدھا تو کچھ نہیں کہہ سکتا تھا منفرد انداز میں۔

collect all you litter and take it out, we haven,t need it, understood

(اپنا سارا کوڑا کرکٹ جمع کرو اور لے کر جانا، ہمیں ضرورت نہیں، سمجھی)

دوسری طرف منہ کر کے ہنستا ہوا وہاں سے چلا گیا۔ آمنہ نے جلدی جلدی اپنے کاغذات سمیٹنے شروع کیے۔ اس نے دھیان سے ایک ایک کاغذ سمیٹا اور جاتے جاتے پیچھے بھی دیکھ رہی تھی کہ کوئی کاغذ نہ رہ جائے۔ وہ بیٹھا اُس کی ان حرکات کو دیکھ کر لطف اندوز ہو رہا تھا جیسے بڑے سالوں کے بعد قدرتی

خوبصورتی کو قریب سے دیکھنے کا موقع ملا ہو۔ خوبصورتی بھی وہ جو روح تک معطر کر دے۔ اس کا بس نہیں چل رہا تھا کہ اُس کو اس بھیانک دنیا سے چھپا لے وہ روزانہ کتنے ہی لوگوں کا انٹرویو کرتا تھا۔ اس کو لوگوں کی بہت پہچان تھی۔ ہنس کر" اس دور میں بھی ان جیسی مخلوقات پائی جاتی ہیں۔ پھر کام میں لگ گیا۔

اتنی دیر میں آمنہ باہر جا چکی تھی۔ باہر شیث اس کا انتظار کر رہا تھا۔ اس نے اس کو سارا قصہ سنایا۔ وہ حیران ہو گیا غلط اپوائنٹمنٹ پر انٹرویو کیسے ہو گیا۔

"گھر جا کر آپی آصفہ سے پوچھے گے ویزہ لگے گا یا نہیں۔ وہ جو کہتی ہے وہ سچ ہوتا ہے اس نے میری باری کہا تھا ویزہ ضرور لگے گا اور لگ گیا۔"

دونوں آدھی رات کو گھر پہنچے۔ وہ دونوں تو پہلے ہی ان کا انتظار کر رہی تھیں۔ ان کو دیکھ کر روبینہ بیگم نے دونوں کو پیار کیا۔

"تم دونوں فریش ہو جاؤ۔ میں اور آصفہ کھانا لگاتے ہیں۔"

وہ تازہ دم ہونے چلے گئے۔ اس دوران کھانا لگ گیا۔ وہ کھانا کھا رہے تھے۔ وہ دونوں پاس بیٹھی تھیں۔ ان سے صبح کا انتظار نہیں ہو رہا تھا اس لیے آمنہ نے سارا قصہ سنایا۔ آصفہ فٹ سے

"وہ تمھارا ویزہ ضرور لگائے گا۔ اگر وہ عورت انٹرویو لیتی تو پھر بھی نہیں۔"

اس کی تائید کرتے ہوئے روبینہ بیگم۔

"انشاءاللہ! ضرور ایسا ہی ہو گا۔"

کچھ دن بعد شیث واپس چلا گیا۔ وہ تو جیسے آمنہ کی مدد ہی کرنے آیا تھا۔ اپنا کردار ادا کیا اور چل پڑا۔

ایک ماہ انٹرویو کو ہو چکا تھا۔ اب آمنہ اپنے ویزے کے بارے میں پریشان ہو رہی تھی۔ وہ پریشانی کے عالم میں صحن میں چہل قدمی کر رہی تھی کہ دروازے پر گھنٹی ہوئی۔ پہلے تو پروین کو آواز دینے لگی پھر خود ہی دروازہ کھول دیا۔ سامنے ڈاکیا تھا۔ اس نے آمنہ کو ایک لفافہ دیا۔ اور دستخط کروا لیے۔ آمنہ کو لگا جیسے پاسپورٹ ہو۔ اس نے جلدی جلدی لفافہ کھولا۔ تو سچ میں پاسپورٹ ہی تھا۔ اس کے اوپر کے سانس اوپر اور نیچے کے نیچے تھے۔ اس نے جلدی سے پاسپورٹ کا ویزے والا صفحہ کھولا۔ ویزہ لگا ہوا

تھا۔خوشی سے بھاگتی بھاگتی اندر گئی۔

''امی......امی......آصفہ میرا ویزہ لگ گیا ہے۔''

یہ خوشی اس کے خواب پورے ہونے کی تھی۔ دراصل اُس کو باہر جا کر پڑھنے کا شوق تھا۔اُس کا مسکراتا ہوا چہرہ دیکھ کر روبینہ بیگم اور آصفہ نے اس کو گلے لگایا۔ ماں تو اس کو چوم کر اس کو احساس دلا رہی تھی کہ وہ بھی اس کی خوشی میں اس کے ساتھ خوش ہے۔آصفہ اس کو پیار کر رہی تھی۔ احساس ایک تھا مگر انداز الگ الگ تھے۔

''میری بیٹی کے خواب پورے ہو رہے ہیں۔شکر ہے مالک تیرا۔''

اس کو دیکھتے ہوئے آصفہ۔

''جب خواب پورے ہوتے ہیں تو کیسا لگتا ہے؟ دل خود بخود مسکراتا ہے یا نہیں۔''

''مسکرانا تو لفظ چھوٹا ہے یہ تو جھوم اٹھتا ہے۔''

وہ گھومنے لگی۔ شام میں شیث کا فون آیا تو اس کو خوشخبری سنا دی گئی۔ گھر میں اس کے جانے کی تیاریاں شروع ہو گئیں۔ایک ماہ کیسے گزرا پتہ بھی نہیں چلا۔آصفہ اور روبینہ بیگم اس کو ایئر پورٹ چھوڑنے گئیں۔جب وہ اندر جا رہی تھی ان دونوں کی تو آنکھوں میں آنسو تھے مگر آمنہ کی بھی آنکھیں برس رہی تھیں۔

آصفہ کے لیے یہ عجیب تجربہ نہ تھا ایسا منظر وہ کئی مرتبہ دیکھ چکی تھی۔خود سے ''دکھ میں تو آنکھیں روتی ہیں مگر یہ خوشی میں کیوں روتی ہیں۔ بڑی عجیب ہیں یہ۔گھر جا کر امی سے پوچھوں گی۔''

روتے روتے آمنہ کو رخصت کرنے کے بعد وہ گھر پہنچیں تو آصفہ۔

''امی ایک سوال کروں۔''

''تمھیں اجازت کی ضرورت کیوں آن پڑی۔کچھ انوکھا سوال پوچھنے والی ہو۔''

''دکھ میں تو رونا سمجھ میں آتا ہے مگر خوشی میں آنکھوں کا جھلکنا میری سمجھ سے باہر ہے۔''

''بیٹا جی، خوشی میں بھی انسان کے اندر انجانے دکھ کے خوف ہوتے ہیں۔ جو انسان کو خوشی میں بھی خوش ہونے نہیں دیتا۔ہمیں لگتا ہے یہ خوشی کے آنسو ہیں۔ مگر یہ اس دکھ کے آنے کے آنسو ہوتے

ہیں جو اس وقت نظر نہیں آتا۔ خوشی کی تو عمر صرف چند منٹ ہوتی ہے دکھ دیر تک رہتا ہے۔ پھر جس کی اکثریت ہوتی ہے سب اسی کے ساتھ ہوتے ہیں اسی طرح آنکھیں بھی۔''

دل میں سوچنے لگی ''مطلب آصفہ کے خواب مکمل طور پر پورے ہونے تک ابھی اور کچھ اس کا انتظار کر رہے ہیں۔''

جب آمنہ پہنچی تو شیث پہلے ہی اس کا انتظار کر رہا تھا۔ جب وہ ایئرپورٹ سے باہر آئی۔ تو دونوں ایک دوسرے کو دیکھ کر خوشی سے گلے ملے۔ دونوں ٹیکسی میں بیٹھ گئے۔ وہ چل رہی تھی آمنہ کھڑکی سے باہر دیکھ رہی تھی۔ اس کو اس ملک کی ہر چیز انوکھی اور ایک عجوبہ لگ رہی تھی۔ اس کو لگ رہا تھا اس نے دوسری دنیا میں قدم رکھ دیا ہے۔ ہر چیز دھولی دھولی نئی نئی تھی جیسے ونڈر لینڈ ہو۔ پندرہ منٹ میں وہ دونوں کمرے میں پہنچ گئے۔ شیث نے اس کے لیے کھانا پہلے سے پکایا ہوا تھا دونوں نے کھایا۔

کلاسز ایک ہفتے بعد تھیں۔ شیث نے پورے ہفتے میں آمنہ کو پورا شہر گھما دیا۔ دونوں نے بہت لطف اٹھایا۔ شیث کو بھی لمبی تھکا دینے والی روٹین سے چھٹی ملی ہوئی تھی اور آمنہ کو اس سفر پر جانے کے لیے تازہ دم ہونا تھا پھر دوڑ شروع ہونی تھی۔

☆......☆......☆

جب انسان کے خواب پورے ہوتے ہیں تو وہ بہت خوش ہوتا ہے۔ آمنہ کا بھی بیرون ملک سے پڑھنے کا خواب پورا ہو گیا تھا۔ وہ بہت خوش تھی۔ وہ بڑے جوش و خروش سے یونیورسٹی جانے کے لیے تیار ہوئی۔ خوشی خوشی یونیورسٹی پہنچی۔ یونیورسٹی کی عمارت بہت بڑی اور پرانی تھی۔ اس نے یونیورسٹی میں پاؤں رکھا تو اس کو لگا وہ خواب دیکھ رہی ہے۔ وہ یونیورسٹی کی ہر چیز کو بڑی محبت سے دیکھ رہی تھی۔ پہلے دن کلاس لینے کی بجائے اُس نے سارا وقت یونیورسٹی میں گھومنے میں لگا دیا۔ وہ ہر چیز کو ہاتھ لگا کر خود کو یقین دلا رہی تھی کہ حقیقت ہے خواب نہیں۔ خود سے

''ایک وقت تھا خواب دیکھا تھا اس کی تعبیر پائی ہے۔''

ہفتہ بھر تو بڑے جوش و خروش سے یونیورسٹی گئی پھر دل بھر گیا کیونکہ وہ ماسٹر کر کے آئی تھی دوبارہ

ماسٹر کرنا اس کو اچھا نہیں لگ رہا تھا حالانکہ اس کو کچھ الگ کرنا تھا۔

"شیث مجھے ماسٹر نہیں کرنا۔"

وہ بھی جیسے جانتا تھا آگے کیا ہونے والا ہے اور اس کے لیے تیار تھا۔

"تو کوئی بات نہیں ریسرچ پروپوزل بناؤ اور پروفیسر ڈھونڈو۔ اور پی ایچ ڈی کرلو۔ اگر کوئی پروفیسر راضی ہوگیا تو سمجھو ہوگیا۔"

اس دن کے بعد اُس نے پہلے تو نیٹ پر ٹرینڈنگ ایشو پر ریسرچ کی۔ سارا سارا دن بیٹھی رہتی۔ ٹوپک کا انتخاب کرنے کے بعد اس پر مفروضہ (Hypothesis) بنایا جو کہ جان جوکھوں کا کام تھا۔

وہ مفروضہ بنانے میں اس قدر مصروف تھی کہ شیث اس کو جہاں صبح بٹھا کر گیا تھا جب وہ واپس آیا تو وہاں پر ہی بیٹھی۔ شیث کو بھی پتہ نہ چلتا اگر اس کے پاس پڑا ناشتہ ویسے کا ویسے پڑا نہ دیکھتا۔ "تم نے ابھی تک ناشتہ نہیں کیا۔"

"دراصل میں اپنی ریسرچ پروپوزل میں اس قدر کھوئی کہ وقت کا احساس بھی نہیں ہوا۔ مجھے تو لگ رہا ہے تم ابھی گئے تھے اور ابھی واپس آگئے ہو۔"

"بہن میری کام کرو۔ مگر خود کو بھی یاد رکھو۔ چلو اٹھو اور ناشتہ کیا اب تو کھانے کا وقت ہے کھانا کھاؤ۔"

جلدی سے اٹھی "تم بیٹھو، تم تھکے ہوئے آئے ہو۔ میں کھانا بنا کر لاتی ہوں۔" کھانا کیا بنانا ہے سالن کل والا ہے بس روٹی بنا کر لائی۔"

وہ کچن میں چلی گئی اور شیث فریش ہونے۔

وہ کھانا لائی تو شیث بھی آگیا دونوں کھانا کھانے لگے ساتھ آمنہ اس کو کام کا بتا رہی تھی۔

"تم نے تو کافی کام کرلیا ہے۔"

"بس اس ماہ میں سارا پروپوزل بن جائیگا۔"

"پھر اس کے بعد تم سب پروفیسر کو جو جو اس ٹوپک پر کام کر رہے ہیں میل کرنا شروع کر دینا۔ سیل کرنا اور جواب نہ آنا یہ ہوگا تمھارا امتحان۔ دیکھو، کیا ہوتا ہے۔"

''تم فکر نہ کرو میں اس امتحان کو بھی پار کرلوں گی۔''

''گڈ یہ سپرٹ ہونی چاہیے۔''

اس نے پروپوزل تو بنالیا تقریباً ایک ہی ماہ میں۔اب وہ روزانہ تقریباً بیس بیس پروفیسر کو میل کرنے لگی۔جن کو کل میل کی ہوتی صبح اٹھتے ساتھ پہلے ان کا جواب دیکھنے کے لیے لیب ٹاپ کھولتی مگر جواب نفی میں دیکھ کر منہ ہاتھ دھونے غسل خانے جاتی پھر ناشتہ بناتی تھی ناشتہ کر کے شیث چلا جاتا اور وہ میل کرنے لگ جاتی تھی۔یوں اس نے تقریباً سارے پروفیسر کو ملک بھر میں میل کردی تھی مگر کسی کی طرف سے جواب نہ آیا۔دونوں بہن بھائی باتیں کررہے تھے تو شیث۔

''کوئی جواب آیا۔''

''نہیں، مجھے تو لگتا ہے۔جواب نہیں آنے والا۔''

''نا اُمید نہیں ہوتے، منزل قریب ہے۔''

اسی دوران آصفہ کا بھی فون آگیا روبینہ بیگم بھی ساتھ تھی اس کا اُداس چہرہ دیکھ کر روبینہ بیگم۔

''یہ پیاری سی بلبل کیوں اُداس ہے پہلے تو کبھی نہیں ہوئی۔''

''پہلے تو کبھی اس بلبل کے ساتھ اتنا برا ہوا بھی تو نہیں۔''

پاس سے آصفہ''امی، آپ کی بلبل کی محنت پر پانی جو پھرتا نظر آرہا ہے۔وہ بلبل سے برداشت نہیں ہورہا۔''

''ہمت نہیں ہارتے، شاہ سوار ہی گرتے ہیں میدانِ جنگ میں۔''

ماں کا ساتھ دیتے ہوئے شیث

''امی، میں بھی اتنی دیر سے اس کو سمجھا رہا ہوں مگر کوئی اثر نہیں۔''

دکھی انداز میں آمنہ

''امی، میں واپس آجاتی ہوں۔مجھ سے جنگ ابھی نہیں لڑی جارہی۔تھوڑا تازہ دم ہو کر آتی ہوں۔''

’’آجاؤ، کچھ نہیں ہوتا۔‘‘ روبینہ بیگم۔

فٹ سے آصفہ ’’کوئی ضرورت نہیں اتنا مہنگا تازہ دم ہونے کی۔ وہاں پر ہی چار دن گھوم پھر لو۔‘‘

’’امی، ایک تو آپ کی یہ دادی اماں ہر بات میں آجاتی ہے۔‘‘

غصے سے آمنہ آصفہ کو دیکھتے ہوئے۔

’’بہن، ہمارے پاس قارون کے خزانے نہیں ہیں سمجھی۔‘‘

معصوم اور اُداس چہرے کو دیکھتے ہوئے روبینہ بیگم۔

’’آصفہ باز آجاؤ، ہمیشہ دوسروں پر فیصلے صادر کر دیتی ہو۔‘‘

غصے سے آمنہ ’’میں نہیں آتی۔ تم فکر نہ کرو۔‘‘

اتنی دیر سے شیث جو اِن کی گفتگو سن رہا تھا بولا۔

’’تم آمنہ فکر نہ کرو۔ اگر دو تین دن میں جواب نہ آیا تو میں تمھیں پاکستان بھیج دوں گا۔‘‘

’’مجھے نہیں جانا۔ اب میں یہاں رہ کر اس دادی اماں کو کام کر کے دکھاؤں گی۔ تاکہ اس کے خزانے کو ہوا نہ لگے۔‘‘

پیار سے روبینہ بیگم ’’تم نے آنا ہے تو آجاؤ۔ پیسے میں نے دینے ہیں اس نے نہیں۔ تم بس اپنی مرضی کرو۔‘‘

’’ان کے ہوتے ہوئے کوئی اپنی مرضی تو دور سانس بھی نہیں لے سکتا۔‘‘

وہ روزانہ اٹھ کر میل چیک کرتی اور پھر مایوس ہو کر لیپ ٹاپ بند کر دیتی۔ کھڑکی میں کھڑی باہر کی دنیا دیکھتی رہتی۔ یہ کھڑکی اس کی امید کا ایک ذریعہ تھی۔ وہ اس کو بند بھی نہیں کرتی تھی اس کو لگتا تھا اگر یہ بند ہوگی تو امید بھی ختم ہو جائے گی۔ آصفہ سے بھی ناراض تھی اس سے بھی بات نہیں کر رہی تھی۔

آج اس نے میل چیک نہیں کی اٹھ کر کھڑکی میں کھڑی ہوگئی۔ چونکہ چھٹی تھی شیث اٹھا۔

’’آج میل چیک کی۔‘‘

’’کیا ملے گا چیک کر کے، جی نہیں چاہ رہا۔‘‘

اگر دادی اماں کی باتیں نہ ہوتیں تو میں واپس چلی جاتی۔''

''مایوس نہیں ہوتے۔اتنی بہادر ہو کر ایسی باتیں۔جب ہاتھی گزر گیا ہے تو دم بھی نکل جائے گی۔''

''یہ نہیں نکلنے والی پھنس گئی ہے۔''

''چلو، میرے کہنے پر چیک تو کرو۔''

آہستہ آہستہ قدم اٹھاتے ہوئے اس نے لیب ٹاپ کھولا۔تو حیرت سے اس کی نظریں لیب ٹاپ پر جمی رہ گئیں۔

''سکتے میں کیوں آ گئی ہو کیا سانپ نکل آیا ہے۔''

''میرا ریسرچ پروپوزل ایکسیپٹ ہو گیا ہے۔'' اچھل کر آمنہ۔

''مجھے پتہ تھا یہ ہونا تھا۔''

''ابھی فون کرتی ہوں اس دادی اماں کو۔''

جلدی سے آمنہ نے آصفہ کو فون لگایا تو روبینہ بیگم نے اٹھایا۔

''امی، کہاں ہے یہ دادی اماں اس کو بتائیں میرا پروپوزل منظور ہو گیا ہے۔''

خوشی سے روبینہ بیگم۔''ہونا ہی تھا تم بس ایسے ہی پریشان ہو رہی تھی۔''

اس کی آواز سن کر آصفہ''اچھا کیا نا میں نے اپنا خزانہ بچا کر ورنہ اب تمھیں واپس بھیجنا پڑنا تھا۔''

''ہاں...... ہاں...... دنیا میں تم ہی عقل مند ہو۔لیکن آج میں لڑوں گی نہیں۔کیونکہ ماں بدولت خوش ہے۔''

''بے وقوف مجھے پتہ تھا تم کام کرو اور نہ ہو یہ ممکن ہی نہیں۔بہت...... بہت مبارک ہو۔''

''ٹھیک ہے...... ٹھیک ہے، امی مجھے دوسرے شہر جانا ہو گا۔''

''کوئی بات نہیں جب گھر سے نکلے تو یہ شہر ہو یا کوئی اور کام تو کرنا ہی پڑتا ہے۔''

نئے شہر کے لفظ نے روبینہ بیگم کو اندر سے پریشان کر دیا تھا مگر وہ اس پر ظاہر نہیں کرنا چاہتی تھی۔ کیونکہ بھائی کے پاس وہ اس معصوم پری کو محفوظ سمجھتی تھی۔

سب خوش تھے اور ساتھ ساتھ اس کے لیے پریشان بھی۔

☆......☆......☆

بیٹھے بیٹھے آمنہ خود سے "اتنے دن ہوئے، سر نے مسٹر عامر کا فون نمبر دیئے ہوئے آج فون کرتی ہوں۔"

فون کی گھنٹی بجی تو عامر نے فون اُٹھایا۔

"السلام وعلیکم، آپ کا نمبر پروفیسر ڈینیل نے دیا تھا۔"

"وعلیکم السلام، جی ہاں انہوں نے مجھے بھی بتا دیا تھا۔ بتائیں میں آپ کی کیا مدد کرسکتا ہوں۔"

"پہلی بات یہ ہے کمرہ کیسے لینا ہے باقی مدد تو وہاں آ کر لوں گی۔"

"میں آپ کو ایک لنک بھیجتا ہوں۔ اس پر آپ اپلائے کریں دو تین دن میں کمرہ مل جائے گا۔"

"شکریہ، آپ کی وجہ سے آسان ہو گیا ورنہ مجھے تو یہ پہاڑ سر کرنے کے مترادف لگ رہا تھا۔"

"میرے ہوتے ہوئے فکر کرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ میں ہر طرح سے مدد کرنے کے لیے تیار ہوں۔"

"آپ کافی ہیلپنگ لگ رہے ہیں۔ دراصل نیا شہر ہے تو تھوڑی پریشانی ہوتی ہے آپ سمجھ سکتے ہیں۔"

"جی......جی......میں تو دوست کیا دشمن کی مدد کرنے کے لیے بھی تیار رہتا ہوں۔" اپنا اچھا اثر ڈالنے کے لیے عامر۔

"شکریہ، پھر بات ہوگی۔"

رات کو کھانا کھاتے ہوئے شیث۔

"میں سوچ رہا ہوں۔ تمھارے ساتھ چلوں۔ نیا شہر ہے گھبرا نا جاؤ اور کمرے کا بھی انتظام کرتا ہوں اس کے لیے یونیورسٹی کی ویب سائیڈ کل دیکھوں گا۔"

"اس کی ضرورت نہیں رہی۔ پروفیسر نے جس لڑکے کا نمبر دیا تھا میں نے اس کو فون کیا تھا اس نے مجھے گائیڈ کر دیا ہے۔ میں نے کمرے کے لیے اپلائے کر دیا ہے ایک دو دن میں کنفرم ہو جائیگا۔"

"کہاں کا ہے وہ۔"

''پاکستانی ہے۔ کہہ رہا تھا پروفیسر نے اس کی ڈیوٹی لگائی ہے کہ وہ مجھے اسٹیشن سے لے کر کمرے تک چھوڑے گا۔''

''یہ تو اچھا ہو گیا ہے۔''

''ویسے بھی میں پریشان ہو رہی تھی کہ تمھارے پیپر ہیں اور تم مجھے چھوڑنے جاؤ گے کتنا وقت ضائع ہو گا۔''

''کوئی وقت ضائع نہیں ہوتا۔ لیکن بہترین ہو گیا ہے۔''

''میں نے پیکنگ کر لی ہے سامان بہت زیادہ ہو گیا ہے۔''

''کوئی نہیں ایسا تو ہوتا ہے۔ ویسے تم خوش ہو۔''

''بہت زیادہ، تمھاری سوچ سے بھی زیادہ، ساری مشکلات برداشت کر لو گی۔ تم فکر ہی نہ کرو۔''

''یہ تو اچھی خبر ہے تم ہر قسم کے حالات سے لڑنے کے لیے تیار ہو۔ سفر آسان ہو جائیگا۔ گڈ لک۔''

''اگر پیپر نہ ہوتا تو تمھارے ساتھ جاتا۔ سامان کی فکر ہے۔''

''تم پیپر دو۔ اب میں اتنی بھی بچی نہیں ہوں۔''

''مسئلہ ہی یہ ہے کہ بچوں سے بھی چھوٹی ہو۔''

''اب میں پی ایچ ڈی کرنے لگی ہوں۔ تمھیں سب کر کے دکھاؤں گی۔''

''ضرور......ضرور......''

''صبح جس کا فون آیا تھا اس کی ڈی پی چیک کرتے، کیا چیز ہے۔''

عامر خود سے۔ وہ لوگوں سے جب پہلی مرتبہ ملتا تو ان کے بارے میں زیادہ سے زیادہ معلومات لے لیتا تھا تا کہ سوچ سکے ان کے ساتھ کیسے چلا جائے۔ اس نے آمنہ کی ڈی پی اس کے نمبر سے دیکھی وہ اس کی تصویر دیکھ رہا تھا اور ساتھ ہی ساتھ۔

''شکل سے تو کافی معصوم لگ رہی ہے۔ چلو آگے اچھا وقت گزرے گا۔ ویسے بھی یہاں اکیلے رہ کر تھک گیا ہوں۔''

پھر خود سے ہی ''پتہ نہیں محترمہ کب تشریف لا رہی ہیں۔''

وہ ابھی سوچ ہی رہا تھا کہ آمنہ کا میسج آ گیا۔اس نے میسج کھولا تو۔

''میں اگلے بدھ کو آ رہی ہوں۔''

اس نے بھی جواب میں لکھ کر بھیجا۔''میں وقت پر اسٹیشن آ جاؤں گا۔''

اسٹیشن پر شیث آمنہ کو چھوڑنے آیا۔اس نے اس کو سامان کے ساتھ ریل گاڑی پر بٹھایا۔''وہاں پر پہنچ کر فون کر دینا اگر پیپر نہ ہوتا تو تمھارے ساتھ چلتا۔مجھے فکر رہے گی۔''

''کوئی بات نہیں۔تم فکر نہ کرو۔میں میسج کر دوں گی۔''

وہ اس کو خدا حافظ کر کے چلا گیا۔آمنہ خوش تھی کہ منزل کی طرف اس کا اگلا قدم شروع ہو گیا ہے۔سارے راستے آمنہ کھڑکی سے باہر دیکھتی جا رہی تھی۔اتنا صاف ستھرا ماحول تھا وہ حیران تھی کہیں کوڑا کرکٹ نظر نہیں آ رہا تھا۔خوبصورتی دل کو موہ لینے والی تھی۔وہ تو پہلے ہی فطرت سے محبت کرنے والی تھی۔وہ تو اس میں کھو ہی گئی تھی۔اس سے بھرپور لطف اٹھا رہی تھی۔اس کا دل چاہ رہا تھا کہ یہ سفر کبھی ختم نہ ہو۔وہ اس کی دلفریبی میں اسی طرح کھوئی رہے۔اس کو اندازہ بھی نہ تھا کہ خواب کی تعبیر کے دوران اس کو اتنا خوبصورت اور منفرد تجربہ بھی ہوگا۔''

وہ سوچنے لگی''ہمارے ملک میں لوگ فطرت کو کیوں خراب کرتے ہیں یہاں کے لوگ کیوں نہیں کرتے۔میرا تو دل چاہ رہا ہے اس میں ہی رہ جاؤں۔اگر خواب کا خیال نہ ہوتا تو میں نے یہاں ہی اتر جانا تھا۔زندگی فطرت میں کھو کر ہی گزار دینی تھی۔''

اسٹیشن پر عامر اہل کے ساتھ آیا ہوا تھا۔وہ انتظار کر رہے تھے کہ اچانک اہل کی نظر کاشف پر پڑی۔

''تم یہاں کیسے۔''

''میرا دوست آ رہا ہے اس کو لینے آیا ہوں۔اور تم لوگ۔''

''وہ دراصل عامر کے پروفیسر نے عامر کی ڈیوٹی لگائی ہے ایک نئی لڑکی آ رہی ہے اس کو یہاں سے پک کر کے وگیے چھوڑنا ہے۔''

وہ باتیں کر رہے تھے کہ ٹرین رکی۔ آمنہ نے تو سب سے پہلے خود کھڑی ہو کر دروازے سے باہر دیکھا پھر دو بیگ پکڑے اور نیچے آنے لگی جب وہ سامان کے سات نیچے اتر رہی تھی تو جیسے کاشف کی نظر آمنہ پر پڑی تو ''اتنی معصوم لڑکی بھیڑیوں کے گروہ میں آ رہی ہے۔'' اس کو نہیں پتہ تھا کہ عامر اس کو لینے آیا ہے۔ اس پر عامر کی نظر پڑی تو اس کے چہرے سے ہٹ ہی نہیں رہی تھی۔ وہ دو بیگ لے کر نیچے اتری۔ تھوڑی دور آئی پھر اچانک کیا یاد آیا۔ بیگ وہاں پر ہی چھوڑے بھاگ کر واپس گئی۔ باقی سامان لے کر آئی۔ اس نے سارا سامان ایک جگہ رکھا۔ گننے لگی۔ ''دونوں بیگ، ہینڈ بیگ، کھانے والا سامان۔ ایسے ہی شیث میرے لیے فکر مند ہو رہا تھا۔ اتنی سی بات تھی اور میں آ گئی ہوں۔ کچھ بھی تو نہیں گمایا۔ جانے لوگوں کو کیوں لگتا ہے۔ میں چیزوں کی کیئر نہیں کر سکتی۔ حالانکہ میں ہی تو کر سکتی ہوں۔''

اتنی دیر میں عامر اس کے پاس گیا۔ ''میں عامر ہوں۔''

حیرت سے ''آپ نے مجھے کیسے پہچانا۔''

دل میں کاشف سوچنے لگا۔ ''اس سے ہی بچ جائے تو بڑی بات ہے۔''

''دراصل میں نے آپ کی ڈی پی سے آپ کی تصویر دیکھ لی تھی۔''

خود سے اونچی آواز میں آمنہ۔

''میرے ذہن میں یہ خیال کیوں نہیں آیا۔ چلو کوئی بات نہیں ابھی بھی دیر نہیں ہوئی۔ ابھی دیکھ لیتی ہوں۔ یہ کونسا جوئے شیر لانا ہے۔''

اس نے موبائل کھولا۔ اس کی تصویر دیکھنے لگی۔ سب اس کے اس انداز سے خوش ہو رہے تھے اور اس پر ان کو پیار آ رہا تھا۔

''ٹھیک ہے تم ہی ہو۔''

''اگر آپ تصدیق کر چکی ہیں تو چلیں۔''

''ضرور......ضرور......''

اس نے آمنہ کے بیگ پکڑ لیے۔ آمنہ نے باقی سامان۔ دونوں ویگے میں پہنچے۔ عامر نے اس

کو اس کا کمرہ دکھایا۔ اس کا سامان رکھا اور رسمی کلمات بولے۔

"اگر کسی چیز کی ضرورت ہو تو یاد کر لیجیے گا۔ میرا کمرہ ساتھ والے ونگ میں ہی ہے۔ میں ہر وقت حاضر ہوں۔"

"شکریہ، آپ نے پہلے ہی بہت کر دیا ہے۔"

ان کے جانے کے بعد آمنہ نے شیث کو فون لگایا۔

"تمہیں یہ خبر دینی تھی میں صحیح سلامت پہنچ گئی ہوں۔ تم ایسے ہی شک کر رہے تھے کہ میں سامان کے ساتھ نہیں جا سکتی۔ تمہیں جناب! ہماری صلاحیتوں کا اندازہ ہی نہیں ہے۔"

"شکر ہے۔ ہمیں بڑا اندازہ ہے اللہ کرے آپ کو خود بھی ہو جائے۔"

"اچھا......اچھا......میں اب کام کرنے لگی ہوں۔ اللہ حافظ۔"

فون بند کر کے پہلے آمنہ بیڈ پر بیٹھ گئی اور کھڑکی سے باہر دیکھنے لگی۔ "نظارہ تو یہاں سے بھی بہت خوبصورت ہے۔ جب تھک جاؤں گی تو یہاں سے باہر دیکھ کر تھکاوٹ دور کر لوں گی۔"

پھر اٹھ کر آمنہ نے منہ ہاتھ دھویا کھانا نکالا۔ کھڑکی کے سامنے بیٹھ کر کھانا کھانے لگی۔

اپنے کمرے میں پہنچ کر عامر۔

"دل کو ہلانے والی لڑکی ہے۔ آگے دیکھتے ہیں کیا ہوتا ہے۔ پھنس کر رہوں گا اگر شادی کرنی پڑی تو وہ بھی کی جا سکتی ہے۔"

پھر خود سے "اتنے بڑے بڑے دعوے مت کرو۔ جو تم کر نہیں سکتے۔"

خود کو ہی جواب دیتے ہوئے۔

"میں سب کچھ کر سکتا ہوں۔ یہ تو معمولی بات ہے۔" پھر خود سے "دیکھتے ہیں کس کروٹ اونٹ بیٹھتا ہے۔"

☆......☆......☆

اب آمنہ کا عملی طور پر کام کرنے کا وقت آ گیا تھا۔ وہ اگلی صبح یونیورسٹی گئی۔ پروفیسر سے ملاقات

ہوئی تو اس نے کنٹریکٹ پر دستخط کیے۔ جس میں ریسرچ سے متعلق تمام ٹرم اور کنڈیشن تھیں۔ رات کو آصفہ کو فون کیا تو بڑے جوش سے۔

''آج میں نے بڑا عجیب تجربہ کیا ہے۔''

''تجربے کی کوئی تفصیل بھی ہوگی یا صرف حیرت ہی حیرت۔''

''میں آج کنٹریکٹ پر دستخط کرنے یونیورسٹی گئی تھی۔ پروفیسر نے میرے ساتھ ہاتھ ملانے کے لیے ہاتھ بڑھایا۔ لیکن میں نے سوری کہہ کر، ہاتھ نہیں ملایا۔ لیکن اس نے برا نہیں منایا۔

میں تو دل میں سوچ بیٹھی تھی۔ اب تو یہ تمھارے ساتھ ریسرچ نہیں کرے گا سامان باندھ کر واپسی کی تیاری پکڑو۔ مگر ایسا کچھ بھی نہیں ہوا۔ اس نے پتہ ہے کیا کہا۔''

''سسپنس ڈالو گی یا آگے بھی بتاؤ گی۔''

اس نے کہا ''میں آپ کے اصولوں کی قدر کرتا ہوں ہر ایک کو حق ہے کہ وہ اپنے نظریے کے مطابق زندگی گزارے۔''

''ان لوگوں کے اصول ہیں اس لیے تو ہم پر حکومت کر رہے ہیں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا قول ہے۔ کفر پر تو معاشرہ قائم رہ سکتا ہے مگر ظلم پر نہیں۔ ہماری خامی ہی یہ ہے کہ ہم دوسروں کو جینے نہیں دیتے۔''

پتہ ہے آصفہ'' اس نے بڑا احترام کیا۔ یہاں ایک پاکستانی ہے وہ سکالرشپ پر آیا ہے اس کو بھی میری مدد کے لیے کہا ہے۔''

''کتنی عجیب بات ہے تم نے پاکستانی کا نام لیا تو میرا ماتھا ٹھنکا۔ یہ ہے ہمارا حال۔ ہم کسی کو بھی دھوکا دینے سے باز نہیں آتے۔''

''میں خوش ہوں کہ مجھے اچھے لوگ مل گئے ہیں۔''

''اللہ، تمھاری مدد فرمائے۔''

اگلے دن کو ریسرچ سنٹر گئی تو اس کے ہوش ہی اڑ گئے کہ قدرت نے اس کو کہاں پہنچا دیا ہے۔ بہت بڑا اور جدید ترین سنٹر تھا تھوڑی دیر اس میں گھومتی پھرتی رہی پھر اپنے کیبن میں چلی گئی۔ کیبن بھی

انھوں نے سائنس دانوں کے حساب سے بنایا ہوا تھا زمین سے چھت تک کھڑکی تھی جس میں شیشہ لگا ہوا تھا۔ تاکہ جب یہ لوگ کام سے تھک جائیں تو یہاں بیٹھ کر فطرت کو دیکھ کر تھکاوٹ دور کریں۔ اور نئے نئے خیالات سوچیں۔ وہ کھڑکی کے سامنے کرسی پر بیٹھ گئی اور باہر دیکھنے لگی اس کے اندر ایک نئی دنیا فتح کرنے کی خواہش پیدا ہو رہی تھی۔ خود سے

''خواب ایسے بھی پورے ہوتے ہیں۔ سوچا بھی نہ تھا۔''

تھوڑی دیر بعد اٹھی چائے بنائی اور کرسی پر بیٹھ کر سائنس دان کے سٹیٹس سے لطف اندوز ہونے لگی۔ چائے پیتے پیتے اس کو خیال آیا ''سر نے کہا تھا عامر سے مل لینا۔ اس سے بھی سلام دعا کر لیتے ہیں۔ اس کے ساتھ کام بھی کرنا ہے۔''

وہ اس کے کیبن میں گئی تو وہ بیٹھا کچھ لکھ رہا تھا۔

''السلام وعلیکم۔''

آواز سن کر اس نے سر اوپر اٹھا کر دیکھا تو دیکھتا رہ گیا۔ پھر

''وعلیکم السلام۔''

''دراصل میں کل سے لیب میں کام کروں گی۔ سر نے کہا تھا آپ سے مل لوں۔ تاکہ آپ مجھے گائیڈ کر دیں۔''

اس کو دیکھ کر عامر کے ہاتھ پاؤں پھول گئے تھے۔ اس کو سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ کیا کروں۔ وہ اٹھ کر باہر گیا ''کیا ہوا؟ پہلی مرتبہ لڑکی دیکھی ہے۔'' خود سے ہی ''کہیں کہیں دیکھی ہیں۔ تو پھر کیا ہوا؟'' اس نے لمبی سانس لی اور پھر ''سوچا متاثر کرنے کا اچھا موقع ہے۔

First impression is last impresstion

(پہلا تاثر آخری تاثر ہے)

اندر جا کر عجیب حرکات کرنے لگا۔ جیسے بدحواس ہو گیا ہو۔ کبھی کاغذات میز سے گر رہے تھے اور کبھی قلم گر رہا تھا۔ خود سے آمنہ ''اس کو کیا ہو گیا ہے لڑکیوں کی طرح کیوں حرکات کر رہا ہے کام پر آتے

ہیں'' اس کی طرف دیکھ کر

''میں لیب اندر سے دیکھنا چاہتی ہوں۔ تا کہ جہاں کام کرنا ہے اس سے اچھی طرح واقف ہو جاؤں۔''

''آئیں میں لے کر جاتا ہوں۔''

اس کو عامر نے اس کو لیب دکھائی اس کے ساتھ اپریٹس اور کیمیکل کے بارے میں بتایا۔

رات کو آصفہ کا فون آیا تو آصفہ میرے سارے خواب پورے ہو گئے ہیں۔ میں خوابوں کی دنیا میں آ گئی ہوں۔

یہ دنیا بڑی خوبصورت اور کھو جانے والی ہے لیب ایسی ہیں کہ انسان ہوش کھو دے۔ اصل میں ان میں ریسرچ ہوتی ہے۔

جب میں یہاں سے نکلوں گی تو لوگ مجھے سائنس دان کہیں گے۔ میں بہت بڑا کام کرنا چاہتی ہوں۔ میں ایسا منفرد کام کروں گی کہ دنیا میں میرے کام کی مانگ ہو گی۔

''چیزیں محنت اور لگن سے ملتی ہیں۔ تم میں لگن بھی ہے اور محنت کرنا بھی تم جانتی ہو۔ تم کر لو گی۔ مجھے پتہ ہے۔''

بڑے معصوم سے انداز میں آمنہ۔

''مجھے آج کل عجیب سا احساس ہو رہا ہے جیسے میں خواب میں ہوں جیسے ہی آنکھ کھولوں گی تو سب ختم ہو جائے گا۔''

''ایسا کچھ نہیں تمھارا وہم ہے دراصل اوپر نیچے کامیابی ملی ہے اس لیے ڈر سی گئی ہوں۔''

''اللہ کرے ایسا ہی ہو۔ لیکن مجھے نہیں لگتا۔''

''زیادہ مت سوچا کرو۔''

دل انسان کے اندر ایک ایسی چیز ہے جو انسان کو آنے والے دکھ اور خوشی کا اشارہ پہلے ہی دے دیتا ہے۔ اس کو سکون سے رہنے نہیں دیتا یہ خطرے کی گھنٹی ہوتا ہے۔ اس گھنٹی کے باوجود انسان خطرے

سے بچ نہیں پاتا۔ ایسا کیوں ہوتا ہے۔ کوئی تو اس سوال کا جواب دے۔

خود سے عامر ''آج تمھیں کیا ہو گیا تھا؟ کیا فضولیات تم نے کی ہیں۔''

پھر خود کو جواب دیتے ہوئے۔

''اس کو دیکھ کر بڑے بڑوں کے فیوز اڑ جاتے ہوں گے۔ پھر میں کس کھیت کی مولی ہوں۔ میرا ہونا تو بنتا ہے۔ آخر میں پتہ چلے گا۔ میں اس کے فیوز اڑاتا ہوں یا وہ میرے۔''

پھر خود سے ''تم کھلاڑی ہو اور وہ اناڑی۔ مقابلہ کیسا۔ تم جیتے ہوئے ہو۔ بے فکر ہو جاؤ۔ مقابلہ نہیں ہوگا۔''

☆......☆......☆

شروع شروع میں ہر کوئی اچھا لگتا ہے کیونکہ مروت و لحاظ میں وہ اپنی اصلیت کے برعکس آپ کے ساتھ سلوک کرتا ہے۔ جیسے جیسے آپ کسی کے ساتھ چلتے ہیں تو وہ اپنے رنگ نکالنا شروع کر دیتا ہے۔ پہلے دن آمنہ کی عامر نے بہت مدد کی۔ اس کو ایک دو اپریٹس کا استعمال بتایا کیمیکل کے بارے میں بتایا۔ اس کو پہلے ہوئے ہوئے کام کے بارے میں پڑھنے کے لیے کہا۔ سارا دن کام کرنے کے بعد جب وہ واپس جا رہی تھی تو وہ بھی اس کے ساتھ ہو لیا۔ وہ راستے میں باتیں کرتے جا رہے تھے۔

''آپ کچھ کھاتی پیتی نہیں ہیں۔''

بڑے جوش سے آمنہ ''بہت کھاتی ہوں۔ صبح میں ایک ڈبل روٹی کا سلائیس اور دودھ کا ایک گلاس، دوپہر میں پھل آج بھی ساتھ لائی تھی وہ کام کے دوران یاد نہیں رہا۔ رات کو ایک روٹی۔''

''آپ تو بہت زیادہ کھاتی ہیں۔ کم کر دیں کہیں موٹی نا ہو جائیں۔''

اس کو لگا وہ غلط بول گئی ہے شرمندہ سی ہو گئی۔ شرمندگی ختم کرنے کے لیے۔

''جو بھی میری روٹین ہے مجھے پسند ہے۔''

''ہم نے کب کچھ کہا، بہت اچھی ہے۔''

''ہم کوئی اور بات کر سکتے ہیں۔''

''کیوں نہیں۔ اگر ہوا کا جھونکا آیا تو آپ اڑ ہی جائیں گی۔''

''ایسی بھی کوئی بات نہیں۔''

''اچھا تو اس لیے اتنی موٹی اور بھاری جیکٹ پہن ہوئی ہے پینٹ کی ویسٹ تقریباً ٹونٹی سیون ہو گی۔''

اس کو عامر کا اس کی ویسٹ پر اس طرح بات کرنا اچھا نہیں لگا۔ کیونکہ وہ اس طرح کی باتیں لڑکوں سے کرنا پسند نہیں کرتی تھی یہ بھی اس کو اچھا نہیں لگتا تھا کہ لڑکے اسے اتنی غور سے دیکھ کر اس کے جسم کے بارے میں بات کریں۔ اس لیے وہ ڈھیلے کپڑے پہنتی تھی۔ اس کو تو جیسے سانپ ہی سونگھ گیا وہ چپ چاپ چل رہی تھی۔ عامر کو لگا وہ کچھ زیادہ ہی بول گیا ہے۔ بات بدلتے ہوئے ''آپ پوری گڑیا لگتی ہیں۔''

''یہ آپ کی نظر ہے ورنہ میں عام سی لڑکی ہوں۔'' سوکھا سا آمنہ نے جواب دیا۔ جس سے عامر کو اور زیادہ لگا کہ اس نے غلط کیا۔

''آج میرے کہنے پر جا کر شیشے میں خود کو دیکھیے گا۔ اندازہ ہو جائے گا آپ کو کہ میں جھوٹ نہیں بول رہا۔ مگر شرط یہ ہے کہ impartial ہو کر فیصلہ کرنا ہے۔''

''آپ مجھے بڑی اچھی طرح بنا رہے ہیں۔ مجھ پر ان باتوں کا اثر نہیں ہونے والا۔ یونیورسٹی میں یہ سب دیکھ کر آئی ہوں۔''

''آپ یقین نہیں کرتی تو نہ کریں۔ میں تو وہی کہہ رہا ہوں جو نظر آ رہا ہے۔''

''آپ مت دیکھیں۔ ہم کام کی بات کر لیتے ہیں اب ہم ٹین ایج تھوڑی ہیں جو ان باتوں میں وقت برباد کریں۔''

''میرا تو نظریہ ہے جو چیزیں آنکھوں کو اچھی لگیں اس کی تعریف کر دو۔ مجھے کیا ضرورت ہے آپ پر لائین مارنے کی۔ ویسے بھی اب ہم میچور ہو گئے ہیں۔ اب تو پرو پوز کر کے شادی کرنے کی عمر ہے۔ ٹائم پاس کرنے کی نہیں۔ یہ سب پیچھے رہ گیا ہے۔''

''جہاں شادی ہونی ہو گی ہو جائے گی۔ ہمیں سوچنے کی ضرورت نہیں۔''

"پڑھی لکھی ہو کر کیسی باتیں کر رہی ہو۔ اگر کوئی اچھا ملے تو قبول کر لینا۔ نصیبوں کو چھوڑ دو۔ تم گھر میں بیٹھی کوئی عام لڑکی نہیں اب پی۔ ایچ ڈی کر رہی ہو۔"

"مجھے شادی میں کوئی دلچسپی نہیں یہ امی کا کام ہے۔"

"محترمہ، سوچ لیجیے ورنہ بیٹھی رہ جائیں گی۔ اب امی کا نہیں۔ تمھارا سوچنے کا وقت ہے۔ خوش قسمتی آئے تو قبول کر لینا۔"

"جب وقت آئے گا تو دیکھ لوں گی۔"

عامر کو لگا محنت ضائع نہیں گئی راستہ تھوڑا ہموار ہو گیا ہے باقی پھر ہو جائے گا۔ کام مشکل نہیں۔

رات کو آصفہ کا فون آیا تو آمنہ۔

"آصفہ وہ جو میرے ساتھ عامر ہے۔ میری تعریفیں کر رہا تھا۔"

"کیا اس نے ڈائریکٹ پرپوز کر دیا ہے۔"

"نہیں ایسا کچھ نہیں۔ وہ باتوں باتوں میں کہہ رہا تھا اگر کوئی آئے تو قبول کر لینا۔"

"تم صرف اس کی باتیں سنو۔ زیادہ دھیان دینے کی ضرورت نہیں۔"

ذرا آہستہ سے "ایک اور بات ہے۔"

"وہ کیا ہے؟ جس پر تم ہچکچاہٹ محسوس کر رہی ہو۔"

"وہ مجھے خود کو بھی اچھا نہیں لگا۔ اس نے میری ویسٹ کا نمبر اگزیک بتا دیا تھا۔"

"تم اس سے بچ کر رہنا۔ جو لڑکیوں کو اتنی غور سے دیکھتا ہے۔ وہ اچھا انسان نہیں ہے۔ کافی تجربہ کار ہے۔"

وہ سوچ میں پڑ گئی۔ کیونکہ وہ اس کو اچھا لگا تھا۔ بہن کی رائے اس کے خلاف تھی۔ وہ بہن کے حکم کے خلاف نہیں جا سکتی تھی اس لیے چپ رہنا ہی اس نے مناسب سمجھا۔

انسان کو جب کوئی سمجھا رہا ہوتا ہے تو انسان کو اس کی بات اچھی نہیں لگتی۔ انسان کو تب ہی سمجھ آتی ہے جب وہ خود تجربہ کرتا ہے۔ اگر انسان نے دوسروں سے سیکھا ہوتا تو تاریخ ہی کافی تھی۔ مگر ایسا نہیں

ہوتا۔ چونکہ آمنہ پر اس کی بہن کی باتوں کا اثر ہوتا تھا اس لیے وہ چپ ہوگئی تھی اور دیکھنا چاہتی تھی کیا ہوتا ہے۔ جب انسان کو کچھ سمجھ نہ آئے تو چپ رہنا بہتر ہوتا ہے۔ کیونکہ وقت نے سب کچھ واضح کر کے دکھا دینا ہوتا ہے تو بحث کی کیا ضرورت ہے۔

☆......☆......☆

وہ بیٹھی اپنے کیبن میں بیٹھی چائے پی رہی تھی۔ اس کو اِس طرح بیٹھے دیکھ کر عامر بھی وہاں آگیا۔ آمنہ نے چائے بنا کر اسے بھی دی کیونکہ اخلاق و مروت کا یہی تقاضا تھا۔ بغیر ہچکچاہٹ کے عامر ''میں فارمیلٹیز کا قائل نہیں ہوں صاف بات ہے۔ تم مجھے اچھی لگتی ہو۔''

اس کے اِن الفاظ سے آمنہ کی بولتی بند ہوگئی تھی۔ وہ اُس کو دیکھتی جا رہی تھی۔ وہ بولے جا رہا تھا۔

''اب سے نہیں تب سے جب تم یہاں نہیں آئی تھی دراصل میں نے تمھاری تصویر دیکھ کر فیصلہ کیا تھا کہ تم سے شادی کروں گا۔ ایک دو مرتبہ تم سے بات ہوئی تھی تمھاری باتیں میرے دل کو میٹھی لگی تھیں۔ میں تنہائی میں ان کو سوچتا رہتا تھا اور خوش ہوتا رہتا تھا۔ جب تم نے اپنی دوست کی مدد کرنے کے لیے کہا تھا۔ میں نے اس کے لیے کمرہ ڈھونڈا، اس کو اسٹیشن سے لیا اور اگلے دن اس کے لیے ناشتہ بھی بنایا تھا۔ صرف اور صرف تمھارے لیے۔''

''میں نے تو اُس کو تمھارا نمبر اس لیے دیا تھا کہ پروفیسر نے کہا تھا اگر کسی بھی قسم کی مدد چاہیے ہو تو اس سے کہہ دینا۔ میں تو سمجھی تم سب کی مدد کرتے ہو تو میں نے تمھارا نمبر اُس کو دے دیا تھا۔ اگر تمھارا دل نہیں چاہ رہا تھا تو کہہ دیتے۔ میں اس کو جواب دے دیتی۔''

بات کو گھماتے ہوئے عامر۔

''میں ہر ایک کی مدد کر دیتا ہوں۔ مگر اس کی مدد میں نے تمھارے لیے کی تھی۔ اِس لیے کہ تم نے کہا تھا۔''

اس کی باتیں سن کر آمنہ سوچنے لگی۔ اس کو سوچتے دیکھتے ہوئے۔

''اِس عمر میں ٹائم پاس نہیں شادی کی جاتی ہے۔''

اس وقت آمنہ نے اُس کو کوئی جواب نہ دیا وہ اٹھ کر چلا گیا۔

رات کو جب آمنہ کی آصفہ سے بات ہوئی جو آمنہ روز کرتی تھی تو۔

''آصفہ، اُس نے مجھ سے رشتہ بھیجنے کے لیے کہا ہے۔''

چونکہ وہ آصفہ کو اچھا انسان نہیں لگا تھا۔ وہ چاہتی تھی کہ آمنہ خود جان لے۔ پھر فیصلہ کرے۔ اس لیے اُس نے آمنہ سے کہا۔

''یہ دسمبر ہے تم اُس کو مارچ میں رشتہ بھیجنے کے لیے کہو۔ اس دوران تم سب کچھ خود ہی جان جاؤ گی۔''

بہن کی طرف سے نفی میں جواب سن کر آمنہ کچھ نہ بول سکی۔ ان کے گھر میں سب فیصلے آصفہ کی مرضی سے کیے جاتے تھے۔ اس کو اندازہ ہو گیا تھا وہ آصفہ کو پسند نہیں آیا اگر وہ اس وقت رشتہ بھیجتا ہے تو امی نے بھی جواب ہی دینا ہے۔ اس لیے مارچ کا انتظار کیا جائے تاکہ آصفہ کو بھی پتہ چل جائے کہ وہ کتنا اچھا ہے اور وہ اُس کے ساتھ مخلص ہے۔ لیکن اُس نے عامر کو کوئی جواب نہ دیا۔ اُس نے یہ بھی سوچا اگر اُس وقت تک آصفہ کو پسند آ گیا تو اُس کو ہاں کر دوں گی اگر نہ آیا تو کچھ بھی نہیں کہوں گی۔ ابھی تک آمنہ کے دل میں اس کے لیے کوئی جذبات نہ تھے صرف اچھا انسان لگا تھا۔ یہ بات عامر کو بھی پتہ تھی۔

☆......☆......☆

سال میں دو مرتبہ آصفہ پورے گھر کی صفائی خود کرتی تھی جس میں وہ گھر کا کونا کونا کوچ دیتی تھی۔ اب بھی وہ گھر کی صفائی میں دو دن سے مصروف تھی۔ اُس کی کمر میں درد تو کئی سالوں سے تھا لیکن قابل برداشت تھا وہ اُس کی اتنی پرواہ بھی نہیں کرتی تھی صفائی کرتے کرتے اُس نے بیڈ کے پیچھے سے صاف کرنے کے لیے کھینچا۔ تو جیسے سوئی ہوئی تکلیف جاگ اُٹھی۔ وہ ابھی سیدھی بھی نہیں ہوئی تھی کہ روبینہ بیگم۔

''جب ہر دین روز صفائی کرتی ہے تو تم پر کون سی آفت آن پڑی ہے۔ اتنا کام مت کرو۔ کمر درد دوبارہ ہو جائے گی۔''

''امی سال میں ایک دو مرتبہ انسان کو خود بھی صفائی کرنی چاہیے۔''

''ایک تو تمھارا یہ صفائی کا فلسفہ میری سمجھ میں نہیں آتا۔ اگر اتنا ہی ضروری ہے تو پروین سے کہو وہ چھٹی والے دن آ کر کونے کھدرے صاف کر جائے گی۔''

چونکہ تکلیف ہو رہی تھی وہ اُس کو چھپانے کی کوشش کر رہی تھی اُس کے چہرے کو دیکھ کر روبینہ بیگم۔

''کیا درد ہو رہا ہے۔ جو تمھارے چہرے کا رنگ بدل رہا ہے۔ کہیں بیڈ تو نہیں کھینچا۔''

آہستہ سے جیسے چوری پکڑی گئی ہو۔''جی امی......ایسا ہی ہوا ہے۔''

''تم صفائی چھوڑو۔ میں پروین سے کرواتی ہوں۔ تم جا کر گرم کپڑا رکھواور مرہم لگاؤ۔''

وہ جا رہی تھی کہ چونکہ ہر طرف اُس نے پانی ہی پانی کیا ہوا تھا وہ فرش دھو رہی تھی وہ بھی سرف ڈال کر۔ پاؤں پھسلا اور وہ گر گئی۔ پھر چھوٹ ریڑھ کی ہڈی پر لگی۔ اس بار تو زور سے چیخی۔ پروین اور روبینہ بھاگ کر آئیں۔ اُس کو پکڑ کر کمرے میں لے کر گئیں۔ اُس سے چلا نہیں جا رہا تھا۔ روبینہ بیگم۔

''اب کپڑے بدلو، میں تمھیں مرہم دیتی ہوں اور کپڑا گرم کر کے اس کو لگاؤ۔ تمھارا ہمیشہ یہی حال رہنا ہے۔ ہو گئیں تمھاری صفائیاں۔ نہیں سننی ماں کی۔ چاہے کچھ بھی ہو۔''

''امی ایک تو چوٹ لگی ہے اوپر سے آپ ڈانٹ رہی ہیں۔''

''ایسی اولاد کے ساتھ یہی کرنا پڑتا ہے مجبوری ہے۔''

وہ کپڑے بدل کر آئی تو ماں دل کے ہاتھوں مجبور ہو کر اُس کی خدمت میں لگ گئی۔ کچھ دیر کے بعد آصفہ۔

''امی میں اب ٹھیک ہوں۔ آپ جائیں۔''

حالانکہ آصفہ کا درد سے برا حال تھا۔ وہ گئی اور پروین سے سارا دن لگا کر کام کروایا۔ کیونکہ اس نے سارا گھر بکھیرا ہوا تھا۔ سارا دن کی تھکی ہاری شام کو ہی سو گئی۔ آصفہ درد سے بے حال تھی اُس کو تو لگا تھا یہ شدت تھوڑی دیر کے لیے ہے لیکن وہ طول پکڑ گئی تھی اس کی آمنہ سے تفصیلی بات نہیں ہو پا رہی تھی۔ وہ تکلیف میں تھی۔ ایک ماہ میں تو صرف ایک مرتبہ دو منٹ کے لیے ہوئی تھی۔ وہ تکلیف سے کراہتی رہتی تھی مگر ماں کے سامنے بہادر بن جاتی تھی وہ آج کل اپنا کام بھی نہیں کر رہی تھی۔ اس ایک ماہ میں عامر کو

بھی آمنہ کی سوچ بدلنے کا موقع مل گیا تھا۔

☆......☆......☆

جب آمنہ نے عامر کو کوئی جواب نہ دیا۔تو وہ سوچنے لگا۔

''کیوں نہ اپنا پرانا طریقہ آزمایا جائے۔میں اُس میں ماہر بھی ہوں۔وہ کارآمد بھی کافی ہے۔''

دونوں لیب سے واپس آرہے تھے تو عامر۔

''تم سب لڑکیاں دولت کی پجارن ہوتی ہو۔''

جھٹ سے آمنہ ''ایسی بھی بات نہیں۔''

''ایسی ہی بات ہے۔ایک سوال کیا تھا جواب نہیں آیا۔کسی دولت مند کی تلاش ہوگی۔مجھ جیسے کو کہاں دیکھو گی۔''

''تم نے جو سوچنا ہے سوچو۔میں جواب نہیں دے سکتی۔''

''تمھیں پتہ ہے میں ایک لڑکی سے ٹوٹ کر محبت کرتا تھا۔اُس کے بغیر زندگی کا تصور بھی نہیں کرسکتا تھا۔لیکن جب میں نے اُس کو پروپوز کیا تو پتہ ہے اُس نے کیا جواب دیا تمھارا اسٹیٹس کیا ہے؟ پہلے خود کو میرے قابل بناؤ۔''

اس کی یہ کہانی آمنہ کے دل پر اثر انداز ہوئی۔اُس کو اُس سے ہمدردی ہونے لگی۔وہ اُس کے چہرے کو دیکھ رہا تھا۔

بڑے معصوم انداز میں آمنہ۔

''پھر اُس نے امیر انسان سے شادی کرلی۔''

''ابھی کوئی نہیں ملا اُس کو۔''

''اب تو تمھارا بھی سٹیٹس بن گیا ہے۔سکالرشپ پر پڑھنے آئے ہو۔لائق ہو۔لوگ تم کو ہاتھوں ہاتھ لیں گے۔اب اُس سے بات کرو۔''

دکھی انداز میں ''بات کیا کرنی ہے۔میں نے نیا موبائل لیا اور اُس کا موبائل پر سٹیٹس لگایا۔

حالانکہ مہنگا ترین تھا۔ تو پتہ ہے اُس نے کیا comment کیا۔ موبائل پر دھیان دینے کی بجائے اپنے آپ پر توجہ دو۔"

اُس کی باتیں آمنہ پر اثر کر رہی تھیں۔ اُس کے دل میں اُس کے لیے نرم گوشہ پیدا ہو رہا تھا۔ جو وہ محسوس کر رہا تھا۔ نرمی سے آمنہ۔

"تم اب پریشان نہ ہو۔ تمھاری پی۔ ایچ۔ ڈی ہو گئی تقریباً۔ کوئی یہاں پر ہی اچھی سی جاب کر لینا۔ سب تمھارے پیچھے ہوں گے۔"

"تم بھی مجھ سے شادی نہیں کرنا چاہتی۔"

"ایسی کوئی بات نہیں میں امی کی پسند سے شادی کرنا چاہتی ہوں۔"

"تو کیا میں رشتے کے لیے گھر میں بات کروں۔ وہ سب تیار ہیں۔ اِدھر میں نے کہنا ہے۔ اُدھر انھوں نے آپ کے گھر پہنچ جانا ہے۔"

اُس کو آصفہ کی مارچ کی بات یاد آ گئی۔

"ابھی نہیں تم مارچ میں بھیج دینا۔"

"میں تو ابھی بھیجنا چاہتا تھا۔ مگر جیسے تمھاری مرضی۔ میں انتظار کر رہا ہوں۔"

ایک اُس کی دکھ بھری کہانی دوسرا آصفہ کے الفاظ اُس کے ذہن میں گھوم رہے تھے۔ وہ سوچ رہی تھی کہ عامر۔

"ہاں ایک اور بات۔ تم ابھی اپنے گھر والوں کو ہمارے تعلق کے بارے میں کچھ مت بتانا۔ میں نہیں چاہتا کل کو تمھارے بہن بھائی باتیں کریں۔"

تکلیف کی وجہ سے آصفہ بات نہیں کر پا رہی تھی۔ اور آمنہ بہن کے ڈر سے اُس سے بات نہیں کر رہی تھی۔ عامر کو کھل کر کھیلنے کا موقع مل رہا تھا۔ جس سے وہ پورا پورا فائدہ اُٹھا رہا تھا۔

☆......☆......☆

کمپیوٹر پر بیٹھے عامر اور آمنہ کام کر رہے تھے۔ عامر نے دیکھا کہ آمنہ کام میں مگن ہے تو اِس نے

آمنہ کی ٹانگ پر ہاتھ رکھ دیا۔ جیسے ہی آمنہ کو ہاتھ محسوس ہوا۔ چونکہ آمنہ ایک نیک اور پاکیزہ لڑکی تھی۔ اُس کے لیے یہ انتہائی گری ہوئی حرکت تھی۔ فوراً غصے سے۔

''مجھے اس طرح کی بے ہودہ حرکات پسند نہیں ہیں۔''

''سوری......سوری...... بے خیالی میں ہوگیا ہے۔''

اُس نے غصے سے بیگ اٹھایا اور وہاں سے چل پڑی۔ عامر اُس کے پیچھے بھاگا مگر اُس نے اُس کی ایک نہ سنی اور چلی گئی۔ سارا راستہ اُس کو عامر پر غصہ آرہا تھا ''بہت ہی غیر اخلاقی اِس نے حرکت کی ہے۔ ہم کوئی لڑکے ہیں جو ایک دوسرے کے ہاتھ پر ہاتھ ماریں یا ٹانگوں پر ہاتھ ماریں۔ لڑکی اور لڑکے کے درمیان فاصلہ ہونا چاہیے۔'' یوں سوچتے سوچتے وہ گھر پہنچ گئی۔ بستر پر لیٹ کر سوچنے لگی ''مجھے اب اس سے زیادہ بات نہیں کرنی۔ صرف کام سے کام رکھنا ہوگا۔ بلکہ یہ بہتر ہوگا کہ میں اُس سے کوئی بات ہی نہ کروں۔'' پھر خود سے ہی ''مجبوری ہے مجھے اُس سے کام کے سلسلے میں بات کرنی پڑے گی۔ اس لیے صرف کام سے متعلق ہی بات ہوگی۔''

کمرے میں پہنچ کر عامر نے آمنہ کو فون کیا مگر اُس نے نہیں اُٹھایا۔ پھر وہ مسلسل فون کر رہا تھا مگر وہ نہیں اٹھا رہی تھی۔ آخر دوسرے دن تنگ آکر عامر نے بس سٹاپ پر جانے کا فیصلہ کیا کیونکہ ہفتہ اتوار کی چھٹی میں آمنہ نوکری کرتی تھی۔ وہ جاب سے واپس آرہی تھی ابھی وہ سٹاپ پر اُتری تھی تو عامر پہلے سے ہی وہاں موجود تھا۔ وہ اُس کو دیکھ کر انجانی بن گئی اور اپنے راستے پر چلنے لگی۔ وہ اُس کے پیچھے چل پڑا۔ غصے سے آمنہ ''کیوں آئے ہو۔''

''کوئی اپنا ناراض ہو تو انسان اُس کے پیچھے کیوں جاتا ہے۔''

''میرا تم سے کوئی تعلق نہیں۔''

''لیکن میں نے تو تمھیں اپنا سب کچھ مان لیا ہے۔''

''مجھے اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔''

وہ اُس کو دیکھے بغیر آگے چلنے لگی پھر اُس نے اُس کو بہت کہا مگر آمنہ نے جواب نہ دیا۔ مگر وہ اُس

کو ہر قیمت پر منانا چاہتا تھا اس لیے وہ بھاگ کر آگے گیا۔ وہ سڑک پر کان پکڑ کر اٹھک بیٹھک کرنے لگا۔ ظاہر ہے آمنہ لڑکی تھی پگھلنے لگی۔ بولی۔

”پچاس مرتبہ یوں ہی کان پکڑ کر اٹھک بیٹھک کرو پھر مانوں گی۔“ وہ کھڑی ہوگئی اُس نے بغیر لوگوں کے پرواہ کیے پچاس مرتبہ کا دیا ہوا چیلنج پورا کیا۔ اس کی اوپر کی سانس اوپر تھی اور نیچے کی نیچے۔ کسی نے پہلی مرتبہ اُس کے لیے اتنا کیا تھا اثر تو ہونا تھا وہ تو اُس کے دل میں بیٹھ گیا مگر پھر بھی انجانہ سا خوف تھا۔

دونوں ساتھ ساتھ چل رہے تھے تو عامر۔

”دیکھو، تمھاری بہن ابھی تک بیٹھی ہے۔ اُس کے لیے کوئی رشتہ نہیں اگر تم بھی ایسا کرو گی تو بالوں میں چاندی آجائے گی۔ پھر روتی رہ جاؤ گی۔ میری بہت سی جاننے والی ہیں۔ جب اُن پر وقت تھا کسی کو گھاس نہیں ڈالتی تھیں مگر اب پچھتا رہی ہیں۔“

اُس کی باتیں آمنہ پر اثر انداز ہو رہی تھیں۔ اُس کو لگا وہ صحیح کہہ رہا ہے۔ اُس نے اُس کے بارے میں سوچنے کا فیصلہ کیا۔

کوئی بھی فیصلہ انسان خود نہیں کرتا بلکہ اِرد گرد کا ماحول بھی فیصلہ کرنے میں مدد کرتا ہے بلکہ یوں کہیے کہ فیصلہ ہی آپ کے ارد گرد کے لوگ کرتے ہیں۔ وہ نوکری پر گئی تو ساتھ والی لڑکی۔

”آج میرا آخری دن ہے مجھے میری فیلڈ کی جاب مل گئی ہے۔ اب صرف ایک ہی آرزو ہے کوئی آئے اور ہاتھ پکڑ کر لے جائے۔ سب کچھ کر لیا ہے لیکن نجانے لڑکے کہاں مر گئے ہیں۔ میری بہن کے بالوں میں سفیدی آگئی ہے لیکن اس کو کوئی بیاہنے نہیں آیا۔“

”اگر کوئی اپروچ کرے تو کیا تم مان جاؤ گی؟“

”فوراً، خوش قسمتی بار بار دستک نہیں دیتی۔ اگر خوش قسمتی دستک دے تو خوش قسمت لوگ ہی اُس کو سنتے ہیں۔ ایک وقت آتا ہے جب لڑکی اپنا گھر اور فیملی چاہتی ہے۔“

اُس کی باتیں عامر کی طرح تھیں۔ اب اُس پر عامر کا اثر بڑھتا جا رہا تھا اُس کے دماغ میں عامر کے الفاظ گونج رہے تھے۔ اُس کو لگ رہا تھا وہ سچ کہہ رہا ہے۔

ہرملک کی کچھ روایات ہوتی ہیں جن کو وہ کہیں بھی چلا جائے۔چھوڑ نہیں سکتا۔پاکستانیوں کی بھی ہیں۔وہ کوئی نئی چیز بنائیں تو ہمسایوں کو ضرور دیتے ہیں۔آمنہ نے آلو والے پراٹھے بنائے تو ساتھ والے روم میں دینے گئی۔اُس لڑکی سے آمنہ کی ہیلو ہائے تھی۔اُس نے دروازے پر دستک دی تو عینا نے دروازہ کھولا۔

Come inside, have a seat

(اندر آؤ بیٹھو)

I cooked potato parathas and decided to share with you

(میں نے آلو کے پراٹھے پکائے اور آپ کے ساتھ شیئر کرنے کا فیصلہ کیا)

Thanks, to keep me in your mind.

(شکریہ مجھے۔اپنے ذہن میں رکھنے کے لیے)

you know, how to eat them.

(آپ جانتی ہیں کیسے کھانے ہیں)

Yes, before you, I hade a pakistani freind in last city. She always had shared me what ever she cook

(ہاں،تم سے پہلے پچھلے شہر میں میری ایک پاکستانی دوست تھی۔اُس نے جو کچھ بھی پکایا وہ مجھ سے شیئر کرتی تھی۔)

دونوں باتیں کرنے لگ گئیں۔شادی کی بات شروع ہوئی تو آمنہ۔

what type of life partner you andicipate.

(آپ کس قسم کا جیون ساتھی کی توقع کرتی ہیں)

He who does not drink because my father and brother

did hot drink in their whole lif

(وہ جوشراب نہ پیتا ہو۔ کیونکہ میرے باپ اور بھائی نے اپنی پوری زندگی شراب نہیں پی)

حیرت سے عینا کی طرف دیکھتے ہوئے آمنہ۔

I thought, we only consider it bad but it is astonished me to hear, here are also some people who do not like

(میں سمجھتی تھی۔ ہم صرف اس کو برا سمجھتے ہیں لیکن یہ سن کر حیرت ہوئی یہاں پر بھی کچھ لوگ اس کو ناپسند کرتے ہیں۔)

we are followers of prophet Isaa, so we have values and norms too

(ہم حضرت عیسیٰ علیہ اسلام کو مانتے ہیں اس لیے ہماری بھی قدریں ہیں)

why not you did get married till now.

(تم نے اب تک شادی کیوں نہیں کی)

if any one would approach me, I will accept his proposal because every girl. want home and family. Thi instinct

(اگر کوئی مجھ سے رابطہ کرے گا تو میں اُس کا پروپوزل قبول کروں گی کیونکہ ہر لڑکی گھر اور خاندان چاہتی ہے یہ جبلت ہے)

آمنہ کو سوچتے دیکھ کر عینا۔

one thing I must see that quality whi is impotd for me.

(ایک چیز میں ضروری دیکھوں گی وہ خوبی جو میرے لیے اہم ہو گی۔)

Thanks, you have given me your precious time.

(شکریہ،آپ نے مجھے اپنا قیمتی وقت دیا۔)

It is good to me to spend time with you and talks to you

(آپ کے ساتھ وقت گزارنا اور آپ سے بات کرنا میرے لیے اچھا ہے۔)

nice to meet you.

(آپ سے مل کر خوشی ہوئی)

we will meet again.

(آپ سے دوبارہ ملاقات ہوگی)

وہ لیب میں کام کر رہی تھی کہ عامر۔

''موسم بہت اچھا ہے چلو گھومنے چلتے ہیں۔''

''مجھے کام کرنا ہے۔''

''یہ کام وام ہوتا رہے گا یہ وقت دوبارہ نہیں آئے گا۔''

وہ اُس کو نہیں نہیں کہہ سکی اور اُس سے ساتھ چل پڑی۔ کیونکہ وہ اُس سے ہار رہی تھی۔ وہ چلتے چلتے اور موسم کا مزہ لیتے لیتے شاپنگ مال پہنچ گئے۔ انھوں نے سارا مال گھوم لیا۔ عامر کو پہلا واقعہ یاد تھا اس لیے اُس نے کوئی بے ہودہ حرکت نہ کی۔ وہ اُس کا اعتماد چاہتا تھا۔ دونوں نے کھانا کھایا۔

زندگی میں پہلی مرتبہ آمنہ کو لگ رہا تھا کہ وہ زندگی جی رہی ہے وہ سوچنے لگی ''یہ کتنی خوبصورت زندگی ہے۔ اور کسی کا ساتھ اس میں رنگ بھر دیتا ہے۔''

''کیا سوچ رہی ہو۔''

''یہ ہی کہ تم اچھے ہو۔''

''انسان کا پتہ ملنے سے چلتا ہے۔ شکر ہے تم نے مجھ پر اعتماد کیا اور میرے ساتھ آ گئی ورنہ مجھے لگ رہا تھا۔ تم نہیں آؤ گی۔''

اُس کے پاس جواب نہ تھا وہ صرف سن رہی تھی۔

''تمھارے لیے سرپرائز ہے۔''

''وہ کیا۔''

''چلو......تو......''

وہ اُس کو جیولری شاپ پر لے گیا۔وہ حیرت سے اُس کو دیکھتی رہ گئی۔

''انگوٹھی پسند کرو۔''

''لیکن کیوں۔''

''ایک لڑکا ایک لڑکی کو انگوٹھی کیوں دیتا ہے۔تم جانتی ہو۔''

وہ بہت خوش تھی۔اُس نے انگوٹھی پسند کی مگر وہ اُس کی انگلی میں پوری نہ آئی۔اُس نے دوکان کی ساری انگوٹھیاں پہنی مگر کوئی بھی پوری نہ آئی۔پھر دوسری اس کے بعد تیسری مگر سائز پورا نہ تھا۔

''چھوڑو، چلتے ہیں۔''

''نہیں تمھیں لینی ہوگی۔ہم آرڈر پر بنوا لیتے ہیں۔''

انھوں نے انگوٹھی کا آرڈر دیا مگر انگوٹھی نہ اُس دن لے سکے۔واپسی پر آمنہ ''تم رشتہ بھیج دو۔میں گھر والوں کو دیکھ لوں گی۔''

بڑے جوش سے عامر ''کیوں نہیں'' جیسے یہ ہی سننے کو تیار بیٹھا تھا۔وہ جا رہے تھے تو شیث کا فون آیا تو عامر اشارے سے ہم دونوں کے بارے میں مت بتانا۔وہ بھی لکیر کی فقیر تھی کچھ نہیں کہا۔

''کیسی ہو۔گھر جا رہی ہوں۔''

''جی، واپس ہی جا رہی ہوں۔''

''کام کیسا جا رہا ہے۔''

''ابھی کچھ خاص سمجھ نہیں آرہا۔''

''گھبرانا مت، آہستہ آہستہ سمجھ آجائے گا۔''

جیسے ہی آمنہ نے فون بند کیا۔ عامر کی جان میں جان آ گئی اور اُس کو یقین ہو گیا کہ اب وہ اُس کے کنٹرول میں ہے۔ "یہ ان لوگوں میں سے ہے جن پر شروع میں قابو کرنا مشکل ہوتا ہے پھر کہیں نہیں جاتے۔"

وہ جاب سے واپس جا رہی تھی۔ ابھی بس میں بیٹھی ہی تھی کہ عامر کا فون آ گیا تھا۔ اُس کا نمبر دیکھ کر حیرت زدہ ہوئی۔

"فون کیا ہے خیریت تو ہے۔"

"میں نے سوچا۔ چھٹی ہو گئی ہو گی کیوں نہ کمپنی دی جائے تاکہ ان کو سفر کا احساس بھی نہ ہو اور وہ کٹ جائے۔"

"شکریہ! اس قدر عزت افزائی کا۔"

"کیا کر رہی تھی۔"

"تمھارا فون آنے سے پہلے یوٹیوب پر گاجر کا حلوہ بنانے کا طریقہ دیکھ رہی تھی۔ دل چاہ رہا تھا کہ کھاؤں۔"

"سن کر حیرت ہوئی لڑکی ہو کر میٹھا پسند ہے لڑکیوں کو تو چٹ پٹی چیزیں پسند ہوتی ہیں۔ یہاں تو معاملہ اُلٹ ہے۔"

"کیونکہ میں میٹھی ہوں۔ اس لیے میٹھی چیزیں پسند کرتی ہوں۔"

"اتنی میٹھی کے دل کیا؟ شریانوں میں اُتر جانے والی۔"

ہنس کر "ڈائیلاگ اچھے بول لیتے ہو۔"

دونوں باتیں کرتے رہے۔ سفر آسانی سے کٹ گیا اور وہ اپنے سارے دن کی تھکان بھی بھول گئی۔ اگر زندگی میں سچ مچ اچھا ہم سفر مل جائے تو زندگی آسان ہو جاتی ہے۔ کانٹے پھول بن جاتے ہیں چبھن بھی نہیں ہوتی۔

خود سے عامر "پہلا امتحان شروع ہو گیا ہے، چل بچو، اس سردی میں ٹھٹھرتا ہوا جا مارکیٹ اور گاجریں لا۔ پھر پکانے کا مرحلہ آئے گا۔"

اس نے دروازہ کھولا تو برف باری ہو رہی تھی مگر وہ بھی اُس کو نہ روک سکی اور وہ گیا اور گاجریں لے کر آیا۔ پکانے کی بات آئی تو ماں کو فون ملایا''امی گاجر کا حلوہ کیسے بناتے ہیں؟''

حیرت سے ماں ''تمھیں تو پسند نہ تھا تم نے کبھی شوق سے نہیں کھایا۔ کیا ہوا ہے جو تم بنانے کا طریقہ پوچھ رہے ہو۔''

''ماں جی، بس سمجھ جایئے آج سے کھانا شروع ہو گیا ہوں۔ آپ بس بول کر ساری ترکیب میسج سے بھیج دیں۔''

اُس نے میسج سنا پہلا مرحلہ گاجریں دھو کر کدو کش کرنے کا آیا اُس نے اُس پر عمل شروع کر دیا کدو کش کرتے ہوئے ہاتھ بھی کش ہوا تو زور سے منہ سے ہائے کی آواز نکلی۔ تو خود سے۔

''بغیر محنت کے کچھ نہیں ملتا۔ ہائے چھوڑ اور کام کر۔''

چولہے پر ایک طرف گاجریں پکنے کے لیے رکھ دیں اور دوسرے چولہے پر دودھ سے کھویا بنانے لگا۔ چونکہ تیز آنچ پر بنا رہا تھا تو آنچ دیگچی کو پکڑتے ہوئے ہاتھ پر پڑی اور ہاتھ جل گیا۔ جلدی سے اُس پر ٹوتھ پیسٹ لگائی۔ ''لگ رہا ہے سی ایس ایس کا امتحان دینے کی تیاری کر رہا ہوں۔'' پھر خود کو جواب دیتے ہوئے''زیادہ چوں چاں کرنے کی ضرورت نہیں۔ صبح رشتے سے نہ کرنی ہے اور اُس کو ناراض بھی نہیں کرنا۔ اس لیے ہاتھ کے جلنے کو بھول کر حلوہ بناؤ۔''

جلے ہوئے ہاتھ سے گاجریں پانی چھوڑ چکی تھیں ان کا پانی خشک کیا اور گھی ڈال کر بھوننے لگا حرارت ہاتھ پر پڑ رہی تھی اور جلن محسوس ہو رہی تھی۔ مگر وہ جوش و خروش سے پکا رہا تھا۔

اگلے دن وہ ڈبہ میں ڈال کر سجا کر لے گیا۔ وہ کیبن میں بیٹھی ہوئی اُس کے سامنے رکھ دیا۔

''تمھارے لیے ہاتھ جلا کر میں نے خود بنایا ہے۔''

یہ ہوتے ہیں تیز لوگ جو محنت بھی ساتھ بتاتے ہیں سیدھے لوگوں کی طرح نہیں سب کچھ کر دیا مگر محنت نہیں بتائی۔

اس کو یقین نہیں آ رہا تھا کہ کسی نے اُس کے لیے سب کیا ہے خوشی سے۔

''میرے لیے۔''

''جی جناب، جو خاص ہوتے ہیں اُن کی خوشی کے لیے انسان چاند پر بھی جاسکتا ہے۔ یہ تو پھر معمولی حلوہ بنانا تھا۔''

حلوہ کھاتے ہوئے آمنہ کو لگ رہا تھا اُس نے صحیح فیصلہ کیا تھا۔

''میں نے تم کو بتایا تھا کہ میری بڑی بہن کی شادی نہیں ہوئی ہے اُس کا رشتہ ڈھونڈ رہے ہیں جب تک اُس کی شادی نہ ہو۔ میں رشتہ تب تک نہیں بھیج سکتا۔''

انسانیت تو آمنہ میں کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی۔ پھر اوپر سے ابھی ابھی حلوہ کھایا تھا آخری لقمہ ابھی گلے میں اٹکا ہوا تھا۔ دوسری لڑکیاں بے وقوف ہوتی ہیں ان کو جیسے مرضی گھما لو گھوم جاتی ہیں۔ دنیا کی سب سے زیادہ بے وقوف مخلوق ہیں۔

''کوئی بات نہیں۔ ہم انتظار کریں گے۔ نہ تم بھاگ رہے ہو اور نہ میں کہیں بھاگ رہی ہوں۔''

آج جو وہ آمنہ کے لیے حلوہ بنا کر لایا تھا اور اس کا ہاتھ بھی جل گیا تھا وہ سوچ سوچ کر آمنہ اس کی محبت کا اندازہ لگا رہی تھی اور خود کو خوش قسمت تصور کر رہی تھی۔ خود بھی اس کے حصار میں قید ہو رہی تھی اس کے ساتھ زندگی گزارنے کا پلان بنا رہی تھی۔ وہ زندگی میں ایسا ہی محبت کرنے والا اور خیال رکھنے والا شخص چاہتی تھی۔

وہ انسٹیٹیوٹ کے صحن میں بیٹھے باتیں کر رہے تھے کہ ایک لڑکی عامر کے پاس آئی۔ وہ ان کے ساتھ ہی کام کرتی تھی۔

''آپ میرے گراف بنانے میں میری مدد کر دیں گے۔''

''ابھی دو تین دن میں فارغ نہیں ہو۔ پھر بتاؤں گا۔'' بڑے سخت لہجے میں۔ بالکل انجان بنا کر حالانکہ اس کو اچھی طرح جانتا تھا۔

وہ جواب سن کر چلی گئی تو آمنہ۔

''آج کل تم فارغ ہی ہو۔ اس کا کام کر دیتے۔''

''تمھارا کام میں فوراً اس لیے کر دیتا ہوں کیونکہ تمھاری میرے دل میں خاص جگہ ہے۔ ہر ایک کا نہیں۔''

وہ اُس کا منہ دیکھنے لگ گیا۔ جب دیکھا کہ اس کو برا لگ رہا ہے تو۔

''میں تو سب کا کام کر دیتا ہوں لیکن خاص لوگوں کے پہلے کرتا ہوں پھر دوسروں کے جب دل چاہے۔ اگر تم بھی مجھے لفٹ نہیں کرواؤ گی تو تمھارے ساتھ بھی ایسا ہی کروں گا۔''

ایک طرف اُس کو خاص ہونے کا احساس دلایا دوسری طرف اُس کو رویہ بدلنے کا بھی احساس دلا کر خوف بھی اُس میں ڈال دیا۔ یعنی اگر وہ اُس کے ساتھ نہیں چلے گی تو وہ اُس کے ساتھ بھی سخت گیر ہو جائے گا۔

وہ شام کو واپس گئی تو بیٹھی سوچنے لگی ''اگر وہ اُس کے ساتھ ویسا رویہ رکھے تو اُس کو کیسا محسوس ہو گا۔ وہ سوچ کر کانپ اُٹھی۔ اُس کو پتہ چلا وہ اُس کا بدلا ہوا رویہ برداشت نہیں کر پائے گی۔''

☆......☆......☆

وہ صبح سے بیٹھی لیب ٹاپ پر سر کھپائی کر رہی تھی مگر وہ کام نہیں کر رہا تھا۔ اُس کو اپنی غلطی سمجھ بھی نہیں آ رہی تھی۔ کام بھی ضروری تھا۔ عامر دو دن سے انسٹیٹیوٹ نہیں آیا تھا۔ اُس کو سمجھ نہیں آ رہا تھا کس سے پوچھے آخر تنگ آ کر آمنہ نے عامر کو فون کیا۔

''میں spss پر کام کر رہی ہوں ڈیٹا انٹر کرتی ہوں تو لیب ٹاپ بند ہو جاتا ہے۔ بتاؤ مجھ سے کہاں غلطی ہو رہی ہے۔''

''ایسے تو مجھے پتہ نہیں چل رہا۔ تم میرے ونگ آ جاؤ۔ میں دیکھ لیتا ہوں۔'' اس کو تو جیسے اُمید کی کرن نظر آ گئی ہو۔ کچھ سوچے سمجھے بغیر لیب ٹاپ اٹھائے اس کے ونگ پہنچ گئی۔ جب آپ کسی پر اعتماد کرتے ہیں تو آنکھیں بند کر کے اس کی ہر بات پر عمل کرتے ہیں۔ اوپر سے آپ معصوم ہو تو کسی کے بارے میں برا گمان بھی نہیں کر سکتے۔

وہ کچن میں کام کر رہا تھا۔ اس کو دیکھ کر تم بیٹھو میں دیکھتا ہوں۔

وہ وہاں بیٹھ کر اُس کو دیکھ رہی تھی اور سوچ رہی تھی۔

''دیکھو، کتنا مصروف ہے پھر بھی اس نے میرے لیے وقت نکالا۔ کہاں ہوتے ہیں ایسے لوگ۔ خدا، اس کو اجر دے۔''

اس کے ویگے کا ایک لڑکا بھی اسی دوران کچن میں آیا تو عامر نے اس سے ہاتھ ملایا اور آمنہ کا تعارف کروایا۔

Meet my colleage miss Amina

''Hi'' منہ سے آمنہ

اُس نے سلام لینے کے لیے آگے ہاتھ بڑھایا تو آمنہ۔

''Sorry''

اس نے برا نہیں منایا بولا۔

Nice to meat you.

(آپ سے مل کر خوشی ہوئی)

وہ چلا گیا تو عامر۔

''تم سلام لے لیتی تو کیا ہوتا؟ اب وہ سوچتا ہوگا کہ ہم آرتھوڈوکس ہیں۔ یہ لوگ پہلے ہی مسلمانوں کو بیک وارڈ سوچ کے حامل سمجھتے ہیں۔ تم نے مسلمانوں کا Image ہی خراب کر دیا۔''

غصے سے آمنہ۔

''وہ مجھے کچھ بھی سمجھے مجھے اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ میں اپنے اصول نہیں توڑ سکتی صرف اس لیے کہ مجھے ماڈرن لگنا ہے۔ دوسری بات مسلمانوں کا image ہمارے اصول کی وجہ سے خراب نہیں ہوا بلکہ اِن اصول کو توڑنے اور دھوکا دینے سے خراب ہوا ہے۔''

وہ سوچنے لگا۔

''اتنے اصول میرے جال میں مچھلی کیسے پھنسے گی۔'' پھر خود سے ہی جواب دیتے ہوئے'' پہلے

پہل سب کے اصول ہوتے ہیں پھر سب خود ہی ہاتھوں سے توڑ دیتی ہیں۔''

اتنی بڑی بات ہونے کے باوجود آمنہ نے کچھ نہ سوچا کہ جو انسان چھوٹی سی بات پر آپ پر تنقید کر رہا ہے وہ زندگی میں آپ کا کیا خاک ساتھ دے گا۔ اُس کو تو آپ میں آگے چل کر کیڑے ہی کیڑے نظر آئیں گے۔ یا پھر آپ کو مفاد پورا ہونے پر ٹانگ مار کر نکال دے گا۔ مرد دور کی سوچتا ہے عورت نہیں۔ عورت صرف ظاہر ہی دیکھتی ہے۔ یہ دنیا کی عورت کی حقیقت ہے۔ ورنہ ناکام نہ ہوتی۔ اُس کو تو اُس کی اُس کے سامنے کی جانے والی کوششیں نظر آرہی تھیں۔ جو دیکھاوا تھی۔

اس نے کھانا بنانے کے بعد آمنہ کا لیب ٹاپ پکڑا اور دونوں کمرے میں چلے گئے۔ وہ لیپ ٹاپ کا معائنہ کر رہا تھا اور آمنہ اس سے باتیں کر رہی تھی۔ اُس کو اپنی لائن پر لانے کے لیے۔

''اس طرح تم یہاں پر سروائیو نہیں کر پاؤ گی۔''

''آپ فکر نہ کریں۔ میں کرلوں گی ان ہی اصولوں کے ساتھ۔''

اس کے ذہن میں ڈینیل کا تجربہ تھا۔ اُس نے سلام نہیں لیا تھا پھر بھی اس نے اُس کو عزت دی تھی۔ اس کے علاوہ وہ ایک جگہ نوکری کے لیے گئی تھی اُس نے اُس کے مالک سے ہاتھ نہیں ملایا تھا پھر بھی اُس نے نوکری دی تھی اور جب تک وہ وہاں نوکری کرتی رہی وہ اُس کو عزت دیتے تھے۔ لیب ٹاپ ٹھیک ہوا تو عامر اُس کو خدا حافظ کرنے کے لیے اُٹھا۔ اُس نے اپنا لیب ٹاپ پکڑا سامان پکڑ رہی تھی کہ عامر جو تاک میں بیٹھا تھا اُس کا ہاتھ پکڑ لیا۔ زور سے بازو سے پکڑ کر گلے سے لگا لیا۔ آمنہ کے تو جیسے ہوش ہی اڑ گئے کیونکہ وہ یہ سب گمان بھی نہیں کر سکتی تھی۔ پاؤں زمین میں گڑ گئے۔ سانس رک گئی۔ دو تین منٹ تک تو اُس کو دنیا جہاں ہی بھول گیا۔ اُس کو پتہ بھی نہ چلا کہ اُس کے ساتھ ہوا کیا ہے۔ ہوش آیا تو جلدی سے ہاتھ چھڑوا کر سامان اُٹھا کر وہاں سے بھاگی۔ وہ پیچھے سے آوازیں دیتا رہا۔

آمنہ......آمنہ سنو......آمنہ سنو تو......

مگر اُس نے ایک نہ سنی اور کمرے میں پہنچ کر ہی سانس لیا۔ آمنہ کے ساتھ جو کچھ ہوا تھا وہ یہ سب برداشت ہی نہیں کر پا رہی تھی۔ اس کو اپنا آپ گدلا لگ رہا تھا۔ وہ تو جیسے کھائی میں گر گئی تھی۔ وہ

بستر پر بیٹھی کپڑوں کو چپ چاپ دیکھ رہی تھی۔ چہرے پر خوشی کی جگہ اُداسی نے گھیرا ڈال لیا تھا۔ اس کو وہ دنیا جو پہلے انسانوں سے بھری لگتی تھی اب درندوں سے بھری لگ رہی تھی۔ وہ کبھی ہاتھ کپڑوں پر ملتی اور کبھی کپڑوں کو جھاڑتی۔ آنکھیں تھیں کہ سمندر بہا رہی تھی ان میں خوابوں کی جگہ ویرانے نے لے لی تھی۔ پاگلوں کی طرح حرکات کر رہی تھی۔ اُس کے اندر احساسِ گناہ پیدا ہو گیا تھا۔ دراصل وہ وہ لڑکی تھی جس نے کبھی کسی سے ہاتھ بھی نہیں ملایا تھا۔ اس کے لیے یہ قیامت سے کم نہ تھا۔ اُس کا بھی یہی دل چاہ رہا تھا

''زمین پھٹ جائے اور وہ اُس میں دھنس جائے اور دنیا اُس کو نہ دیکھے۔''

شرمندہ ہونے کی بجائے عامر نے اس کو نظر انداز کرنا شروع کر دیا۔ وہ لیب میں کھڑی تھی۔ وہ اُس کو دیکھ کر بھی ایسے گزر گیا جیسے جانتا ہی نہیں وہ جو سمجھ رہی تھی کہ وہ اُس سے معافی مانگے گا وہ دل تھام کر رہ گئی۔ وہ اُس کے ساتھ ایسا ہی سلوک کر رہا تھا جو اس کو تکلیف دے رہا تھا ایک طرف احساس گناہ دوسری طرف نظر سے گرنے کا دکھ۔ جو اُس کے دل میں کانٹے کی طرح چبھن پیدا کر رہا تھا۔ وہ برداشت کرتی رہی۔ جب اس نے دیکھا کہ وہ اُس کے پیچھے نہیں آئی تو چلا آیا۔ یہ عامر کی عادت تھی کہ وہ ایک ہاتھ گلے پر رکھتا تھا دوسرا پاؤں میں۔ اگر گلا نہ دبایا گیا تو پاؤں پڑ جاؤں گا۔ اوپر سے پڑتے ہوئے۔

''تم مجھ سے بات نہیں کر رہی۔''

''تمہیں نہیں پتہ۔ تم نے اس دن کیا کیا تھا۔''

''کیا کیا تھا؟ کچھ بھی تو نہیں۔''

''وہ سب تمھارے لیے کچھ بھی نہیں ہے۔''

''ہاتھ پکڑا تھا اور گلے لگایا تھا۔ یہ کوئی بڑی بات نہیں۔ یہاں یہ کوئی بات نہیں۔''

''میرے لیے یہ قیامت سے کم نہیں۔''

''تو پھر سمجھتی رہو۔ میں اب سے تم سے بات نہیں کروں گا اور نہ ہی بلاؤں گا۔''

وہ خیال کر رہا تھا اُس نے جس قدر اُس کو محبت کا احساس دلایا ہے وہ اس کے پیچھے بھاگی آئے گی سچ بھی تھا دل تو اُس کا بھی تڑپ رہا تھا مگر اُس میں اقدار تھیں وہ اُن کو توڑ کر گناہ نہیں کر سکتی تھی۔ ہفتہ

پھر تو وہ نہیں اس کے پاس آیا حالانکہ انسٹیٹیوٹ آتا تھا۔ پھر جب کوئی جواب نہ آیا تو منہ اٹھائے آ گیا۔ وہ سوچتی تھی وہ نہیں آئے گا۔

''اتنی کون سی قیامت آ گئی تھی کہ تم نے بلانا ہی چھوڑ دیا۔ میں ہی پاگل ہوں جو آ جاتا ہوں۔ تمھیں کیا فرق پڑتا ہے۔ تم تو کسی کے انتظار میں ہو۔''

''میں اب تم سے ہی شادی کروں گی۔ اس کے بعد میں کیسے کسی دوسرے سے شادی کر سکتی ہوں۔ البتہ تم چاہے نہ کرو۔ تم رشتہ بھیجو۔ میں اپنے گھر والوں کو منا لوں گی۔''

''اب تم نے کہا ہے تو بھیج دیتا ہوں۔ کوشش کر رہا ہوں۔''

وہ لیب ہی میں کام کر رہی تھی کہ عامر۔

''آج موسم بہت ہی خوشگوار ہے۔ آؤ گھومنے چلتے ہیں۔''

''صاف بات ہے مجھے تمھارے ساتھ کہیں بھی نہیں جانا۔''

''اگر تم پچھلی بات پر ناراض ہو تو میں ماں کی قسم کھاتا ہوں شادی تم سے ہی کروں گا چاہے کچھ بھی ہو۔''

اس کے سر پر ہاتھ رکھ کر ''میں تمھارے سر کی قسم کھاتا ہوں اب ایسی حرکت نہیں کروں گا۔''

لڑکیاں ہوتی ہی بے وقوف ہیں فوراً مان گئی۔ دونوں گھومنے نکل گئے۔ وہ باتیں کرتے سڑک پر چل رہے تھے۔ آگے جا کر سڑک کے دونوں کناروں پر درخت لگے ہوئے تھے۔ کافی پتے نیچے گرے ہوئے تھے۔ ان پر چلنے سے جو آواز آ رہی تھی وہ آمنہ کو بہت خوبصورت لگ رہی تھی منظر بے حد حسین تھا۔ عامر نے بھی موقع سے فائدہ اٹھا کر ایک کیل اس کے دل میں لگا دیا۔ وہ بھاگ کر آگے ہو گیا اور فلمی ہیرو کی طرح محمد رفیع کا گانا گانے لگا۔

''آج موسم بڑا بے ایمان ہے، بڑا بے ایمان ہے آج موسم
آنے والا کوئی طوفان ہے کوئی

اس کے چہرے کے تاثرات بھی ان الفاظ کی تشریح کر رہے تھے۔ لگ رہا تھا وہ دل سے کہہ رہا

ہوا اور دل تک پہنچانا چاہ رہا ہو۔

اس لائن نے تو آمنہ کے دل کے تار ہی ہلا دیے تھے۔

اے میرے یار اے حسن والے
دل کیا میں نے تیرے حوالے
تیری مرضی پہ اب بات ٹھہری
جینے دے چاہے تو مار ڈالے

وہ اپنا پچھلا واقعہ بھول کر محبت کی دنیا میں پھر سے پہنچ گئی تھی گھومے تو وہ سڑک پر تھے مگر عامر نے آمنہ کو پریوں کی دنیا کی سیر کروادی تھی۔ جب کوئی پریوں کی دنیا میں جاتا ہے تو اس کو کب یاد رہتا ہے اس کی زندگی میں کوئی دکھ بھی تھا۔ اس دنیا کا جادو سر چڑھ کر بولتا ہے۔ انسانوں پر تو بہت اثر کرتا ہے۔ آمنہ تو اس کے مکمل سحر میں تھی۔ دن تو پر لگا کر اُڑ گیا۔ ویسے بھی اچھے وقت کی عمر چھوٹی ہوتی ہے۔ وہ تو کمرے میں پہنچ کر بھی اسی سحر میں رہی۔ ساری رات پرستان کی ہی خوابوں میں سیر کرتی رہی۔ اس پرستان میں جو دیو تھا اس کو شہزادہ خیال کرتی رہی۔

اس دن کے بعد عامر کو لگا آمنہ اس پر دوبارہ اعتماد کرنے لگی ہے۔ اس نے نئی ترکیب شروع کی۔

اگلے دن عامر ”کسی دوسرے شہر گھومنے چلیں۔“

”نہیں وہاں ہمیں ہوٹل میں رہنا پڑے گا۔ میں تمھارے ساتھ ہوٹل میں اکیلی نہیں رہ سکتی۔“

”ہم دن بھر گھومیں گے رات کو الگ الگ کمروں میں ٹھہریں گے۔“

”سوری، میں اس طرح تمھارے ساتھ نہیں جاؤں گی۔“

جب اس نے دیکھا یہ ترکیب نے کام نہیں کیا تو بولا۔

”کل میرے ہاں کھانے پر تو آسکتی ہو۔ تم نے تو بلانا نہیں۔ میں نے سوچا میں ہی دعوت دے دیتا ہوں۔“

لڑکیاں چونکہ جذباتی ہوتی ہیں آمنہ فوراً۔

''کل تم میرے ہاں کھانے پر آ جانا۔ویسے بھی میں نے کل جاب سے چھٹی لی تھی۔تمہیں بھی کھانا کھلا دیتی ہوں کیا یاد کرو گے۔''

اس کے آنے سے پہلے آمنہ تقریباً کھانا بنا چکی تھی۔اس کے آنے کے بعد اس نے جو تھوڑا بہت کام رہ گیا تھا مکمل کیا۔پھر کھانا لگایا۔دونوں کھانے کے دوران باتیں بھی کر رہے تھے۔

''کھانا تو اچھا بنایا ہے۔لگتا نہیں تھا۔''

''تم ٹھیک سمجھے مجھے کھانا بنانا نہیں آتا تھا ایک مرتبہ انڈا بنایا تھا وہ تو کھانے والے کی ہمت تھی اس نے کھا لیا۔پھر سب نے اس کو داد دی تھی۔یہ تو یہاں آ کر بنانا سیکھا ہے۔وہ بھی زیادہ نہیں آتا۔گزارہ کر لیتی ہوں۔''

''وہ جناب کون تھے جن کے بارے میں آپ نے بتانا پسند نہیں کیا اور قصہ گول کر دیا۔''

''میرے کزن بھائی ہیں۔مجھے چھوٹی بہن اور بیٹی کی طرح عزت دیتے ہیں۔''

''اچھا......اچھا......''

''کیوں تمہیں کیا لگا۔''

''مجھے لگا میرے سے بھی پہلے کسی کی انٹری ہو چکی ہے تو پھر میری دال نہیں گلے گی۔''

''کوئی ہوتا تو میں تمہارے ساتھ نہ بیٹھی ہوتی۔''

وقت بہت اچھا گزر گیا۔باتوں سے عامر کو لگا آمنہ اب اس کے قابو میں ہے وہ برتن اٹھا رہی تھی کہ عامر نے دوبارہ اُس کا ہاتھ پکڑ لیا۔اس کو لگا تھا اب راستہ ہموار ہے وہ اپنی پیاس بجھا سکتا ہے۔جیسے ہی وہ آمنہ کا ہاتھ پکڑتا تھا آمنہ خود کو بھول جاتی تھی۔اس بار بھی ایسا ہی ہوا۔ہوش میں آئی تو جلدی سے ہاتھ چھڑوایا۔اس نے آمنہ کو کندھے سے پکڑ کر ساتھ لگا لیا۔

آمنہ کے تو ہاتھوں کے طوطے اُڑ گئے۔اس کی حالت غیر ہو گئی تھی۔وہ توقع بھی نہیں کر سکتی تھی کہ وہ دوبارہ وہی حرکت کر سکتا ہے۔اُس نے خود کو پیچھے کیا۔''غلطی ہو گئی۔سوری......سوری۔''

''ایک مرتبہ انسان سے غلطی ہوتی ہے دوبارہ نہیں۔''

اس کے پاس کوئی جواز تو تھا نہیں۔ بس یہ ہی کہہ رہا تھا۔

''ہو گئی غلطی تو ہو گئی۔''

تم ''میں اب تم سے ہی شادی کروں گی۔ آج ہی اپنے گھر والوں سے بات کرو اور رشتہ بھیجو۔ کچھ بھی ہو شادی تم سے ہی ہو گی۔''

وہ غصے میں وہاں سے چلا گیا۔

اب آمنہ کو خود پر غصہ آ رہا تھا۔ اس کو اپنا وجود گندا لگ رہا تھا۔ اپنے آپ سے نفرت ہو رہی تھی۔ نفرت کا اظہار وہ خود کو اذیت دے کر کر رہی تھی وہ بازو پر کٹ لگا رہی تھی۔ ساتھ ساتھ بول رہی تھی۔

''تم جیسی ڈفر کوئی نہیں ہو سکتا۔ جو آزمائے ہوئے کو آزمانے بیٹھ گئی۔ جو اس نے ایک مرتبہ کیا تھا وہی وہ دوسری مرتبہ کرے گا۔''

خود کو جواب دیتے ہوئے۔

''تم بھی تو ویسی ہی ہو ورنہ اعتماد کیوں دوبارہ کرتی۔ اس کو فوراً منہ توڑ جواب کیوں نہیں دیا۔''

پھر خود سے۔

''کیا کروں اس وقت مجھے ہوش نہیں رہتا۔ میرا وجود سن ہو جاتا ہے۔''

پھر خود سے۔

''تو پھر اب ضمیر کی سزا سنو۔ خود کو بھی کاٹ دو تا کہ تمھارا گناہ کچھ دھل سکے۔''

ابھی وہ خود سے لڑ رہی تھی کہ آصفہ کا فون آ گیا۔ پھر اس نے نہ آؤ دیکھا اور نہ تاؤ۔ برس پڑی۔

''وقت پر تم کہاں ہوتی ہو؟ جب ضرورت نہیں ہوتی تو آدھمکتی ہو۔ نہیں...... نہیں میں ہی بے وقوف ہو جو سوال کر رہی ہوں۔ تم تو ہمیشہ تب آتی ہو جب سیلاب سب کچھ بہا کر لے جاتا ہے۔ پھر تم تباہی دیکھ کر سیلاب کا اندازہ لگانے کے لیے۔

''نہیں لگوانا مجھے اپنی تباہی کا حساب۔''

غصے سے مزید آمنہ اور رعب سے جیسے پھٹ پڑی ہو۔

''مت بات کرو فون بند کرو۔''

وہ بول رہی تھی مگر آصفہ نے فون بند نہیں کیا۔ اگر وہ آج فون بند کردیتی تو آج جو آمنہ کی حالت تھی اُس نے خودکشی کرلینی تھی۔

''کچھ بتاؤ گی تو پتہ چلے گا۔''

''تم تو نجومی ہو۔ خود جانو میں کیوں بتاؤں وہ...... عامر...... وہ عامر''

پھر بس آمنہ سے رہا نہیں گیا اور ساری کہانی ایک ہی سانس میں سنادی۔

''تم سچ کہتی ہو برا ہوا۔''

''وہ کہتا ہے کچھ ہوا ہی نہیں۔'' پاگلوں کی طرح آمنہ ''اس کے لیے ہاتھ ملانا اور گلے ملنا کوئی معانی نہیں رکھتے۔''

''میری شہزادی جنھوں نے وقت پاس کرنا ہو ان کے لیے کہاں معانی رکھتے ہیں۔ مگر جنھوں نے عزت بنانی ہو ان کے لیے بہت معانی رکھتے ہیں۔ جہاں تک دنیا کی بات ہے۔ ہم دنیا میں کھو کر اپنی اقدار ختم نہیں کر سکتے۔ کیا ہم نے واپس نہیں جانا۔''

جیسے کسی نے اس کے دل کی بات کردی ہو۔ فوراً بولی۔

''میرا بھی یہی نقطہ نظر ہے۔ مگر اُس کا نہیں۔ وہ آسمان پر بیٹھ کر سیڑھی کھینچ لیتا ہے۔''

''تم سیڑھی پر چڑھنے سے پہلے نو کہہ دو۔''

''بس مجھے نو ہی تو نہیں کہنا آتا۔ یہ آجائے تو کام آسان ہوجائے گا۔''

''اگر اس دنیا میں رہنا ہے اور پاکیزہ زندگی بسر کرنی ہے تو سیکھنا ہوگا۔''

''سیکھوں گی۔ مگر میں اب صرف اس سے ہی شادی کروں گی۔''

وقت کا تقاضا تھا کہ وہ اُس کی ہاں میں ہاں ملاتی۔

''تم اُس سے ہی کرنا۔ پہلے خود کو تو ریلیکس کرو یہ ضروری ہے۔''

''مگر کیسے۔''

''تم ایک مکھن ہو جس میں بال آ گیا ہے۔ وہ تمہیں تکلیف دے رہا ہے۔ چونکہ مکھن صاف شفاف ہوتا ہے وہ اس میں نظر بھی آ رہا ہوتا ہے۔ اس کو پریشان بھی کرتا ہے۔ ہم فی الحال اس کو نکال دیتے ہیں۔''

''نہیں...... ہرگز نہیں اب مجھے اس بال کے ساتھ جینا ہے۔''

وہ بول رہی تھی اور آصفہ سن رہی تھی آج اُس کا بولنا ضروری تھا ورنہ بہت برا ہو جانا تھا۔ اس لیے تو کہتے ہیں کوئی کسی کا ہو۔ باہر لوگ یا تو سائیکالوجسٹ کے پاس جاتے ہیں یا خود کو قبول کرتے ہیں ہمارے آگے بڑھ کر ہاتھ پکڑ لیتے ہیں اور دوبارہ زندگی کی دوڑ میں شامل ہونے کے لیے تیار کر دیتے ہیں۔ یہ بہتر علاج ہے۔

☆......☆......☆

فون بند کر کے آصفہ سوچ رہی تھی ''اگرچہ دنیا ماڈرن ہو گئی ہے پھر بھی گناہ میں بے چینی اور اذیت ہے جو ڈپریشن کی طرف لے جاتی ہے۔ بہت سے لوگ ابھی بھی پاکیزہ ہیں اور پاکیزہ زندگی کو پسند کرتے ہیں۔ ہندوستان کی لڑکی آمنہ ہو یا امریکہ کی لڑکی ایما۔ کسی کے چھونے پر اسی کی ہو کر رہنا چاہتی ہے۔ کسی اور مرد کے پاس نہیں جانا چاہتی۔ اس کو یہ پسند نہیں۔ آج ایک مرد اس کی زندگی میں آئے اور کل دوسرا۔ اگر اس کی پاکیزگی کو کوئی خراب کرتا ہے تو وہ پاگل ہو کر جان دے دیتی ہے۔ یہ ہے آج کی لڑکی۔ عزت کے معاملے میں بالکل کل کی لڑکی جیسی۔ مسلمان ہو یا عیسائی دونوں پیغمبروں کے پیروکار ہیں۔ دونوں پیغمبروں نے پاکیزہ زندگی کا تصور دیا ہے۔ اگر کوئی سچ میں مسلمان ہے یا عیسائی وہ برائی کو پسند نہیں کرتا۔ ان میں بھی نیک لوگ شادی کو ترجیح دیتے ہیں۔ گرل فرینڈ بنا کر ان کے ساتھ زندگی گزارنے کو نہیں۔ ہمارے بھی نیک لوگ بیوی کے ساتھ رہنا چاہتے ہیں۔ گرل فرینڈ کے ساتھ نہیں۔ یعنی انسان ایک جیسا ہی ہے۔ لوگ صرف ماڈرن بننے اور دولت مند ہونے کے چکر میں برائی کا راستہ اختیار کرتے ہیں۔ جس سے سکون نہیں ڈپریشن ہوتا ہے اور انجام موت کے علاوہ کچھ نہیں۔ اگرچہ اس زمانے میں اچھے اور سیدھے راستے پر چلنے والوں کو آرتھوڈوکس کہا جاتا ہے مگر یہ لوگ پرسکون ہوتے ہیں۔ چاہے ان کے پاس دولت ہو یا نہیں وہ دنیا کی دوڑ میں بھی پیچھے ہو مگر ان کو نیند کے لیے گولیوں کی

ضرورت نہیں ہوتی اور نہ کسی اور نشے کی۔ مزے کی بات یہ ہے ان کو ڈپریشن بھی نہیں ہوتا۔ اِن کو سائیکالوجسٹ کے پاس جانے کی بھی ضرورت نہیں ہوتی۔ سیدھا راستہ جتنا بھی مشکل ہو اس میں فلاح ہے۔ دو غلط راستوں پر چلنے والے برے آدمیوں نے دو لڑکیوں کی زندگیاں خراب کر دیں۔ ایک نے تو موت کو گلے لگالیا۔ اب دیکھو، دوسری کیا کرتی ہے۔ لیکن یہ حقیقت ہے میں اس کو موت کو گلے لگانے نہیں دوں گی۔ مگر اس کو دوبارہ زندگی میں لانا بھی مشکل ہے ناممکن نہیں۔"

آج کے آمنہ کے ہنگامے نے عامر کو بھی اندر سے ڈرا دیا تھا اس کو بھی سوچنے پر مجبور کر دیا تھا کہ انگور کھٹے تو ہیں مگر انگور کو توڑنے کی کوشش میں جو اتنا میس ہوا ہے اس کو کیسے سمیٹا جائے۔

"اس لڑکی پر تم وقت ضائع کر رہے ہو۔ فائدہ کچھ نہیں ہونے والا۔ ذرا ہاتھ پکڑا اور گلے لگایا تو ادھم مچا دیا ہے۔

سوچا تھا جذبات میں آجائے گی اور میری پیاس بھی بجھ جائے گی۔ اگر زبردستی کرتا ہوں تو ابھی میں نے اپنا مقصد پورا کر نہیں پانا تو اسی نے اتنا شور کرنا ہے کہ لوگوں نے جمع ہو جانا ہے اور پولیس نے اس سے پہلے انڈیا یا پاکستان کی پولیس تو نہیں جو سب کچھ ہونے کے بعد آتی ہے۔ پھر اتنے سوال کرتی ہے کہ بلانے والا ہی توبہ کرتا ہے۔ اس نے کیوں بلایا۔ کچھ انسان پہلے لٹ چکا ہوتا ہے باقی پولیس لوٹ لیتی ہے۔

یہاں تو پولیس کے پاس جانے کا مطلب۔ میرا یہاں سے ڈی پورٹ ہونا پھر کبھی کسی ملک نہ جا پاؤں گا۔ جو اتنی محنت کر کے یہاں پہنچا تھا سب خاک میں مل جائے گی۔

بہتر یہی ہے دو تین دن میں موقع ملتے ہی اس سے پیچھا چھڑ والو۔ ورنہ ذلت کے لیے تیار ہو جاؤ۔

ہاں ایک اور بات واپسی کا بھی راستہ رکھنا تا کہ پھر مطلب پڑے تو کیش کر سکو۔ ویسے بھی بے وقوف ہے۔"

اگلے دن سے ہی عامر نے پلان پر عمل شروع کر دیا۔ وہ گیا تو آمنہ کام کر رہی تھی۔ اس کے پاس جا کر عامر۔

"دیکھو، تم نے ذلیل کیا تھا میں پھر آ گیا ہوں۔ میں ہی پاگل ہوں جو آ جاتا ہوں مگر تمھیں کیا لگے۔"

''آ ئے ہوتو کیا کروں۔'' آمنہ کے سامنے کل کا منظر تھا۔
اس کے بازوؤں پر کٹ کے نشان دیکھ کر۔
''یہ تم نے کیا کیا۔ دیکھ کر تکلیف ہو رہی ہے۔''
''ہو رہی ہے تو مجھ سے دور چلے جاؤ تا کہ میں تم کو بھول جاؤں۔ تم مجھ پر رحم کرو۔''
ڈائیلاگ شروع کر دیئے عامر نے۔
''ہو نہیں سکتا لیکن تم نہیں سمجھتی۔''
''مجھے نہیں سمجھنا۔ جاؤ یہاں سے۔''
وہ چلا گیا تو اس کی آنکھیں برسنے لگیں اُداسی کے سائے گہرے ہو گئے۔ رات کو وہ اپنا ڈپریشن آصفہ پر نکالتی مگر وہ صرف سنتی تھی۔ پھر ایک دن عامر نے موقع پا کر۔
''آمنہ، میرے گھر والے نہیں مان رہے تم سے شادی نہیں کر سکتا۔ تم میری طرف سے آزاد ہو۔ جہاں چاہے شادی کر سکتی ہو۔''
وہ بول رہا تھا آمنہ بس اس کا منہ ہی دیکھی جا رہی تھی۔ اس کو یقین نہیں آ رہا تھا جو کہتا تھا بس تم ہاں کرو میں تیار ہوں۔ کیسے بدل گیا ہے۔ کیا لوگ ایسے بھی ہوتے ہیں۔
وہ کہہ کر چلا گیا اور وہ اُس کو دیکھتی ہی رہ گئی۔ اس کے جانے کے بعد اس کو ہوش آئی تو پاگلوں کی طرح ہوش کھوئی کمرے میں پہنچی۔ آصفہ کو فون کیا۔
''آصفہ، وہ کہتا ہے وہ مجھ سے شادی نہیں کر سکتا۔ مجھے گندا کر کے اب وہ یہ کہہ رہا ہے۔ یہ ہوتے ہیں لوگ آپ کو استعمال کر کے پھینک دیتے ہیں۔''
وہ رو رہی تھی۔ اس کی تکلیف آج بھی اتنی تھی۔ کہانی تو آمنہ کی آنکھوں سے ختم ہو گئی مگر آنکھوں کا سمندر تھم نہیں رہا تھا ویسے ہی رواں دواں تھا جیسا اس وقت تھا آج اس کو یاد کر کے بھی ویسا ہی لگ رہا تھا چبھن بھی ویسی ہی تھی۔

☆......☆......☆

''لیب ورک ختم کر کے یہاں شیث کے پاس آئی تھی تا کہ رائٹراپ کر سکوں۔ مگر ایک ماہ ہو گیا اور میں نے کچھ نہیں کیا۔ سارا سارا دن بیٹھی رہتی ہوں لیکن ایک لائن نہیں لکھ پاتی ہوں۔''

''دراصل تم بہت تھک گئی ہو۔ جنگ بھی تو جان لیوا تھی۔ تم اور شیث ایک پاکستان کا چکر لگا جاؤ فریش ہو جاؤ گے۔ جب یہاں لوگوں کی پرابلم دیکھو گی تو اپنا غم بھول جاؤ گی تو کام آسان ہو جائے گا۔''

''ایسی کوئی بات نہیں۔ اب میں ٹھیک ہوں۔ مگر ایسا لگتا ہے وہ زخم کبھی نہیں بھرے گا۔ کوئی آپ کے ساتھ ٹائم پاس کر جائے۔ یہ احساس ہی آپ کی عزت نفس کو مجروح کر دیتا ہے۔ جب عزت نفس کو چوٹ لگتی ہے تو سارا وجود ختم ہو جاتا ہے۔ میں تو صرف نام کی ہی زندہ ہوں روح تو مرگئی ہے۔''

''تم بہت بہادر ہو جو جی رہی ہو۔ یہاں تو بڑے بڑے ڈپریشن میں خودکشی کر لیتے ہیں۔ میرے لحاظ سے تم نے بہت بڑا معرکہ مارا ہے۔ میں نے کل رات کو کتنے بڑے بڑے لوگوں کے بارے میں پڑھا ہے جنھوں نے مایوسی میں موت کو گلے لگانے کو ترجیح دی۔ تم نے مایوسی کو ہی شکست دے دی ہے۔''

''صرف تمھاری وجہ سے ورنہ نہ کر پاتی۔''

''میں نے تو ہلکا سا سہارا دیا۔ لڑائی تو تم نے خود ہی کی۔''

''آج شیث آتا ہے تو اس سے بات کرتی ہوں۔ ویسے بھی میں اور وہ پہلے ہی پاکستان آنے کا سوچ رہے تھے۔''

''صرف سوچو نہیں۔ اس پر عمل بھی کرو۔''

چونکہ عامر ایچ ای سی کے سکالرشپ پر آیا تھا اس کا ڈیفنس ہونے والا تھا۔ وہ سوچ رہا تھا ''اگر جاب نہ ملی تو مجھے واپس جانا پڑے گا۔ میں واپس جانا نہیں چاہتا۔ اب کیا کیا جائے۔''

خود سے ہی ''تو پھر سر توڑ کوشش کی جائے اور نوکری تلاش کی جائے آپ جو چاہو کر سکتے ہو۔''

اس نے سی وی بنائی اور نوکری کے لیے ہر جگہ اپلائے کر دیا۔ وہ روز روز تقریباً دس دس جگہ پر سی وی ڈالتا۔ جاب سرچ کے دوران ہی اُس کی نظر سے ٹرینڈنگ ریسرچ گزری۔

Interdisciplinary Approaches in Wastewater Treatment

and Water Resource Manageme

اس کو اندازہ ہو رہا تھا کہ آمنہ نے کیا کام کیا ہے۔ وہ تو اس سے آگے نکل گئی ہے۔ حالانکہ وہ اُس کو بے وقوف اور ایورج سی لڑکی لگی تھی۔ جس کو اس نے ذہنی طور پر تباہ کر دیا تھا مگر انسان جتنی بھی کوشش کر لے۔ اگر خدا نہ چاہے تو آپ کو کوئی تباہ نہیں کر سکتا۔ وہ سوچ رہا تھا کیا کیا جائے۔ اچانک سوچتے سوچتے خود سے ہی۔

''کیوں نہ پلان بی پر عمل کیا جائے۔ پاؤں پڑا جائے اگلے ماہ اس نے جو تھوڑا سا کام اس کا ہے اس کے لیے آنا تو ہے اس میں ہی اس کو پری سے اُتارا جائے۔'' خود سے ''یہ اب ممکن ہے'' خود کو جواب دیتے ہوئے ''سب ممکن ہے صرف تھوڑی سی کوشش اور جال پھینکنا پڑے گا۔''

وہ باتیں کر رہی تھیں کہ شیث آ گیا۔ آمنہ ''شیث بھی آ گیا ہے ابھی بات ہو جاتی ہے۔ شیث آپی کچھ کہہ رہی ہے۔''

''جی آپی کہیے۔''

''میں تو صرف مشورہ دے رہی تھی وہ یہ کہ تم لوگ ملنے آ جاؤ۔''

''آپی آپ فکر ہی نہ کریں۔ میں اور آمنہ اگلے ماہ کی پندرہ کو پاکستان ہوں گے۔

آپی اس کا ڈپریشن دور ہو جائے گا اور میں آپ لوگوں سے مل لوں گا۔''

آنے کا لفظ سنتے ہی آصفہ کے چہرے پر خوشی کی لہر دوڑ پڑی۔

''امی......امی......سنا وہ پاکستان آ رہے ہیں۔''

وہ جو روبینہ بیگم کمرے میں داخل ہو ہی رہی تھی بولی۔

''کیا سچ میں۔''

''جی امی۔'' شیث

پاس سے آمنہ ''امی ہم اسی ماہ ہی آ جاتے۔ مگر شیث کا ایک پیپر ہے اور میرا کچھ لیب ورک وہ مجھے کرنے جانا ہے۔ بس وہ کر کے ہم پاکستان پہنچے۔''

''جگ جگ آؤ، بیٹا ہم انتظار کر رہے ہیں۔''

فون بند کرتے ہی دونوں طرف منصوبے بننے لگے تھے ان کا آنا آصفہ اور روبینہ بیگم کے لیے روشنی کی ایک کرن تھا۔ آمنہ اور شیث کے لیے ان کے پاس جانا روشنی کی کرن تھا۔ دونوں تھکے تھے ایک دوسرے سے مل کر دوبارہ زندگی کی دوڑ کے لیے تیار ہونا چاہتے تھے۔ آمنہ کو تو سب سے زیادہ توانائی کی ضرورت تھی۔ وہ تو تھکاوٹ سے چور چور تھی۔ اس کو جینے کے لیے اپنوں سے ملنے کی بہت زیادہ ضرورت تھی خاص طور پر آصفہ سے۔ کیونکہ وہ اُس میں روح پھونکنے کا کام کرتی تھی۔

☆......☆......☆

جیسے ہی آمنہ انسٹیٹیوٹ پہنچی۔ عامر تو جیسے پہلے ہی اس کے انتظار میں تھا۔ اس کو دیکھ کر۔

''چاند کہاں سے نکلا ہے۔''

''پھر تمھارے ڈائیلاگ شروع ہو گئے ہیں۔''

''میں ہی پاگل ہوں جو ذلیل ہونے آجاتا ہوں۔ تمھیں میری قدر نہیں۔''

''میں نے تم سے پچھلی مرتبہ کہا تھا۔ اب نیا ڈائیلاگ ایجاد کرو یہ پرانا ہو گیا ہے۔ اس کا اثر نہیں رہا۔'' اس کی بات کو نظر انداز کرتے ہوئے عامر۔

''میں نے سوچا ہے تم رائٹر اپ کر لو تو میں اپنے دوست کے ذریعے ہمارا رشتہ کروا لوں گا۔''

''وہ کیسے۔''

''میرا دوست تمھارے بارے میں میرے والدین کو بتائے گا۔ وہ مجھے لے کر تمھارے گھر رشتہ دیکھنے آئیں گے۔ میں تم کو پسند کر لوں گا اور ہماری شادی ہو جائے گی۔ بس تم مجھے اپنا ڈیٹا دے دو۔ میں جلدی سے رائٹر اپ کر دیتا ہوں تاکہ تمھارا کام جلدی سے جلدی ہو جائے۔ اور ہماری شادی۔''

''لیکن اب میں پاکستان جا رہی ہوں۔ میری امی نے دو تین رشتے دیکھے ہیں۔ انھوں نے کوئی نہ کوئی فائنل کر دینا ہے۔''

''کوئی بات نہیں تم منگنی کر لینا۔ ہم بعد میں توڑ لیں گے۔''

''تم ابھی رشتہ کے لیے میرے بھائی سے بات کرلو۔تا کہ رشتہ توڑنے کی نوبت ہی نہ آئے اور میری ماں کو شرمندہ نہ ہونا پڑے۔''

''نہیں ابھی نہیں میں تمھارے بھائی سے بات کرسکتا۔میں اپنے والدین کے خلاف نہیں جاسکتا۔''

وہ سوچنے لگی مگر بولی کچھ نہیں۔اس کی چالاکی اس کو نظر تو آرہی تھی مگر وہ دیکھنا نہیں چاہتی تھی۔وہ تو اس کو جیون ساتھی بنانا چاہتی تھی جتنے دن بھی آمنہ وہاں رہی وہ اُس سے روز ملتا۔باتیں کر کے اس کا دل جیتنے کی کوشش کرتا رہا۔وہ کافی حد تک کامیاب بھی ہوگیا۔آخری دن ''میں تم سے سچ میں شادی کرنا چاہتا ہوں۔بس میرے والدین نہیں مانتے۔میں ان کو منانے کی پوری کوشش کررہا ہوں۔''

واپس آکر آمنہ اور شیث پاکستان جانے کی تیاریوں میں لگ گئے۔وہ سب کے لیے چیزیں خریدنے شاپنگ مال جارہے تھے۔دراصل وہ اپنی ماں اور بہن کے ساتھ کچھ قریبی رشتے داروں کے لیے چیزیں خرید رہے تھے۔اس لیے آمنہ آصفہ سے بات نہیں کرپارہی تھی۔

ادھر آصفہ نے سارا گھر صاف کرنے کا فیصلہ کیا ہوا تھا صبح سے لے کر شام تک صفائی ہی کرتی رہتی تھی۔حالانکہ ابھی بھی کمر میں تھوڑا تھوڑا درد تھا۔روبینہ بیگم اس کو دیکھ کر پریشان ہوکر۔

''خود پر رحم کرو۔اتنا کام کروگی تو پھر بیمار ہوجاؤ گی۔''

''امی،اب مجھے کچھ نہیں ہوتا۔اب موت نے آنا ہوا تو اس کے لیے بھی فرصت نہیں۔''

''جانتی ہوں میری پاگل بیٹی۔کم از کم پروین کو ہی ساتھ لگا لے۔''

''امی میرے دل کے مہمان آرہے ہیں اس کے نہیں۔جیسے میں گھر صاف کروں گی ویسا وہ نہیں کرسکتی۔''

''اتنا کام کروگی تو مر جاؤ گی۔''

''کہانا،اب تو امید پیدا ہوئی ہے۔اب ایسا ممکن نہیں۔''

آج کل آصفہ ہواؤں میں اڑ رہی تھی کمر درد تو اس کو یاد بھی نہیں تھی چہرے پر الگ چمک تھی۔اس نے سارا گھر کوچ دیا تھا۔روبینہ بیگم الگ تیاریاں کررہی تھی۔آمنہ اور شیث اپنی تیاریوں میں مصروف تھے۔خوشی میں وقت گزرنے کا کسی کو بھی احساس نہ تھا۔

☆......☆......☆

ان کے آنے سے پہلی رات روبینہ بیگم کا تو وقت گزر ہی نہیں رہا تھا۔ بیٹی سے چوری چوری گھنٹے گھنٹے بعد گھڑی کی سوئیاں دیکھ رہی تھی اس کا دل چاہ رہا تھا سوئیوں کو خود گھما دے۔ دونوں کے لیے کھیر بناتے ہوئے سوچ رہی تھی ''محبت سے بڑی کوئی زنجیر نہیں۔ اسی کی وجہ سے وہ اتنا خرچہ کر کے آ رہی ہیں اور میں ان کے لیے کھانے بنا کر اُن کا انتظار کر رہی ہوں وہ کتنی مبارک گھڑی ہوگی جب میں ان سے ملوں گی۔ ان کو ہاتھ لگا کر اُن کے وجود کو محسوس کروں گی۔ روز فون پر بات ہوتی ہے مگر یہ لگتا ہے وہ خواب ہیں۔

اے میرے رب تو نے دلوں میں محبت ڈال کر رشتے جوڑ دیئے ہیں ورنہ کون کس کا انتظار کرتا یا کسی کے لیے محنت کرتا۔

آصفہ پاگل کو دیکھو، کیسے سارا گھر چمکا کر بیٹھی ہے جیسے انھوں نے گھر ہی تو دیکھنا ہے۔ دراصل یہ سب ان کے خاص ہونے کی علامت ہے۔ محبت کا اظہار الفاظ سے نہیں رویوں سے ہوتا ہے۔''

دونوں ماں بیٹی نے اپنے اپنے انداز میں رات گزاری۔ ماں نے وقت دیکھ دیکھ کر اور آصفہ نے گھڑی نہ دیکھ کر کیونکہ گھڑی دیکھنے سے اُس کا دل پھٹنے لگتا تھا۔ دل کی بے چینی قابو سے باہر ہو جاتی تھی۔ پھر آخر صبح ہو گئی۔ دن میں عجیب سی خوشی تھی۔ وہ دن عید کا دن لگ رہا تھا۔ آصفہ۔

پروین ''ویسے تو میں نے کونا کونا صاف کر دیا ہے پھر بھی تم آج اچھے سے صفائی کرنا۔''

''جی باجی، آپ فکر ہی نہ کریں۔''

دوپہر کو آصفہ کی خالہ بھی اپنی فیملی کے ساتھ آ گئی تھی۔ فیصلہ ہونے لگا ایئر پورٹ کون کون جائے گا۔ آصفہ

''میں تو گھر پر ہی رہوں گی۔ مجھے کچھ کام کرنا ہے۔''

ہنس کر روبینہ بیگم۔ ''ہمیں پتہ ہے۔ تم رہو۔''

دوسرے دونوں کزن نے بھی گھر پر رہنے کا فیصلہ کر لیا۔ ماں بیٹی کو آج کے دن تارے زمین پر آتے محسوس ہو رہے تھے۔ پورا گھر جگمگ کر رہا تھا۔ دونوں ماں بیٹی کے پاؤں زمین پر نہیں لگ رہے

تھے۔ وہ ایئر پورٹ کے لیے نکلنے ہی والے تھے کہ آمنہ کا فون آ گیا۔

’’آصفہ، ہم کراچی پہنچ گئے ہیں لیکن یہاں فلائیٹ لیٹ ہو گئی ہے۔ تم امی کو مت بتانا۔ ہم تین کی بجائے اب سات بجے پہنچ جائیں گے۔‘‘

’’تو میں اب امی سے کیا کہوں۔‘‘

’’کچھ بھی کرو۔ لیکن خیال رکھنا ڈاکٹر کی نوبت نہ آئے۔‘‘

’’اچھا تو تم میسج کر دو، شام سات بجے کا باقی میں دیکھتی ہوں۔‘‘

وہ فون بند کر کے باہر نکلی تو سب ایئر پورٹ کے لیے جانے لگے تھے تو آصفہ ’’امی اتنی جلدی جا کر کیا کریں گی۔‘‘

’’تین بجے انھوں نے آ جانا ہے اور تم اس کو جلدی کہہ رہی ہو۔‘‘

’’امی، دراصل مجھے غلط فہمی ہوئی تھی۔ میں نے ابھی دوبارہ ان سے فلائیٹ کا ٹائم پوچھا ہے تو شام سات بجے کا ہے۔‘‘

’’اچھا ہے تم نے ابھی بتا دیا ورنہ وہاں جا کر جب انھوں نے نہیں ہونا تھا میرا تو ہارٹ فیل ہو جانا تھا۔ اب مجھے تم پر یقین نہیں میری ان سے بات کرواؤ۔‘‘

وہ تھوڑی سی پریشان آصفہ کو لگی۔ آصفہ نے اس کی خالہ نے اس کو بٹھایا۔ آصفہ کی کزن کو اس کی خالہ نے اشارہ کیا۔ وہ جلدی سے پانی لائی۔ اور آصفہ فون ملانے لگی۔

’’باجی، آپ پانی پئیں، آصفہ آپ کی بات کرواتی ہے۔‘‘

وہ پانی پی ہی رہی تھی کہ آصفہ ’’امی بات کریں۔‘‘

’’میری شہزادی سچ بتاؤ۔ تم لوگ آ بھی رہے ہو یا نہیں۔ یہ تو مجھ سے ہمیشہ جھوٹ ہی بولتی ہے مجھے اس پر اعتبار ہی نہیں رہا ہے۔‘‘

’’امی ہم کراچی پہنچ گئے ہیں۔ بس اب لاہور سات بجے پہنچ جائیں گے۔ یہ آپ شیٹ سے بات کریں۔‘‘

''جی امی، ہم رات کو آپ کے پاس ہوں گے۔''

یہ تین چار گھنٹے بھی روبینہ بیگم کے لیے مشکل ہو گئے تھے اگر آمنہ اور شیث بات نہ کرتے تو وہ ہسپتال گئی تھی۔ آصفہ کی خالہ اُس کو باتوں میں لگائے بیٹھی تھی۔ آصفہ کے کزن اور آصفہ دونوں کے کمروں کو پھولوں سے سجا رہے تھے۔ انھوں نے غباروں میں پھول بھر کر پنکھے سے لٹکائے شیث کے کمرے میں اور آمنہ کے کمرے میں۔ دونوں کے کمروں کے فرش بھی پھولوں سے بھرے تھے۔ ایسا لگ رہا تھا جیسے کسی ملک کے شہزادہ اور شہزادی آ رہے ہوں۔ آصفہ کے تو تین گھنٹے کام میں مگر روبینہ بیگم کے سولی پر گزرے۔

وقت سے پہلے ہی روبینہ بیگم اس کی بہن، بہنوئی اور بیٹا پہنچ گئے تھے۔ جیسے ہی وہ دونوں باہر نکلے۔ ماں کو دیکھ کر سامان وہاں پر ہی چھوڑا اور بھاگ کر ماں کے گلے لگ گئے۔ روبینہ بیگم نے دونوں کو چوما ماں اور بچوں دونوں کی آنکھوں میں آنسو تھے۔ پھر شیث اور آمنہ خالہ، خالو اور کزن سے ملے۔

گھر پہنچے تو آصفہ اور کزن نے تیاری کر رکھی تھی جیسے ہی وہ اندر داخل ہوئے بالکنی پر کھڑے لوگوں نے ان پر پھول پھینکنے شروع کر دیئے۔ ان کو دیکھ کر آصفہ کی آنکھوں میں بھی موتی آ گئے تھے جن کو اس نے بڑی خوبصورتی سے چھپا لیا تھا۔ وہ دونوں سے باری باری زور زور سے گلے ملی۔ وہ دونوں بھی بڑے تپاک سے ملے۔ سب لاؤنج میں چلے گئے۔ گھر میں خوشیوں کا سما تھا۔ ہر چیز خوشی کی نوید سنا رہی تھی۔ سب نے مل کر کھانا کھایا۔ کھانے کے بعد خالہ کی فیملی چلی گئی۔ تینوں بچے ماں کے کمرے میں ماں کے اردگرد بیٹھے باتیں کرنے لگے۔ باتیں کرتے کرتے آدھی رات ہو گئی۔ پھر شیث کو نیند آنے لگی تو روبینہ بیگم۔

''تم دونوں جا کر سو جاؤ۔''

دونوں اٹھ کر جانے لگے تو آصفہ بھی چپکے سے ان کے پیچھے چلی گئی۔ پہلے شیث کا کمرہ تھا جیسے ہی اُس نے دروازہ کھولا۔ پھولوں کی خوشبو سے اُس کا چہرہ مہک اُٹھا۔ وہ اندر داخل ہوا تو آصفہ نے وہ لٹکے غبارے پھاڑ دیئے وہ سارے پھول اس پر گرنے لگے۔ پھول اس پر گر رہے تھے تو اُس کو لگ رہا تھا یہ

اس کی بہن کی محبت ہے جو پھول کی پتیاں بتا رہی تھیں۔ اس کو احساس ہوا وہ دور ہو کر بھی اپنوں کے ساتھ تھا۔ وہ اس سے بے حد محبت کرتے ہیں۔ اس کے بعد آمنہ اپنے کمرے میں گئی تو اس کا کمرہ بھی پھولوں کی خوشبو سے مہک رہا تھا۔ آصفہ نے اس پر غبارے پھوڑے تو پتیوں نے اس کو بتایا کہ یہ وہ محبت تھی جس نے اس کو مرنے نہیں دیا۔ وہ اکیلی نہیں تھی پھولوں کی پتیوں میں لپٹی محبت کی زنجیر تھی۔ جو ہزاروں میل دور ہونے کے باوجود اس کو فیملی سے جوڑے ہوئے تھی عامر کے ڈائیلاگ تھے اور آصفہ کی محبت۔ ڈائیلاگ مار سکتے ہیں مگر محبت نہیں۔ وہ سوچنے لگی ''کاش ایما کے پاؤں میں بھی کوئی زنجیر ہوتی تو وہ بھی دوبارہ زندہ ہوتی۔ چاہے میں آہستہ آہستہ جی ہوں مگر جی تو گئی۔ آگے ابھی تھوڑی مشکل باقی ہے مگر ان پھولوں کی پتیوں کے ساتھ اپنی محبت دینے والے۔ میری یہ مشکل بھی آسان کر دیں گے۔''

وہ واپس مڑی پھر زور سے آصفہ کے گلے ملی۔

''تم ہو تو کسی کو کچھ نہیں ہو سکتا۔ مجھے چھوڑنا مت۔ ابھی کچھ سفر باقی ہے۔ تم اُس کو آسان مت سمجھنا۔''

آنکھوں میں آنسوؤں کے ساتھ آصفہ نے بھی دبا کر اُس کو گلے لگایا۔ دونوں رو رہی تھیں۔ مگر ایک دوسری کو اپنے وجود کا احساس دلا رہی تھیں۔ آگے بھی ساتھ رہ کر لڑنے کا فیصلہ کر رہی تھیں۔

☆......☆......☆

رشتے داروں میں وہ صرف خالہ سے زیادہ محبت کرتے تھے اور قریبی بھی اُن سے ہی تھا۔ اس لیے وہ صرف خالہ کے گھر ہی کھانے پر گئے تھے۔ ورنہ تو وہ دونوں بہنیں سارا دن اور ساری رات باتیں کرتی رہتی تھیں۔ جہاں تک شیث کا تعلق تھا وہ کسی نہ کسی دوست سے ملنے چلا جاتا یا کوئی اس سے ملنے آجاتا تھا۔ حسب معمول وہ دونوں باتیں کر رہی تھیں کہ روبینہ بیگم۔

''تم دونوں اب سو جاؤ۔ صبح ڈاکٹر احمد اور اس کی فیملی آ رہی ہے۔ یہ نہ ہو صبح تم دونوں سارا دن سوتی ہی رہو۔''

''جی امی۔''

''میں کہہ کر چلی جاؤں اور تم دونوں بیٹھی رہ جاؤ۔''

''آپ فکر ہی نہ کریں۔'' آصفہ

''تم تو کم ہی بولا کرو۔''

آہستہ سے آمنہ ''بس امی تھوڑی دیر میں ہم سو جائیں گی۔''

بس آمنہ کا جواب سن کر روبینہ بیگم پرسکون ہو کر چلی گئی۔

تو آصفہ ''امی کو کیا جواب دینا ہے۔ تمھیں کوئی فیصلہ کرنا ہوگا۔''

''فیصلہ تو کر چکی ہوں۔ آخری حد تک جاؤں گی۔ ہم ان لڑکیوں میں سے ہیں۔ جو ایک کو چھوڑ کر آسانی سے دوسرے کے ساتھ نہیں بیٹھ سکتی۔ بس قسمت کے آگے ہار جاتی ہیں۔ یہ ہی ہے جو اگر زبردستی بیٹھا دے تو بیٹھنا نہ پڑ جائے۔ ورنہ ممکن نہیں۔''

''کیا اس نے تم سے انتظار کے لیے کہا ہے۔''

ہنس کر آمنہ ''اس نے ایک بات کی ہے۔ ڈیٹا دے دو۔ تو میں شیث سے بات کروں گا۔''

''تو تم کیا دے دو گی؟''

''ہاں ضرور، آخری بازی بھی کھیلو گی۔''

''لیکن اس نے پھر بھی نہیں ملنا۔''

اس کا دل تو کہہ رہا تھا کہ وہ صحیح ہے مگر وہ ماننے کو تیار نہ تھی۔ بلکہ سوچنا بھی نہیں چاہتی تھی۔ اس کے چہرے کو دیکھ کر پریشانی سے آصفہ۔

''پلیز مت دینا۔ وہ صرف تمھارا ڈیٹا ہی لینا چاہتا ہے۔ اس کو تم سے کوئی غرض نہیں ہے۔''

بہن کی باتیں بھی اثر کرتی تھیں مگر صرف تھوڑی دیر کے لیے۔

''اچھا سوچوں گی۔''

یوں باتیں کرتی کرتی وہ سو گئیں۔ روبینہ بیگم تو صبح سویرے ہی اٹھ گئی تھی۔ اس کو بیٹیوں کی فکر تھی وہ خوش تھی رشتہ آیا ہے اور وہ لوگ زور بھی ڈال رہے ہیں۔ خود سے ہی روبینہ بیگم ان کے لیے چائے کے لوازمات بناتے ہوئے۔

"پہلے بھی فہد کا رشتہ یہ آصفہ نے Reject کر دیا ہے اور وہ ہے کہ بہن کی بات پر مہر لگائے بیٹھی ہے کہ وہ آصفہ کو نہیں پسند ہیں وہ اُس سے شادی نہیں کرے گی۔ شکر ہے یہ لڑکا آصفہ نے نہیں دیکھا ورنہ آنے سے پہلے ہی انکار ہو جاتا۔ میں اس لڑکی کا کیا کروں۔"

وہ چائے کے لوازمات بنا چکی تھی کہ آصفہ اور آمنہ اٹھی تھیں۔

"تم دونوں ناشتہ کرلو۔ ویسے تو دوپہر کے کھانے کا وقت ہے وہ بھی دونوں ساتھ ہی کھالو۔ اس کے بعد تیار ہو جانا۔ وہ لوگ تین بجے تک آجائیں گے۔"

جھٹ سے آصفہ "بس امی ہم یوں ناشتہ کر کے تیار ہو گئیں۔"

آمنہ کے سر پر ہاتھ رکھ کر روبینہ بیگم۔

"بیٹی اچھا سا تیار ہونا اور لڑکے سے اچھے طریقے سے بات کرنا۔ آصفہ کی ابھی تک شادی نہیں ہوئی۔ بس میں چاہتی ہوں کہ تمھاری ہو جائے کہیں سے تو ٹھنڈی ہوا آئے۔ شادی ایک رسم ہونے کے ساتھ مذہبی فرض بھی ہے۔ یہ اچھے لوگ ہیں۔"

ماں کی باتوں نے آمنہ کو پریشان کر دیا تھا آہستہ سے "جی امی"

وہ لوگ وقت کے بہت پابند تھے پورے تین بجے وہ آگئے۔ شیث کے چونکہ دوست کے جاننے والے تھے۔ اس لیے پہلے شیث اور روبینہ بیگم ان سے ملے۔ ان کو ڈرائنگ روم میں بٹھایا۔ رسمی سلام دعا ہوئی اُس کے بعد روبینہ بیگم نے پروین کو چائے اور لوازمات لانے کے لیے کہا۔ وہ لوگ باتیں کر رہے تھے کہ پروین چائے لے آئی۔ ان کو چائے پروسی گئی۔ شیث آہستہ سے ماں سے "امی آمنہ کو بلائیں۔" روبینہ بیگم اٹھ کر گئی۔

"آصفہ تم اور آمنہ آؤ۔"

وہ دونوں کو لے کر ڈرائنگ روم میں آئی۔ آمنہ نے چونکہ ماں کے کہنے پر تیار ہوئی تھی وہ بھی ہلکا سا تاکہ ماں کو یہ نہ لگے کہ اس نے بات نہیں مانی۔ اس لیے بری لگ رہی تھی جیسے ہی وہ ڈرائنگ روم میں داخل ہوئی۔ لڑکا جو اس کے انتظار میں بیٹھا تھا اس کی نظر جیسے ہی اُس پر پڑی اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ جو اس کو

تصویر دکھائی گئی تھی وہ اُس سے بھی زیادہ حقیقت میں خوبصورت تھی۔ آمنہ نے بھی سب کو سلام کیا۔ ڈاکٹر احمد تو اس کے حسن کے سیراب میں پہلی نظر میں بہہ گیا تھا۔ اس کو وہ بہت پسند آئی تھی مگر آمنہ کو اس میں کوئی دلچسپی نہ تھی۔ وہ چہرے پر مصنوعی مسکراہٹ لیے بیٹھی ہوئی تھی۔ آمنہ نے سب سے اچھے طریقے سے بات کی۔ لڑکے کی ماں آمنہ سے خود کو ماڈرن ظاہر کرنے کے لیے ''بیٹی جو سوال پوچھنا چاہتی ہو۔ پوچھ لو۔''

اس پر بھی ماں کا دباؤ تھا۔ یہاں بھی روبینہ بیگم کی نظریں اس پر ہی تھیں۔ مجبوراً مسکرا کر۔

''آپ کی ہوبی کیا ہے۔''

''گھومنا پھرنا اور کھانا۔''

''لیکن مجھے گھومنا پسند نہیں۔''

''کوئی بات نہیں۔ ہر انسان کا اپنا رہنے کا انداز ہوتا ہے۔ فارغ وقت میں کیا کرتی ہیں؟''

''کتابیں پڑھنے کا بالکل شوق نہیں۔ موویز دیکھتی ہوں۔''

''نہیں تو پھر اتنا کیسے پڑھا ہے۔''

''میرے ابو کی خواہش تھی پی ایچ ڈی کروں صرف اس لیے کر لی ورنہ مجھے شوق نہیں۔''

''کوئی اسپیسی فک نہیں، اُردو، یا پنجابی اور انگلش۔ جو بھی اچھی لگے۔ میں یہ نہیں کہوں گی کہ انگلش۔ مجھے نمبر بنانے کا کوئی شوق نہیں۔''

''آپ کو کوئی ضرورت بھی نہیں ہے۔''

ان کی فیملی کو آمنہ بہت پسند آئی جاتے ہوئے لڑکے کی ماں۔

''ہم آپ کے جواب کا انتظار کریں گے۔''

ان کے جانے کے بعد روبینہ بیگم بہت خوش تھی۔ وہ پروین سے سامان اٹھوا رہی تھی۔ آمنہ کمرے میں جا کر رونا شروع ہوگئی۔ شیث بھی چونکہ خوش تھا ان کو گیٹ تک رخصت کر کے وہ خوشی خوشی آمنہ کے کمرے میں پہنچا تو آمنہ کو روتے دیکھ کر۔

''تم یہ شادی نہیں کرنا چاہتی تو کوئی بات نہیں۔ میں اس رشتے سے انکار کردوں گا۔ دوسرے سے آصفہ انکار کرچکی ہے اس لیے سارا نزلہ تم پر نہیں گرے گا۔ بس تم بتاؤ۔ تم کیا چاہتی ہو۔''

آنکھوں میں آنسو لیے آمنہ۔

''انتظار کروں گی آگے میرے نصیب۔''

اس کے سر پر شفقت سے ہاتھ رکھ کر۔

''تو پھر قطار میں لگ جاؤ۔ ہم سب تمھارے ساتھ ہیں۔ امی کی بھی فکر نہ کرو۔ میں سنبھال لوں گا۔''

ماں کام سے فارغ ہو کر آمنہ کے کمرے میں آئی تو۔

''میں سوچ رہی ہوں دو دن بعد ان کو ہاں کر دیتے ہیں۔''

بڑی مشکل سے شیث۔

''امی مجھے رشتہ پسند نہیں آیا۔''

ماں کو تو جیسے دھچکہ لگا ''بیٹا، ایک بیٹھی ہوئی ہے اس کا کوئی ان کا میرے بعد کون ہوگا۔ تمھاری شادی ہو جائے گی تو اگر تمھاری بیوی کو یہ اچھی نہ لگی تو۔''

''پہلی بات یہ ہے یہ انڈیپنڈنٹ ہیں تو کسی کو کوئی اعتراض کیوں ہوگا۔ دوسرا خدا بہتر کرے گا آپ خدا پر بھروسہ رکھیں۔''

حالانکہ انکار روبینہ بیگم کو اچھا نہیں لگ رہا تھا۔ اس نے ناراضگی کا بھی اظہار کیا مگر کر کچھ نہیں سکتی تھی۔ اس نے بھرپور انداز میں ناراضگی کا اظہار کیا۔ شیث کے علاوہ دونوں سے بات چیت نہیں ہو رہی تھی۔ کھانا بھی وہ ان سے الگ کمرے میں کھا لیتی تھی۔ آصفہ اور آمنہ باتیں کر رہی تھیں۔

اُداس انداز میں آصفہ۔

''آنے سے پہلے ہم سب نے کتنے پروگرام بنائے تھے کہاں کہاں گھومنے جائیں گے۔ مگر یہ دن ناراضگی میں ہی گزر گئے۔''

''ہم جیسوں کا زیادہ وقت اسی طرح دکھوں سے لڑتے ہی گزر جاتا ہے۔ کاش عامر میری زندگی

میں نہ آیا ہوتا۔"

"عامر تو ہر موڑ پر ملتے ہیں مگر ہمیں ان کو نظر انداز کرنا ہوگا ورنہ زندگی، جہنم بن جاتی ہے۔"

"بس آخری بازی ہے پھر دیکھتی ہوں۔ کیا کرنا ہے؟"

اسی طرح دن گزر گئے۔ ماں تھی کب تک ناراض رہتی آخر ان کو خوشی سے رخصت کیا۔ پھر اس کے پاس آصفہ کے سوا کوئی تھا بھی نہیں اس سے بھی ٹھیک ہوگئی۔ آخر قسمت کے آگے وقتی طور پر جھکنا پڑتا ہے پھر ہمت جمع کر کے لڑنا جو ہوتا ہے۔ جب انسان ہمت جمع کر کے لڑتا ہے تو جیت جاتا ہے۔ یہی کچھ سب نے کیا۔ وقتی ہتھیار پھینک دیئے مگر پھر لڑنے کے لیے تیار ہونے لگے۔

☆......☆......☆

ادھر عامر بھی انتظار میں بیٹھا تھا جال تو اس نے پاکستان جانے سے پہلے ہی پھینک دیا تھا۔ اس میں چارہ بھی لگا دیا تھا۔ بس واپس آنے کا انتظار کر رہا تھا تاکہ مچھلی پھنسی ہو اور وہ اس کو نکال کر کھا سکے۔

عامر خود سے۔

"بڑی مرغیاں آج تک اس جال میں آسانی سے پھنس جاتی رہی ہیں مگر اس مرغی نے مجھے بڑا تنگ کیا ہے۔ بس ڈیٹا مل جائے تو اس کی چھٹی کروا دوں گا۔ اس کے بعد کسی آسان سی مرغی کے لیے منصوبہ بنایا جائے گا۔ زندگی میں دوبارہ رنگ بھروں گا۔ بے وقوف لوگ کہتے ہیں منصوبے کامیاب نہیں ہوتے سب ہوتے ہیں مگر بس کچھ اس آمنہ نامی مرغی کی طرح مشکل ہوتے ہیں۔"

خود سے ہی "کیا تم کامیاب ہوئے۔"

احساس ناکامی کو چھپاتے ہوئے "چلو ویسے نہیں۔ تو جو اس نے اتنی بڑی ریسرچ کی ہے اُس میں نام آجائے گا یہ تھوڑی کامیابی ہے۔" خود سے "وہ تو تمھیں ڈیٹا دے نہیں رہی ہے۔"

جواب دیتے ہوئے "دے گی ضرور۔ میں نے چارہ ہی ایسا ڈالا ہے۔ اس کے تو بڑے بھی دیں گے۔"

وہ امریکہ پہنچے ہی تھے کہ اگلے دن شیث یونیورسٹی گیا ہوا تھا تو عامر کا فون آگیا۔ "کیسا رہا پاکستان کا ٹوور۔ ہماری یاد تو نہیں آئی ہوگی۔ رشتہ طے ہو گیا۔"

''نہیں میں نے انکار کر دیا ہے۔''

''یہ تو خوشی کی خبر ہے۔ میں نے بھی فیصلہ کر لیا ہے تم سے شادی کرنے کا۔ بس تمھارے آنے کا انتظار کر رہا تھا۔''

چاہے یہ جھوٹ تھا مگر آمنہ کے چہرے پر خوشی کی لہر دوڑی۔

''پھر کب شیث سے بات کر رہے ہو۔''

''بس تم ڈیٹا بھیج دو تو میں اتوار کو شیث سے بات کروں گا۔ میں رائٹراپ کر دیتا ہوں تو ہماری شادی ہو جائے گی۔''

''میں تمھیں آج ہی ڈیٹا بھیج دوں گی۔''

جیسے ہی فون بند ہوا۔ آمنہ کا دل نہیں چاہ رہا تھا وہ اس کو ڈیٹا دے مگر پھر بھی اس نے ڈیٹا بھیج دیا۔ خود سے۔

''جانتے بوجھتے یہ بھی زہر پی لیتے ہیں۔''

ڈیٹا بھیجے ایک ہفتہ پھر دو ہفتے گزر گئے مگر اس نے فون نہ کیا۔ وہ جو خود کو جھوٹی تسلی دیئے ہوئے تھی آخر کار فون ہی کر دیا۔

''رائٹراپ ہو گیا۔''

''بس کر رہا ہوں۔ تم فکر ہی نہ کرو۔ بہت اچھا رائٹراپ ہو گا۔''

''تم نے شیث سے کیا بات کی۔ کیونکہ اس نے مجھ سے بات نہیں کی۔''

''تم شادی کر لو۔ میں تمھارے بھائی سے بات نہیں کر سکتا۔ میرے والدین نہیں مان رہے۔''

یہ الفاظ سنتے ہی ایک بار پھر آمنہ کے پاؤں زمین میں گڑ گئے وہ سوچتی ہی رہ گئی اور اس نے فون بند کر دیا۔

سوچ سے نکلی تو گال بھیگے ہوئے تھے خود سے۔

''تم دونوں کب یہ سمندر کا پانی باہر پھینکنا بند کرو گی۔ یہ بے چارے گال بھیگ بھیگ کر تھک گئے

ہیں نجانے تم دونوں کیوں نہیں۔میں بھی ہار گئی ہوں۔''

جلدی سے آصفہ کو فون کیا۔جیسے ہی آصفہ نے فون اُٹھایا جھٹ سے۔

''تمھاری بات سچ ہوگئی ہے۔''

اس کی آنکھوں اور چہرے کی اُداسی دیکھ کر۔

''تم نے ڈیٹا دے دیا۔''

''ہاں تمھارے منع کرنے کے باوجود۔''

''اس نے مطلب نکلتے ہی آنکھیں پھیر لی ہیں۔''

''بالکل صحیح، وہ کہتا ہے وہ شیث سے بات نہیں کرسکتا۔میں نے آخری بازی کھیلی اور ہار گئی۔ آصفہ لڑکیاں بے وقوف ہوتی ہیں نا جب بھی کسی لڑکے کا دل چاہتا ہے آتا ہے اور چار ڈائیلاگ مارتا ہے اور سب کچھ لوٹ کر لے جاتا ہے۔''

''تم رو کیوں رہی ہو۔چپ ہوجاؤ۔''

''آخری بار رو رہی ہوں رونے دو۔ماتم کر رہی ہوں آج کے بعد نہیں کروں گی یہ وعدہ رہا۔تم کو پتہ ہے آخری بازی کے بعد ہر کوئی روتا ہے پھر مضبوط ہوجاتا ہے کہ کبھی آنسو آتے ہی نہیں۔تم بھی مجھے مت روکو۔''

''اچھا،اب آگے کیا کروگی۔''

''زندگی کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر چلوگی۔''

☆......☆......☆

اب آمنہ کو دنیا فضول اور دھوکے باز لگنے لگی تھی۔وہ اپنا سب کچھ لٹا چکی تھی۔اس کا غرور، عزت اور عزت نفس سب ختم ہوگیا تھا۔اس زندگی کی جنگ میں اس کے گھر والے اس کے ساتھ تھے ڈپریشن جیسی بیماری سے موت کو گلے لگائے لوٹ آئی تھی لیکن ایک بار ٹوٹ گئی تھی۔اس کو اپنا آپ کھوکھلا لگتا تھا۔ اب شیث اس کو زیادہ سے زیادہ باہر گھمانے لے جاتا تھا۔وہ چھٹی والے دن سارا دن باہر ہی گزارتے

تھے۔ وہ قدرتی نظاروں کی دیوانی تو پہلے سے تھی۔ بس کچھ عرصے سے اِن سے دور ہوئی تھی اب جب شیث اس کو دوبارہ ان کے قریب لے کر گیا تو انھوں نے اس کے اندر سے مایوسی کو نکال دیا اور خوشی بھر دی تھی۔ اب وہ پھر سے مسکرانے لگی تھی۔ آج تو دونوں بہن بھائی خوب گھومے۔ وہ گھر پہنچے ہی تھے کہ آصفہ کا فون آ گیا۔ اس کو دیکھ کر آصفہ۔

''خدا خیر کرے۔ آج تو تمھارے اندر کی خوشی باہر سب کو بتا رہی ہے کہ موسم بہار کی آمد آمد ہے۔''

''آمد نہیں آ چکا ہے۔''

پاس سے شیث ''آج آپی اس نے بہت انجوائے کیا ہے۔ آج تو مجھے پہلے والی آمنہ لگی ہے۔''

''مجھے بھی اچھا لگا۔''

''آپی ایک اور بات آپ کو بتانی تھی۔'' وہ شیث کی طرف دیکھنے لگی اور آنکھوں سے کیا۔

''آپی یہ آسٹریلیا جا رہی ہے۔ میں نے سوچا اس کا ماحول بدلا جائے تاکہ یہ بھرپور زندگی گزار سکے۔ اس کو وہاں نوکری بھی مل گئی ہے۔''

''یہ تو بہت بڑی خوش خبری ہے۔ اب اللہ اس کی زندگی خوشیوں سے بھر دے۔''

''آپی، آپ فکر ہی نہ کریں۔ سب اچھا ہو گا برا وقت گزر گیا ہے۔ اب یہ ٹریک پر چڑھ گئی ہے۔ آپی آپ دونوں باتیں کریں۔ مجھے اپنے ایک دوست سے کام ہے مجھے اس کے پاس جانا ہے۔''

''ہاں، ہاں تم جاؤ۔''

اس کے جانے کے بعد آمنہ آصفہ سے۔

''تم سب نے میرا بہت بہت ساتھ دیا۔ سمجھ نہیں آتا کیا کہوں۔''

''کچھ نہ کہو۔ بس آگے بڑھو۔''

کچھ سوچ کر آمنہ ''اچھا کیا میں نے اس سے رائٹر اپ کروالیا اس سے میری اس نے ان چھوڑ دیے۔ بس یہ ہی ہوا کہ میری ریسرچ میں اس کا نام صرف اور صرف کو اُدھر کے طور پر شامل ہو گیا۔ قدرت نے میری محنت کا پھل دیا اور مجھے آسٹریلیا میں مجھے ریسرچ کے طور پر جاب مل گئی ہے۔ تنخواہ بھی

اچھی ہے اور اس کے ساتھ دوسرے لوازمات بھی ہیں۔''

''سن کر اچھا لگا کہ تم پچھتانے کی بجائے اس میں سے اچھا پہلو نکال کر آگے بڑھنے کے قابل ہو گئی ہو۔ کب جا رہی ہو؟''

اسی ہفتے'' شیث بھی ساتھ جا رہا ہے۔''

''کیا وہ بھی یہاں سے جا رہا ہے۔''

''نہیں وہ ایک ہفتے میں واپس آجائے گا۔''

''میری نیک تمنا تمھارے ساتھ ہے تم کامیاب ہو جاؤ۔ بلکہ تم ہو چکی ہو۔ میں اپنے الفاظ واپس لیتی ہوں۔''

☆......☆......☆

وہ امریکہ چھوڑ کر آسٹریلیا چلی گئی تھی شیث اُس کے ساتھ آسٹریلیا آیا تھا۔ جو اس کو اپارٹمنٹ ملا تھا وہ بہت خوبصورت تھا۔ لیکن جہاں آگ جلتی ہے وہاں زمین پر اپنا نشان چھوڑ دیتی ہے ایسا ہی ایک نشان اس کے دل پر تھا۔ جس پر اس کے گھر والوں نے بہت مرہم لگایا مگر نشان ابھی باقی تھا۔ وہ نشان اس کو اس کے برباد ہونے کی یاد دلاتا تھا۔ اس کی روح بھی پوری طرح مند نہیں ہوئی تھی۔ جس کا احساس اس کے گھر والوں کو تھا۔ پہلے آصفہ نے اس کی زندگی میں کالا رنگ نکال کر سرخ بھرنے کی کوشش کی تھی اور کامیاب بھی رہی۔ اب باقی کا کام شیث کر رہا تھا۔

کھانا کھاتے ہوئے شیث ''کل تیار رہنا ہم گھومنے جائیں گے تاکہ تم سب چیزوں سے اچھی طرح واقفیت حاصل کر سکو۔''

''میرا دل نہیں چاہ رہا۔''

''دل کو چھوڑو۔ اس کو بتاؤ اپنے لیے نہیں بھائی کے لیے جا رہی ہو۔ بنا کچھ سوچے ہاں کہہ دے گا۔''

''تم نہیں مانو گے۔ جہاں چاہوں لے جاؤ۔ تیار ہوں۔''

''تمھاری جوائننگ آگے بدھ کو ہے یعنی ایک ہفتہ ہے۔ یہ تو بہت ہی اچھا ہو گیا ہے۔''

جاتے جاتے شیث ''اس مسٹری مشکل کے ساتھ نہیں۔ایک اور بات ذرا اچھے سے تیار ہونا۔''
مسکرا کر آمنہ ''جو حکم عالم پناہ، بندی حاضر ہے۔''
مسکرا کر شیث ''جیتی رہو بچا۔''
آگے دن دونوں بہن بھائی سڈنی تقریباً پورا ہی گھوم ڈالا۔اس سے آمنہ پر اچھا اثر پڑ رہا تھا۔یہ بدلا بدلا ماحول نہ صرف اس کے چہرے کے تاثرات بدل رہا تھا بلکہ طبیعت پر بھی مثبت اثر پڑ رہا تھا۔
جاتے جاتے شیث مارکیٹ سے کچھ لیتے جاتے ہیں۔''
دونوں مارکیٹ چلے گئے۔وہ چیزیں دیکھ رہی تھی کہ احسن نے اس کو دیکھ لیا۔وہ ایک ریک سے دوسرے ریک کی طرف گئی وہ بھی اس کے پیچھے ہی چلا گیا۔اچانک آمنہ نے محسوس کیا کہ کوئی اس کے پیچھے پیچھے آ رہا ہے۔اس نے مڑ کر اس کی طرف غصے سے دیکھا تو احسن۔
''آمنہ، آپ نے پہچانا۔''
حیرت سے آمنہ ''جی نہیں، سوری۔'' لاپرواہی سے دل میں۔
''اب کسی کو جاننے یا پہچاننے کی خواہش بھی نہیں۔''
دور کھڑا جو شیث دیکھ رہا تھا پاس آ گیا۔اور پوچھنے لگا۔
''آپ کون۔''
اس کی طرف دیکھتے ہوئے احسن ''آپ کی تعریف۔''
''میں آمنہ کا بھائی ہوں۔''
''آپ سے مل کر خوشی ہوئی۔جہاں تک میرا تعلق ہے تو میں نے ہی ایمبیسی میں آمنہ کا انٹرویو لیا تھا۔''
ہاتھ ملاتے ہوئے شیث ''آپ سے مل کر خوشی ہوئی۔''
''لیکن آپ تو امریکہ گئی تھیں یہاں کیسے؟''
لاپرواہی سے آمنہ ''دراصل مجھے یہاں جاب مل گئی ہے۔''
اس کی باتوں یا اس میں آمنہ کو کوئی دلچسپی نہ تھی وہ جانا چاہتی تھی۔جس کو سمجھ کر شیث بھی سلام لے

کر جانے لگا تو احسن۔

''دوبارہ ملاقات ہو سکتی ہے۔''

''کیوں نہیں۔''

''نمبر مل جائے تو۔''

''کیوں نہیں اگر آپ لینا چاہیں۔''

''میری امی بھی میرے ساتھ ہے۔ اگر میں کھانے پر مدعو کروں تو۔''

ہنس کر شیث ''تو ہم آ جائیں گے۔ کھانے کو منع نہیں کیا جا سکتا۔''

''میں آپ کو اپنا ایڈریس ٹیکس کر دوں گا۔ مجھے آپ کا انتظار رہے گا۔''

رسمی سلام دعا کر کے شیث اور آمنہ آگے بڑھ گئے۔ آمنہ۔

''کیا ضرورت تھی کھانے پر جانے کے لیے حامی بھرنے کی۔''

''اچھا کھانا کھائے ہوئے مدت ہو گئی تھی۔''

''میں مذاق کے موڈ میں نہیں ہوں۔''

''لیکن میں ہوں۔''

گھر آ کر آمنہ منہ ہاتھ دھو کر لیٹ گئی مگر شیث نے جھٹ سے آصفہ کو فون ملایا۔

''آپی، آپ کو پتہ ہے آج احسن صاحب ملے تھے۔''

''یہ احسن کون ہے اب۔''

''جس نے آمنہ کا ایمبیسی میں انٹرویو کیا تھا۔ اس نے کھانے پر بلایا ہے۔''

خوشی سے ''یقیناً وہ آمنہ میں انٹرسٹنگ ہو گا۔ تم ضرور جانا۔ اگر بات بن گئی تو ہم اس کی شادی کر دیں گے۔''

''آپی، ابھی امی سے بات مت کرنا وہ آمد لگا لیں گی۔''

''تم فکر نہ کرو۔ میری دعائیں تمھارے ساتھ ہیں۔''

اگلے دن دونوں احسن کے گھر پہنچ گئے تو اس کی ماں اور اس نے بڑے جوش سے اُن کا استقبال کیا۔ اُس کی ماں تو آمنہ کو چوم چوم کر آدھی ہو رہی تھی۔

''ماشاءاللہ! بالکل ہی پری ہے۔''

مروت سے آمنہ ''یہ سب آپ کی محبت کی آنکھ ہے ورنہ کہاں۔ عام سی لڑکی ہوں۔''

''بیٹا، ہیرے کا پتہ جوہری کو ہوتا ہے۔''

''شکریہ۔''

کھانے پہلے سے ہی تیار تھے۔ سب کھانا کھانے لگے۔ اس کی ماں ہر چیز اُٹھا کر آمنہ کو دے رہی تھی۔ احسن کی نظریں بھی آمنہ پر ہی تھیں ''یہ تو آمنہ کے انٹرویو کا قصہ مجھے روز سناتا ہے۔''

اس کی ماں کی بات سن کر شیث احسن کو دیکھنے لگا۔

تو احسن ''شیث، سچ میں بڑا اچھا انٹرویو تھا۔ جب میں بور ہوتا ہوں تو اس کو یاد کر لیتا ہوں۔''

''بیٹا، اگر میں احسن کے لیے آمنہ کا رشتہ مانگوں تو۔''

خوشی سے شیث ''آنٹی، آپ امی سے بات کر لیں۔ میں آپ کو نمبر دیتا ہوں۔''

''بیٹا، تم احسن کو ٹیکس کر دو۔''

''لیں، میں ابھی کر دیتا ہوں۔'' اس نے نمبر احسن کے فون پر بھیج دیا۔

اس سارے قصے میں آمنہ شیث کو دیکھی جا رہی تھی وہ اُس کی نظروں کو نظر انداز کر رہا تھا۔ کیونکہ وہ جانتا تھا اس میں ہی اس کی بھلائی ہے۔ اس کو زندگی کی خوشیاں دینی ضروری تھیں تا کہ وہ بھرپور طریقے سے جیے۔

احسن کی ماں زبیدہ بیگم نے ان کی بہت اچھے سے خاطر تواضع کی۔ احسن نے بھی ماں کا بھرپور ساتھ دیا۔

گھر آ کر شیث نے فوراً اماں کو فون کیا۔

''امی، آپ کے لیے ایک بہت بڑی خوش خبری ہے۔ آمنہ نے جب ایمبیسی میں انٹرویو دیا تھا

اور جس نے اس کا انٹرویو لیا تھا۔ اس سے ہماری یہاں آسٹریلیا میں ملاقات ہوئی تھی۔ اس نے کھانے پر بلایا تھا تو اس کی ماں نے آمنہ کا رشتہ مانگا ہے۔"

خوشی سے روبینہ بیگم "پھر تم نے کیا کہا؟"

"امی، میں آپ کا نمبر دے آیا ہوں۔ وہ آپ کو شاید! کل ہی کال کریں گی۔"

"تم فکر نہ کرو۔ میں دیکھ لوں گی۔"

وہ باتیں کرنے لگے تو آصفہ سے رہا نہ گیا وہ خوشی سے دوسرے کمرے میں جا کر آمنہ سے فون پر بات کرنے لگی۔

"تم خوش ہو۔"

"خوشی کا تو پتہ نہیں مگر جس طرح اُس نے اور اس کی ماں نے محبت سے رشتہ مانگا اور عزت دی ہے وہ اچھا لگا ہے۔"

"تمھیں تو کوئی اعتراض تو نہیں۔"

"نہیں، میں نے خود کر کے دیکھ لیا اب جو امی اور شیث کریں گے مجھے منظور ہے۔ احسن مجھے اچھا لگا ہے اس کو ہی تب سے اچھی لگی ہوں یہ بات مجھے حیران کرتی ہے۔ دوسرا چاہے جانے کا احساس بہت خوبصورت ہوتا ہے اگلے دیکھتے ہیں کیا ہوتا ہے۔ اندر انجانہ سا خوف ہے جسے ایسا کیسے ممکن ہے۔ یہ سب خواب لگتا ہے۔"

"ان خوف کو ختم کرنے کے لیے جو تمھارا ہاتھ تھام رہا ہے تم بھی ان کے ہاتھ تھام لو اور خوف کا دریا پار کر لو۔"

"اس لیے تو امی اور شیث پر بھروسہ کر رہی ہوں۔"

اگلے دن ہی زبیدہ بیگم نے روبینہ بیگم کو فون کر دیا۔ سلام دعا کے بعد۔

"میں آپ کے گھر آنا چاہتی ہوں۔"

"آیئے یہ آپ کا بھی گھر ہے۔"

''وہ تو ہے میں خاص مقصد سے آنا چاہتی ہوں۔''

''جی شیث نے مجھے بتایا ہے۔ میری طرف سے ہاں ہے۔''

''شکریہ! میں ہفتے تک پاکستان آ رہی ہوں پھر باقاعدہ رشتہ لے کر آؤں گی ساتھ ہی ڈیٹ بھی فکس کر لیں گے۔''

''جیسے آپ کو مناسب لگے۔''

روبینہ بیگم نے ان کے آنے سے پہلے ساری تیاریاں کر لیں۔ اس کے علاوہ شیث اور آمنہ کو بھی ان کے آنے سے پہلے آنے کے لیے کہہ دیا۔ اس مرتبہ شیث پہلے سے بھی زیادہ پرجوش انداز میں آ رہا تھا۔ روبینہ بیگم اور آصفہ بھی بہت خوش تھیں۔ ان کے علاوہ احسن زبیدہ بیگم بھی۔ وہ ہفتے کو صبح صبح ہی روبینہ بیگم کے گھر پہنچ گئے۔ شیث اور آمنہ نے اگلے دن آنا تھا آصفہ اور روبینہ بیگم نے ان کا پرجوش انداز میں استقبال کیا۔ ان کو چائے کے ساتھ باقی لوازمات بھی پیش کیے گئے۔

خوشی سے زبیدہ بیگم ''بدھ کی برات اور جمعرات کا دلیمہ رکھ لیا جاتا ہے۔ کیونکہ چھٹی بھی کم ہے۔''

''جیسے آپ کی مرضی۔ میری طرف سے تیاریاں مکمل ہیں۔''

''ایک اور بات بہن، جہیز بالکل نہیں چاہیے۔ انھوں نے کون سا ساتھ یہاں رہنا ہے ویسے بھی گھر بھرا پڑا ہے۔''

''میری طرف سے کوئی رکاوٹ نہیں جیسے آپ کی مرضی۔''

''بس آپ دعا کریں یہ دونوں خوش رہیں۔''

اٹھ کر روبینہ بیگم نے احسن کا ماتھا چوما اور آصفہ نے مٹھائی کھلائی۔ روبینہ بیگم نے زبیدہ بیگم کو۔ یوں چار لوگوں نے شادی کی تاریخ طے کر دی۔

عورتیں دونوں ایک دوسرے سے باتیں کرنے لگیں اور احسن اور آصفہ شام کو اگلے دن شیث اور آمنہ پہنچے۔ گھر میں بڑی گہما گہمی تھی۔ گھر دلہن کی طرح سجایا گیا تھا۔ سب بہت خوش تھے آمنہ کو سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ وہ کیسے رہے۔ اس کو خوش ہونا چاہیے یا کوئی نئے آنے والے طوفان کے لیے تیار ہونا

چاہیے۔اس کو ہر مرد عام لگتا تھا اس نے بھی تو اس کے لیے کیا کچھ نہیں کیا تھا مگر سب دھوکا تھا۔وہ سوچ رہی تھی ''یہ بھی دھوکا نہ ہو اور وہ آنکھ کھولے اور سب ختم ہو جائے۔''

شادی کی شاپنگ کے لیے آمنہ اور احسن کو اکیلے بھیجا گیا تا کہ وہ ایک دوسرے کے قریب آسکیں۔احسن نے ہر چیز آمنہ کی پسند سے لی۔اور اس کو اس کے ساتھ ہونے کا بھرپور احساس دلایا۔وہ کہتی تو وہ ہاں کہتا وہ نہ کہتی تو وہ نہ کہتا۔

سارے دن کی شاپنگ کے بعد وہ واپس آئے۔احسن اُس کو چھوڑ کر چلا گیا۔تو روبینہ بیگم آصفہ سے ''جا کر پوچھو کیسا رہا دن۔آیا وہ خوش بھی ہے یا نہیں۔''

''جی امی جاتی ہوں۔''

وہ اس کے کمرے میں گئی۔تو وہ بستر پر بیٹھی سوچ رہی تھی۔آصفہ

''کیا کچھ ہوا ہے؟ کیا تم خوش ہو؟''

''آج کا دن تو اس نے میرے لیے یادگار بنا دیا ہے۔مگر......''

''کیا مگر......؟''

''شروع میں سب ایسا ہی کرتے ہیں۔''

''دودھ کا جلا چھاچھ بھی پھونک پھونک کر پیتا ہے۔یہ سچ ہے میں سمجھ سکتی ہوں۔لیکن سانس کے ساتھ آس ہے۔''

''پھر میں نے اس آس پر بازی لگا دی ہے۔''

وہ جا کر لیٹی تھی کہ روبینہ بیگم آصفہ سے۔

''تم نے مجھے کچھ بتایا نہیں۔''

''سب ٹھیک ہے۔''

''اللہ میری پری کو خوش رکھے۔''

تو اِس وقت شیث بھی آ گیا اور اس نے سن لیا۔

''امی، آپ فکر نہ کریں۔ سب بہتر ہو گا۔ اس نے بہت کچھ سہا ہے۔ ہر رات کے بعد دن ضرور آتا ہے۔ ویسے بھی وہ اکیلی نہیں ہم سب اس کے ساتھ ہیں۔''

بدھ کا دن آ گیا۔ بڑی دھوم دھام سے شادی ہوئی برات آئی اس کا استقبال کیا گیا۔ دودھ پلائی کا وقت آیا تو آصفہ اور اس کی لڑکی کزن اور لڑکے کزن نے مل کر دودھ پلائی کی۔ آصفہ ''دودھ پلائی ایک لاکھ لی جائے گی۔''

ابھی آصفہ نے ہاتھ ہلکا رکھا تھا وہ دینے لگا تو احسن کا دوست۔

''بھائی! ہم اتنا مہنگا دودھ نہیں پیتے۔''

''تو ہم لے جاتے ہیں۔'' آصفہ اٹھنے لگی تو احسن۔

''یار! بڑی مشکل سے مل رہا ہے۔ یہ میرا تو خیال ہے سستا ہے۔''

''تم پاگل ہو گئے ہو۔ چھوڑو میں تمھیں دودھ پلا دوں گا۔''

''نہیں مجھے تو آصفہ کے ہاتھ والا پینا ہے۔''

''چلو تم کہتے ہو تو لے لو، ہم پیسے دے دیتے ہیں۔''

پھر وہ آصفہ کی طرف دیکھتے ہوئے۔

''دیں، دلہے کو۔''

''ایسے نہیں پہلے پیسے دیں۔''

قریب ہو کر پیسے دیتے ہوئے'' آپ بھی ساتھ میں ملیں گی تو واقعی میں سستا ہے۔''

اس کی بات کو نظر انداز کرتے ہوئے'' احسن بھائی آپ تو دودھ پئیں۔''

وہ دودھ پلا کر اور دودھ پلائی لے کر چلی گئی۔ رخصتی ہوئی۔ اتنا پڑھنے لکھنے کے باوجود آصفہ، شیث اور روبینہ بیگم کے آنسو بند نہیں ہو رہے تھے سب اس کے لیے دعا کر رہے تھے گھر لے جا کر بھی زبیدہ بیگم نے دلہن کا پر جوش انداز میں استقبال کیا۔ دروازے سے کمرے تک اس پر پھول ہی پھول پھینکے گئے۔ کمرے کا فرش پھولوں سے سجا ہوا تھا۔ جیسے ہی آمنہ نے کمرے میں پاؤں رکھا اُس کو لگا وہ تو

کسی دوسری دنیا میں آ گئی ہے۔ خوشبو سے کمرہ معطر تھا۔ اس کو بستر پر بٹھایا گیا۔ زبیدہ بیگم نے اس کو خاندانی سیٹ منہ دکھائی میں دیا اور ڈھیروں دعائیں دیں۔ دوسری طرف سب آمنہ کے لیے دعا کر رہے تھے۔ سب کے جانے کے بعد احسن کمرے میں آیا۔ وہ آ کر آمنہ کے سامنے بیٹھ گیا۔

''مجھے لگ رہا ہے۔ میں کوئی خواب دیکھ رہا ہوں۔ آپ کو پتہ ہے میں آپ کی تصویر روز دیکھ کر سوتا تھا۔ لگتا تھا تم کبھی نہیں ملو گی۔''

وہ صرف اُس کو دیکھ رہی تھی۔ احسن نے آمنہ کا ہاتھ پکڑا۔

''میں وعدہ کرتا ہوں زندگی کی ساری خوشیاں دوں گا۔'' اس کو یہ ساری باتیں لگ رہی تھیں۔ مگر وہ سن رہی تھی۔ وہ چاہ رہی تھی سب کچھ کہہ دوں۔ پہلے وہ سوچتی رہی پھر بولنے لگی تو احسن ''نہ تمھیں میرے ماضی سے کوئی تعلق واسطہ ہونا چاہیے اور نہ مجھے ہے۔ ظاہر ہے تمھاری زندگی میں بھی کوئی نہ کوئی آیا ہوگا اور میری میں بھی۔ لیکن خدا ان کو ملاتا ہے جو ایک جیسے ہوتے ہیں۔ رب نے ہمیں ملایا ہے اِس لیے ہم ایک جیسے ہیں۔''

ان الفاظ سے آمنہ کے ضمیر کا بوجھ بھی ہلکا ہو گیا۔

''میں یہ نہیں کہوں گا کہ آپ خوبصورت ہیں بلکہ یہ کہوں گا کہ آپ میری سوچ سے بھی زیادہ حسین ہیں۔ آج کی رات تیرے حسن کے نام۔''

اگلے دن صبح کو روبینہ بیگم اور شیث ناشتہ لے کر دس بجے ہی پہنچ گئے کیونکہ وہ سب آمنہ کے لیے فکرمند تھے۔

لیکن آمنہ کو خوش دیکھ کر دونوں کے چہرے پر اطمینان تھا۔ سب نے مل کر ناشتہ کیا۔ شادی کی تقریبات ختم ہوئیں تو سب اپنے اپنے گھونسلوں کی طرف لوٹ آئے۔

ہنی مون پر احسن نے آمنہ کو ورلڈ ٹور کروایا۔ وہ تقریباً ساری دنیا پھرے۔ وہ سوئٹزرلینڈ میں گھوم رہے تھے کہ سورج غروب ہو رہا تھا سڑک پر درختوں کے پتے گرے ہوئے تھے وہ دونوں اس پر چل رہے تھے۔ احسن نے اس کا ہاتھ پکڑا اور گانے لگا۔

آج موسم بڑا بے ایمان ہے
آنے والا کوئی طوفان ہے
اے میرے یار اے حسن والے
دل کیا میں نے تیرے حوالے

اس گانے سے آمنہ کی آنکھوں کے سامنے عامر آ گیا۔ اس وقت وہ خود سے ''قدرت نے اتنی خوبصورت زندگی دی اور اس میں رنگ بھرنے کے لیے اچھا شوہر تو تم اس بے وفا کو یاد کرتی ہو۔'' اس نے سختی سے یاد کو جھٹک دیا اور احسن کا زور سے ہاتھ پکڑ لیا۔ آج وہ پوری کی پوری دل و دماغ سے احسن کی ہو گئی۔ یوں وقت گزرتا گیا وقت کے ساتھ ساتھ احسن نے اس کی زندگی میں رنگ ہی رنگ بھر دیئے اور اللہ نے ان کو دو بچے بھی عطا کیے۔

ایک دن بیٹھے ہوئے آمنہ۔

یہ میری بہن ہی تھی۔ جو مجھے موت کے منہ سے نکال کر لے آئی تھی۔ ورنہ آج میں یہ زندگی میں رنگ اور خوشیاں نہ دیکھ پاتی۔

میری ماں اور بھائی نے بھی بہت کچھ میرے لیے کیا۔

اگر آپ کے گھر والے ساتھ ہوں تو پہاڑ بھی سر ہو سکتا ہے پھر یہ ڈپریشن تھا۔

آج ڈپریشن سے بہت سے لوگ خودکشی تک پہنچ جاتے ہیں اور کچھ ایما کی طرح کر بھی لیتے ہیں۔

سکالوجسٹ علاج کرتے ہیں مگر وہ ہر وقت آپ کے ساتھ نہیں رہ سکتے۔ اس لیے اگر فیملی علاج کرے تو یہ سب سے بہترین ہو گا۔

آپ کی ہر کامیابی کے پیچھے فیملی ہی ہوتی ہے جیسے میری بھرپور زندگی کے پیچھے میری فیملی۔

میرا بس چلے تو میں کہوں گی ڈپریشن میں ہر کوئی اپنی فیملی کے اس فرد کا خود علاج کریں جو ڈپریشن کا شکار ہے۔ ورنہ سمجھ لیں موت اس کا مقدر ہے۔ جیسے ایما اکیلی تھی تو اس کو مرنا ہی تھا۔ یہ کوئی عام بیماری نہیں جان لیوا ہے آپ کا شکار کیے بغیر نہیں جاتی۔

میری فیملی نے میرا ساتھ دیا تو خدا نے ان کو بھی نوازا۔ شیث اور آصفہ کی شادی ہو گئی ہے اور وہ دونوں خوش ہیں اور ماں ہم سب کو دیکھ کر خوش ہے۔''

وہ سوچ ہی رہی تھی کہ احسن۔

''کہاں ہو میری پری۔''

''یہاں ہوں۔ اب تو شادی کو اتنے سال ہو گئے ہیں۔ اب تو پری مت کہا کریں۔''

''تم میرے لیے عمر بھر پری ہو اور آخرت میں بھی ہو گی۔''

وہ مسکرا کر اس کو دیکھ رہی تھی اور خدا کا شکر ادا کر رہی تھی۔

''یوں مسکراتی رہو گی یا چلو گی بھی۔''

وہ اس کا ہاتھ پکڑ کر لے گیا۔

❁ ❁

ختم شد